فہرست مطالب

دین کی ضرورت	٦	امیہ بن ابی الصلت	٨٤
اسلام اور اہل فرنگ	١	سلمان فارسی	٨٥
قرآں ۔ سمجھے کے اسب	١٥	مکہ کے اہل کتاب	٨٦
منکرول ر ت	٢٦	رسول اللہ کا سفر شام	
کلیسا کی اسلام دشمنی	٤٤	آپ کی مکی زندگی	
معجزات	٤٧	خدیجہ در رسول اللہ	٩١
حضرت مسیح کے معجزے	٤٩	عرب کے بڑے بت	٩٤
محمدی معجزے	٥٦	غار میں خلوت	٩٥
معجزات کا اثر	٥٩	آغاز وحی	١٠٢
ب محمدی	٦٢	اولیں سورہ	١٠٩
سیرت محمدی	٦١	علماء فرنگ کی غلطی	١١١
علماء فرنگ اور سیرت محمدی	٦٤	مراسم کا انکشاف	١١٤
موت محمدی اور منکرین	٧٠	پیمبروں کے حالات	
دی مرائیک شنمد	٦٩	موت کی آرزو	
جان آف آرک	٧١	قرآن نہیں سمجھے	
بحیرا راہب	٧٩	بوعلی حکیم سوئزر	
قس بن ساعدہ	٨٢	محکمہ میں موت	

پوتجنک کا مطلب	۱۳۳
معارفِ محمدی کی تبدیل	۱۳۵
سب سے بڑا معجزہ ــــ قرآن عظیم	۱۳۷
محمد صلعم کی برتری	۱۳۹
۷ قرآن کا اسلوب	۱۴۱
۸ قرآن کا پیدا کردہ انقلاب	۱۴۴
۱۰ اصحاب موسی وعیسی واصحاب محمد	۱۴۸
صدر اول کے مسلمان	۱۵
۹ عربوں پر قرآن کا اثر	۱۵۳
۱۱ مشرکوں پر قرآن کا اثر	۱۵۶
۱۴ مومنوں پر قرآن کا اثر	۱۶۱
۱۵ قرآن کی تکرار مطالب	۱۶۵
۱۲ قرآن کا پہلا مقصد	۱۶۸
۱۹ ایمان باللہ	۱۶۹
۱۸ قیامت اور مراد جزا	۹۷۶
۴ عمل صالح	۱۸۶
عمل پر قرآن کی برتری	۱۹۵
وادر عمل صالح	۱۹۹
محمدی کی فضیلت	۲
قرآن کا دوسرا مقصد	۲۰۱
موت رسالت فرائض انبیاء	۲۰۲
تمام پیغمبروں پر ایمان	۲۰۸
آیات الٰہی کی قسمیں	۲۱۴
اللہ کی سنتیں	۲۱۵
غیب کی قسمیں	۲۱۶
خوارقِ عادت	۲۱۸
معجزے اور کرامت میں فرق	۲۲۲
آیات الٰہی کے منکر	۲۲۵
خوارق تیوں	[illegible]
خوارقات کا علاج	۲۲۷
کسبی ولیوتی	۲۲
سید و فقیر ولیجہ	۲۳۱
سید و فقیر اور اصحاب کہف	۲۳۳
کسبی اور حقیقی خوارق	۲۳۵
معجزات کی قسمیں	۲۳۶
مسیح کا سب سے بڑا معجزہ	۲۳۹
امراض کو شفا دینا	۲۴
مکاشفات	۲۴۱
موسوی وعیسوی معجزے	۲۴۲
ولیوں کی عبادت کا سبب	۲۴۳
خالق ومخلوق میں فرق	۲۴۴
غیر اللہ کی عبادت	۲۴۵



قواس ابی	۲۴۷	سا کیوں رص ہوا ؟	۲۹۴
دیوں کا قتدار	۲۴۸	قرآں کا چوتھا مقصد	۲۹۵
دائمی آمت ہی	۲۴۹	آٹھ وحدتیں	۲۹۵
معجزات اور خوارق	۲۵	امت کی وحدت	۲۹۷
معجزے رقرآں	۲۵۲	انسانی و دینی وحدت	۲۹۸
قرآنی معجزہ	۲۵۳	قانونی و روحانی وحدت	۲۹۹
خوارق کا عقیدہ	۲۵۴	سیاسی و عدالتی وحدت	۳
خلاصہ بحث	۲۵۵	زبان کی وحدت	۳ ۱
الہ کی حکمتیں	۲۵۶	قومی وحدت کے لیے سعی کا اہتمام	۳ ۳
ایات ی کا مانہ	۲۵۷	ترک اور عربی زبان	۳ ۴
علماء سائنس اور معجزے	۲۶	زبان کی وحدت اور فطرت انسانی	۳ ۵
دین کے معر علم کی ترقی	۲۶۱	دعوت اسلام کی ہمہ گیری	۳ ۶
قرآں کا تیسرا مقصد	۲۶۲	معاویہ اور حرص عالم	۳ ۷
اسلام دین عقل ہے	۲۶۳	قرآں کا پانچواں مقصد	۳ ۸
اسلام اور علم و حکمت	۲۶۸	اسلام، آسان دیں ہے	۳ ۹
اسلام اور حجت و برہاں	۲۷۹	دیں میں غلو	۳۱
اسلام، قلب و ضمیر کا دیں ہے	۲۸۳	عزیمت و رخصت	۳۱۲
اسلام اور تقلید و جمود	۲۸۵	قطعی اور غیر قطعی احکام	۳۱۳
سب سے بڑا مدعی مدس	۲۹	ظاہر و باطن	۱۴
تقلید اور بدعت	۲۹۱	سیاسی فرمانروائی	۱۵
اسلام میں شخصی آزادی	۲۹۲	قرآں کا چھٹا مقصد	۱۵

حکومت شوریٰ	۳۱۶	دولت اور مومن	۳۵۳
اُولوالامر	۳۱۷	کفایت شعاری	۳۵۴
جماعت کا مطلب	۳۱۸	یتیموں کا مال	۳۵۵
قوم کی حکمرانی	۳۱۹	اسراف کی مذمت	۳۵۶
خلفاء رسول کی حکومت شوریٰ	۳۲۱	ایمان اور اسلام	۳۵۷
سلطان صلاح الدین کی حکومت	۳۲۲	مالی جہاد	۳۵۸
اسلامی قانون سازی کے اصول	۳۲۳	مالی جہاد سے مسلمانوں کی غفلت	۳۶۸
قواعد اجتہاد	۳۲۶	مالیات میں اسلامی اصلاحات	۳۶۹
عدل و انصاف	۳۲۷	**قرآن کا آٹھواں مقصد**	۳۷۳
ظلم	۳۳۱	جنگ اور اسلام	۳۷۴
احکام میں نیکی کا لحاظ	۳۳۲	عہد شکنی	۳۷۶
قرآن کا ساتواں مقصد	۳۳۳	امن و جنگ کے اسلامی اصول	۳۷۷
مال آزمائش ہے	۳۳۴	اسلام میں جنگ سے غرض	۳۸۰
بخل	۳۳۷	جنگی تیاری	۳۸۵
سخی اور بخیل	۳۳۸	جنگ میں رحم و شفقت	۳۸۶
دولت کی سرکشی	۳۳۹	جنگ کے قیدی	۳۸۷
مال خرچ کرنے میں ریاکاری	۳۴۳	عہد کی پابندی	۳۸۸
ناجائز طریقہ پر مال کھانا	۳۴۶	حریت کی حقیقت	۳۹۱
مال، اللہ کی نعمت ہے	۳۴۷	جنگ محض مجبوری کی چیز ہے	۳۹۵
مال، عمل صالح کا معاوضہ ہے	۳۴۸	**قرآن کا نواں مقصد**	۳۹۶
شکر اور ناشکری	۳۵۱	اسلام میں عورت کے حقوق	۳۹۷

مردکی عورت پر سرداری ۴۰۶
کئی بیا دیوں کی اجازت ۴۰۷
طلاق ۴۰۹
اسلام میں عورتوں کی عزت ۴۱۱
قرآن کا دسواں مقصد ۴۱۲
اسلام اور غلامی ۴۱۳
غلاموں کی آزادی ۴۱۴
جنگ کے قیدی ۴۱۶
غلاموں سے متعلق احکام ۴۱۷
آزادی کے وسائل ۴۱۸
غلام آزاد کرنے کا ثواب ۴۲۷
غلاموں کے حق میں وصیت ۴۲۸
مسلمانوں کے عوام ۴۲۹
خلاصۂ بحث ۴۳
خاتمہ کتاب ۴۳۲
انبیاء اور حکماء میں موازنہ ۴۳۵
محمدؐ کی تاریخ ۴۳۶
دین کی ضرورت ۴۳۹
انسانی علم کی بے بسی ۴۴
ثبوت وحی محمدی کے مقدمات ۴۴۱
محمدؐ کی نشوونما ۴۴۲
محمدؐ کی خلوت پسندی ۴۴۳
آپ کو نبی ہونے کی امید نہ تھی ۴۴۴
قرآن کی شہادت ۴۴۶
ادھیڑ عمر میں کارنامے ۴۴۸
ترقی کی عمر ۴۴۹
انبیاء میں محمدؐ کا مقام ۴۵۱
دعوت محمدی اور قرآن کی خصوصیتیں ۴۵۳
قرآن ۴۵۶
حقانیت قرآن کے دلائل ۴۵۷
معجزہ مسدمات ۴۷
دعوت محمدی کے اصول و مقاصد ۴۷۲
ساری دنیا کو چیلنج ۴۷۷
رسول کی علمی تعلیم ۴۷۸
اسلام سے یورپ کی عداوت ۴۸۳
اسلام کی دعوت عام ۴۸۵

کتاب ملنے کا پتہ
نمبر ۱۱ سوکارام اسٹریٹ
کلکتہ

(از مترجم)

کتاب کے مصنف، علامہ سید رشید رضا، میرے استاد ہیں۔
اگر اُن کی تعریف کروں تو کہا جائے گا، شاگرد نے استاد کی تعریف کی ہے۔
لیکن حق یہ ہے کہ علامہ ممدوح اِس زمانہ کے امام اور حجۃ اسلام ہیں
موجودہ عہد کے بکثرت علما اسلام سے میرا تعارف ہے، لیکن اس مرتبہ کا
کوئی شخص میری نظر سے نہیں گزرا۔ جامع معقول و منقول ہیں، اور ضروریات
زمانہ سے کماحقہ واقف۔

موصوف، دراصل چودھویں صدی کے مجدد ہیں۔ لگاتار چالیس
برس سے اسلام اور مسلمانوں کی بہترین خدمات انجام دے رہے ہیں۔
دنیائے اسلام میں کوئی اہل علم نہیں جو اِن کے مقام و مرتبہ سے واقف نہ ہو۔
"وحی محمدی" کتاب نہیں معجزہ ہے۔ آج تک کسی زبان میں کوئی
ایسی کتاب لکھی نہیں گئی۔ یہ کتاب، اسلام کی حقانیت پر حجت کبریٰ ہے۔
ایسی حجت کہ اُس کا انکار ممکن نہیں۔
میں نے اِستاد محترم کے حکم سے اِسے اردو میں منتقل کردیا ہے۔

تیرہ نام وہی رکھا۔ ہے جو اصلی کتاب کا ہے۔ ترجمہ میں پوری کوشش کی ہے کہ اصلی ہو۔ اسی لیے سخت محنت کرنا پڑی ہے۔ جن لوگوں کو ایماندارانہ ترجمہ کا تجربہ ہے، وہی میری محنت کا اندازہ کر سکتے ہیں، حدیثوں کا ترجمہ کسی حد تک ... ہے۔

میں نے لفظی ترجمہ کا اس قدر التزام کیا ہے کہ کہیں کہیں اردو زبان کی فصاحت بھی قربان کر دی ہے، اور صرف اس لیے کہ قارئین تک صرف بیانات ہی نہیں مگر مصنف کی اسپرٹ بھی پہنچ جائے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ میری حقیر خدمت کو قبول فرمائے اور اپنے اسلام دوست ... کہ یہ سید سادے ... کے سوا کسی تعریف کی طلب سے بے نیاز کی۔

ملیح آبادی

(الوصل) جناب قاضی عبدالغفور صاحب نقوی اس کتاب کو شائع کر رہے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے اس ترجمہ کے جملہ حقوق حاصل کر لیے ہیں، اب یہ ترجمہ ہمیشہ کے لیے انہی کی ملکیت ہے۔

ملیح آبادی

"وحی محمدی" کی پیش کش
دنیا بھر کی اسلامی انجمنوں کے نام

(الف) بیت المقدس میں عام مؤتمر اسلامی
(ب) جینوا میں یورپین مسلمانوں کی مؤتمر اسلامی
(ج) لاہور کی سیرت کمیٹی
(د) مصر کی جماعت رواجِ اسلام
(ہ) تمام ممالک میں اسلامی انجمنیں

حضرات خادمانِ اسلام،

میں نے اب تک کوئی ایسی کتاب نہیں دیکھی جو موجودہ تہذیب کی مالک قوموں کو اسلام کی طرف دعوت دینے کی صلاحیت رکھتی ہو، جس میں عقلی اور تاریخی دلائل سے ثابت کر دیا گیا ہو کہ قرآں، اللہ تعالیٰ ہی کی وحی ہے نہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی استعداد طبعی سے پھوٹنے والی وحی، جیسا کہ اس کے انکار سے مجبور ہو کر بعض تاویل کرنے والوں نے کہہ دیا ہے۔ اور جس میں قرآں کے دینی، اجتماعی، سیاسی، مالی، جنگی، اہمی اصول و قواعد بیاں کر دئے گئے ہوں، وہ اصول و قواعد جن کی پیروی ہی پر انسان کی سود و بہبود موقوف

ہے جس میں تمام مادی مفاسد کا علاج موجود ہے اور جس سے الحاد واباحیت
کی بے قیدی اور عالمگیر جنگ کا خطرہ دور ہو سکتا ہے۔ لہٰذا میں نے
مناسب سمجھا کہ اِس کتاب میں یہ سب کچھ آجائے اور وہ دوسرے مذاہب
کے سکھوں اور اسلام پر نکتہ چینی کرنے والوں کی زبانیں تراش دینے میں تیز
چھُری کا کام دے۔ مجھے آپ کی مبارک جماعت سے جو اسلام کی اعانت اور اُس
کی ہدایت کے احیاء کے لیے وجود میں آئی ہے پوری امید ہے کہ مسلمانوں میں
اِس کتاب کی اشاعت اور دوسری قوموں کی زبانوں میں اِس کے ترجمہ کے
کام میں میری مدد کرے گی۔ براہ مہربانی اِس بارے میں اپنی رائے سے مجھے
مطلع کیجئے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کا بھائی

محمد رشید رضا

منشی المنار (مصر)

مقدمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شَهِدَ اللّٰهُ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ
قَائِمًا بِالْقِسْطِ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿﴾ إِنَّ الدِّينَ
عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ، وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ
إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ، وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِ
اللّٰهِ فَإِنَّ اللّٰهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿﴾ فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ
وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ، وَقُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ
أَأَسْلَمْتُمْ؟ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوْا، وَإِنْ تَوَلَّوْا
فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَاللّٰهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ (آل عمران ۳: ۱۸-۲۰)

اللہ گواہ ہے اور فرشتے، اور اہل علم کہ اُس ذات حق کے سوا کوئی
بندگی کا سزاوار نہیں، اور یہ کہ وہی قائم ہے انصاف کے ساتھ اُس
زبردست اور حکمت والے معبود کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اللہ کے
ہاں اسلام کے سوا کوئی دین نہیں۔ اہل کتاب میں اختلاف اُسی وقت
پڑا جب سے اُن میں علم باہمی سرکشی بن کر آیا، اللہ کی نشانیوں سے

دین کی ضرورت

ی صرف لڑنے والوں ہی کو نہیں بلکہ کروڑوں عورتوں
موت کے گھاٹ اتار دے گی۔ اسی قدر نہیں بلکہ یہ سلطنتیں قوت کی
طاقت کو اپنی تخریبی اغراض میں اور کمزور قوموں پر ظلم کرنے کی راہ
ہے دریغ خرچ کر رہی ہیں، وہ کمزور قومیں جو ان سلطنتوں کی غلامی میں
گرفتار ہو گئی ہیں۔ یہ سلطنتیں پوری بے باکی سے ان کمزور قوموں کی دولت
اور دینی و دنیاوی آزادیاں سلب کر رہی ہیں۔ تمام انسانیت ان سرکش
اور حریص سلطنتوں کی پالیسی کے باعث سخت بدبختی میں مبتلا ہے
اس خوفناک پالیسی اور جنگ کا خطرہ دور کرنے کے لیے اب تک جتنی
کانفرنسیں منعقد ہوئی ہیں، انہوں نے اس آگ کو اور بھی زیادہ تیز کر دیا ہے
حالانکہ اگر ان سلطنتوں کی نیت نیک ہوتی اور اپنی اور دوسری قوموں کی
لوٹی ہوئی بے شمار دولت کو عام انسانی اصلاح میں صرف کرتیں تو ضرور
آج انسان خوشحالی و آرام کے بلند ترین درجہ پر پہنچ جاتے۔

یہ تمام باتیں یقین سے معلوم ہیں۔ یہ واقعات ہیں اور ان کی تردید
ممکن نہیں۔ پھر اس مادی تہذیب کی تاریخ کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم
ہو چکا ہے کہ یہ تمام شر و مفاسد اس تہذیب کے لوازمات ہیں، اور اس کے
بڑھاؤ کے ساتھ بڑھتے رہتے ہیں۔ یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ محض انسانی
علوم و فنون، آخرت کی زندگی سے قطع نظر، دنیا کی زندگی میں بھی انسان کو

خوش نصیب ماننے کے لیے کافی نہیں ہیں۔ اور یہ کہ دنیا و آخرت کی شادمانیاں صرف دین کی ہدایت ہی سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔ ماہرین کہا جا ہیے کہ انسان فطری طور پر متمدن اور فطری طور پر متدین واقع ہوا ہے یا اسلام کی اصطلاح کے بموجب انسان کی فطرت میں دینداری داخل ہے۔

اسی سبب سے یورپ وغیرہ کے بعض دانشمندوں نے سوچا ہے کہ دین کی ہدایت ہی میں پناہ حاصل کریں، کیونکہ انہیں یقین ہو گیا ہے کہ دین ہی اس مادی تہذیب کی بیماریوں کا علاج اور اس کے زہر کا تریاق ہے۔ یہ لوگ آرزو کر رہے ہیں کہ مغرب یا مشرق میں کوئی نیا پیغمبر ظاہر ہو اور اپنے ساتھ ایسا دین لائے جو اس تمام فساد کو دور کر دے۔ ان لوگوں کے خیال میں موجودہ ادیان و مذاہب اس زمانہ کے لیے مفید نہیں رہے، کیونکہ ان سب کے پیرو بگڑ چکے ہیں۔ اس نے دین کا نام انہوں نے "دین محبت" رکھا ہے اور یہ تصدیق ہے اس آیت کریمہ کی "فَاَغْرَیْنَا بَیْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ" (ہم نے ان کے آپس میں قیامت تک کے لیے بغض و عداوت پیدا کر رکھی ہے)

-

جوانکار کرتا ہے تو اللہ اُس سے جلد حساب لینے والا ہے ۔ اے پیغمبر
یہ لوگ آپ سے حجت وتکرار کریں تو کہہ دیجئے کہ میں اور میری پیر
کرنیوالے تو اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر چکے ہیں اہل کتاب اور ان
دونوں سے کہہ دیجئے کیا تم بھی اپنے آپ کو سپرد کر دیتے یا آمادہ ہو
اگر وہ بھی اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دیں، تو بے شک ہدایت پر آ
ہوجائیں، اور اگر روگردانی کریں تو آپ کا کام تو بس پیغام پہنچانا
ہے، اور اللہ بندوں کی حالت ہمیشہ نگاہ میں رکھتا ہے

اِنسان کی مادّی ترقّی، اخلاقی تنزل، دین کی ضرورت

یقین سے معلوم اور حواس سے ثابت ہے کہ مادّی علوم
کو بیٹے نے اِس زمانہ میں حیرت انگیز ترقی کی ہے ۔ اِن علوم نے تیز
انسان کے قبضہ میں کر کے دنیا کی صورت حال ایسی کر دی ہے گویا پور
جہاں، ایک ہی شہر بن گیا ہے، اور گویا مختلف ممالک اِس شہر کے مکان
ہیں، اور گویا قومیں ایک ہی امت کے گھر ہیں جو اِن مکانوں (محلوں)
میں رہتے اور آپس میں تعاون، اخوت، مسرت، محبت کی زندگی بسر کر
سکتے ہیں، اگر دین کی ہدایت پر استوار ہو جائیں ۔
پھر یہ بھی یقین سے معلوم ہے کہ مادّی علوم میں جتنی ترقی ہوتی جا

ہے اور اس ترقی کے ثمروں سے تمتّع جتنا زیادہ بڑھتا جاتا ہے، اُسی قدر اخلاق و فضائل میں انسان، رجعت قہقری بھی کرتا چلا جاتا ہے۔ بداخلاقیوں کی گرم بازاری ہوتی جاتی ہے جرائم پر جرأت بڑھتی چلی جاتی ہے بہیمی خواہشوں میں غلو زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ زوجیت کے عہد وپیماں ٹوٹتے جاتے ہیں۔ رشتہ داریاں کٹتی چلی جاتی ہیں۔ دین کی ہدایت سے منھ مڑتے جاتے ہیں، یہاں تک کہ قریب ہے انسان، اُن تمام پابندیوں کو توڑ ڈالے جو دین و عقل، اخلاق اور رسم و رواج نے خواہشوں پر عائد کر رکھی ہیں اور اُن پر بے قید راحت کو ترجیح دینے لگے۔ بلکہ یورپ کے سب سے زیادہ ترقی یافتہ ممالک میں بعض لوگوں نے تو ننگی اختیار کر لی ہے اور وحشی زندگی بسر کرنے لگے ہیں جیسی افریقا کے جنگلوں اور تہذیب سے دور جزیروں میں باقی ماندہ وحشی انسان بسر کرتے ہیں۔

نیز یہ بھی یقین سے معلوم ہے کہ مہذب قوموں کی بڑی بڑی سلطنتیں انسان اور انسانیت کے حق میں اُس سے کہیں زیادہ سنگین جرائم کی مرتکب ہو رہی ہیں جو عام انسان خود اپنے حق میں کر رہے ہیں، اور یہ اس طرح کہ سلطنتیں، انسانوں میں پھوٹ ڈالتی ہیں اور علوم و فنون کے تمام نفع کو ایسی عالمگیر جنگ کی طیاریوں میں استعمال کر رہی ہیں جو فرمانرواؤں کے سامنے ہوتے ہی سر بفلک قصور تمدن و تہذیب کو مہینوں بلکہ گنتی کے چند دنوں میں برباد

کرکے رکھ دے گی۔ صرف لڑنے والوں ہی کو نہیں بلکہ کروڑوں عورتوں اور بچوں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیگی۔ اسی قدر نہیں بلکہ یہ سلطنتیں قومی دولت۔ ثروت کو اپنی تخریبی اغراض میں اور کمزور قوموں پر ظلم کرنے کی راہ میں بے دریغ خرچ کر رہی ہیں، وہ کمزور قومیں جو ان سلطنتوں کی غلامی میں گرفتار ہو گئی ہیں۔ یہ سلطنتیں پوری بے باکی سے ان کمزور قوموں کی دولتیں اور دینی و مادی آزادیاں سلب کر رہی ہیں۔ تمام انسانیت ان سرکش اور حریت النفس سلطنتوں کی پالیسی کے باعث سخت بدبختی میں مبتلا ہے اس حوصلہ پالیسی اور جنگ کا خطرہ دور کرنے کے لیے اب تک جتنی کانفرنسیں منعقد ہوئی ہیں، انہوں نے اس آگ کو اور بھی زیادہ تیز کر دیا ہے حالانکہ اگر ان سلطنتوں کی بیت نیک ہوتی اور اپنی اور دوسری قوموں کی لوٹی ہوئی بے شمار دولت کو عام انسانی اصلاح میں صرف کرتیں تو ضرور آج انسان خوشحالی و آرام کے بلند ترین درجہ پر پہنچ جاتے۔

یہ تمام باتیں یقینی سے معلوم ہیں۔ یہ واقعات ہیں اور ان کی تردید ممکن نہیں۔ پھر اس مادی تہذیب کی تاریخ کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ یہ تمام شر و مفاسد اس تہذیب کے لوازمات ہیں، اور اس کے ڈنڈے کے ساتھ بڑھتے رہے ہیں۔ یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ محض انسانی علوم و فنون، آخرت کی زندگی سے قطع نظر، دنیاوی زندگی میں بھی انسان کو

خوش نصیب بنانے کے لیے کافی نہیں ہیں۔ اور یہ کہ دنیا و آخرت کی شادمانیاں صرف دین کی ہدایت ہی سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔ بنا بریں کہنا چاہیے کہ انسان فطری طور پر متمدن اور فطری طور پر متدین واقع ہوا ہے یا اسلام کی بول چال کے بموجب انسان کی فطرت میں دینداری داخل ہے۔

اسی سبب سے یورپ وغیرہ کے بعض دانشمندوں نے سوچا ہے کہ دین کی ہدایت ہی میں پناہ حاصل کریں، کیونکہ انہیں یقین ہو گیا ہے کہ دین ہی اس مادی تہذیب کی بیماریوں کا علاج اور اس کے زہر کا تریاق ہے۔ یہ لوگ آرزو کر رہے ہیں کہ مغرب یا مشرق میں کوئی نیا پیغمبر ظاہر ہو اور اپنے ساتھ ایسا دین لائے جو اس تمام فساد کو دور کر دے۔ ان لوگوں کے خیال میں موجودہ ادیان و مذاہب اس زمانہ کے لیے مفید نہیں رہے، کیونکہ ان سب کے سر و بگڑ چکے ہیں۔ اس لیے دین کا نام انہوں نے "دین محبت" رکھا ہے اور یہ تصدیق ہے اس آیت کریمہ کی "فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ" (ہم نے ان کے آپس میں قیامت تک کے لیے بغض و عداوت پیدا کر رکھی ہے)

حقیقت اسلام اور اہل فرنگ

لیکن یہ لوگ دینِ قرآں کی حقیقت سے ناواقف ہیں، حالانکہ یہی عالمگیر دینِ الٰہی ہے۔

دینِ اسلام کی حقیقت سے وہ اس لیے دور ہو گئے ہیں کہ اُن کی آنکھوں پر تین پردے پڑ گئے ہیں اور ان پردوں کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے

پہلا پردہ کلیسا ہے، جس نے اسلام کی دعوت سننے کے لئے ہی سے اُس کی عداوت پر کمر باندھ لی۔ کلیسا نے اسلام کی نہایت ہی بھیانک تصویریں کھینچ کر پیش کی ہیں۔ اس مقصد کے لیے نہایت وسیع پروپیگنڈا کیا ہے جس کی بنیاد ایسے کھوٹے جھوٹ، افترا، بہتان پر ہے کہ اُس کی نظیر کسی اور دین کے پیروؤں میں کبھی نہیں دیکھی گئی۔ اس غرض کے لیے کتابیں تصنیف کی گئیں۔ رسائل لکھے گئے۔ نظمیں تیار کی گئیں۔ گانے بنائے گئے، اور ان میں ایسی ایسی بیہودہ باتیں لکھی گئیں کہ ہر ماہر مؤرخ اُن کے جھوٹ سے واقف ہے۔ اسی قدر نہیں بلکہ کلیسا نے اسلام کو بدنام کرنا اور اُس سے دشمنی کرنا اُن تمام تعلیم گاہوں کی تعلیم و تربیت کا ایک بنیادی اصول قرار دے دیا جو پادریوں کے زیر انتظام ہیں۔ چنانچہ ان مدارس میں ہر تعلیم حاصل کرنے والے کا یقین یہی ہے کہ تمام مسلمان مسیح کے اور جملہ عیسائیوں کے دشمن ہیں، لہٰذا اُن سے

زیادہ سے زیادہ عداوت رکھنی ضروری ہے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اسلام، مسیحیت کا دوست اور اُس کی ہدایت کو مکمل کرنے والا ہے، اور یہ کہ حضرت احمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ فارقلیط یعنی روحِ حق ہیں جس کی مسیح علیہ السلام نے بشارت دی تھی۔

دوسرا یہ وہ یورپین مدبّر ہیں، جنہوں نے اسلام کی عداوت کلیسا سے ورثہ میں پائی ہے اور اسلام پر کلیسا کے الزاموں کو آنکھ بند کرکے قبول کرلیا ہے۔ اِن مدبّروں کو اسلام سے اِس سبب سے اور زیادہ دشمنی ہوگئی اور وہ اُس کی بیخ کنی پر تُل گئے کہ مُسلم قوموں کو غلام بنانا اور اسلامی ملکوں کو لوٹنا چاہتے ہیں۔

اگر خود مسیحی دین کے پیشواؤں کا یہ حال ہے کہ اسلام کے خلاف کذب و افترا سے دنیا کو لبریز کرچکے ہیں ـــــ حالانکہ ہر دین کی بنیاد سچائی، حق محبت، رحم، انصاف، ایثار پر ہوتی ہے ـــــ تو سیاسی لوگوں سے کون سی چیز بعید سمجھی جاسکتی ہے، جبکہ سیاست کی بنیاد ہی جھوٹ پر ہے اور ظلم زیادتی، سنگ دلی، خودغرضی، دھوکہ، اُس کے سب سے بڑے ستون ہیں یہی وہ چیزیں ہیں جنہیں ہم یورپین مقبوضات میں اپنی آنکھوں سے روز دیکھتے اور کانوں سے سنتے ہیں۔ بلکہ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ اسلام پر پادریوں نے جس قدر بہتان باندھے ہیں، وہ بھی سیاست ہی نے پیدا کیے ہیں نہ کہ دین نے۔

راں لوگوں کا مشہور اصول ہے مقصد، وسیلہ کو جائز کر دیتا ہے" اور یہ اصول سیاسی ہے نہ کہ اخلاقی، کیونکہ کسی دین کی بھی یہ شان نہیں ہو سکتی کہ اپنے پیرووں کے فائدے کے لیے جرم اور بد اخلاقی کی اجازت دے۔
تیسرا پردہ اس آخری زمانہ میں مسلمانوں کی زبوں حالی ہے۔ مسلمان حکومتیں اور قومیں بگڑ گئیں۔ دین کی حقیقت کے ساتھ بنیادی مصلحتوں سے بھی جہل عام ہو گیا، یہاں تک کہ مسلماں اپنے دشمنوں کے لیے حجت بن گئے جو ان کی حالت پیش کر کے کہتے ہیں کہ اسلام کی نہ دنیا ہی بھلی ہے نہ دین ہی بھلا ہے۔ اسی واہی حجت کے ذریعہ دشمنوں نے اُن تمام لوگوں کو اپنا ہم خیال بنا لیا ہے جو اُن کے سیاسی اور تبلیغی مدرسوں میں تعلیم حاصل کر چکے ہیں، بلکہ خود بہت سے نوجوان مسلمانوں کو بھی یہی باتیں دلا دیا ہے۔ اسی نسل میں سے وہ لوگ منتخب کیے جاتے ہیں جو یورپین حکومتوں کے عمّال بنتے اور اُن کی درس گاہوں میں تعلیم دیتے ہیں یہ درس گاہیں یورپین مقبوضات کے علاوہ اُن ملکوں میں بھی موجود ہیں جہاں دول یورپ کا سیاسی اثر ہے۔ چنانچہ انہی لوگوں کے ہاتھوں ہر اسلامی چیز کو، عام اس سے عقیدہ ہو یا اخلاق یا قانون، تباہ کرنے کا کام یہ سلطنتیں، ترکی اور ایران میں بھی لے چکی ہیں۔
اسلام کے حکیم اور مشرق کے بیدار کرنے والے، سید جمال الدین افغانی

کا خیال تھا کہ یہ آخری پردہ سب سے زیادہ بھاری پردہ ہے جو اسلام کو یورپین قوموں سے چھپائے ہوئے ہے۔ موصوف کا یہ قول مجھ سے ایک معتبر راوی نے نقل کیا ہے کہ "اگر ہم یورپ کو اپنے دین کی طرف دعوت دینا چاہتے ہیں تو ہمارا پہلا کام یہ ہونا چاہیے کہ یورپ کو یقین دلادیں کہ خود ہم مسلمان نہیں ہیں۔ یورپ والے، قرآن کے اندر سے ہمیں یوں دیکھتے ہیں ـــــ یہ کہکر آپ نے اپنی ہتیلیاں منہ کے سامنے کیں اور انگلیوں کے شگافوں سے دیکھکر فرمایا ـــــ وہ اس طرح قرآن کے اندر سے ہمیں دیکھتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ قرآن کے پیچھے ایسی قومیں موجود ہیں جن میں جہل، نااتفاقی، سستی پھیلی ہوئی ہے ... اور کہتے ہیں کہ اگر واقعی یہ کتاب، اصلاح کی کتاب ہوتی تو اس کے ماننے والے اس قدر ابتر اور پراگندہ نہ ہوتے!"

ہم مانتے ہیں کہ بعض آزاد خیال یورپین لوگوں نے اسلامی تاریخ سے اتنی واقفیت بہم پہنچائی ہے جو اکثر مسلمانوں کو نصیب نہیں ہے اور انہوں نے جو تاریخیں یا علمی دینی کتابیں لکھی ہیں اُن میں اسلام سے انصاف بھی کیا ہے۔ اور یہ کہ اُن میں ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے بصیرت و روشنی کے ساتھ ہدایت حاصل کی ہے۔ لیکن ان تمام لوگوں نے جو کچھ لکھا ہے، اُس سے بھی پوری حقیقت ظاہر نہیں ہوئی ہے، اور اُن کی

قوم کے تھوڑے ہی افراد نے اُن کی تصانیف دیکھی ہیں۔ اِن کتابوں کا اُن کے دیکھنے والوں پر زیادہ سے زیادہ یہ اثر ہوا ہے کہ انہوں نے سمجھ لیا بعض لوگوں نے اسلامی تاریخ لکھنے میں غلطی کی ہے جس پر اِن کتابوں میں نکتہ چینی کر دی گئی ہے۔ اصلی غرض اِن کتابوں سے پوری نہیں ہوئی۔ اِس سے وہ تیموں پردے اٹھ نہیں سکے جو حقیقتِ اسلام کو یورپ سے چھپائے ہوئے ہیں۔

رہ گیا یہ سوال کہ یورپ والوں نے کما حقہ قرآن کیوں نہیں سمجھا؟ ایسا سمجھا کہ اُس کے اعجاز کی اور اُس کے قانون کی حقیقت سے واقف ہو جاتے اور جان لیتے کہ یہی اللہ کا آخری کامل دین ہے جس کے بعد نہ کسی دوسری کتاب کی انسان کو ضرورت باقی رہتی ہے نہ کسی نئے نبی کی۔ تو اس کے بھی متعدد اسباب ہیں:۔

قرآن نہ سمجھنے کے اسباب

ا۔ عربی زبان کی بلاغت سے جہل، قرآن کی اُس بلاغت سے جہل جس کا پیرایہ، ترتیب، مومنوں اور کافروں پر جس کی تاثیر حد اعجاز تک پہنچ گئی ہے۔ قرآن نے اپنی اسی معجزانہ بلاغت سے عرب میں ذہنی و فکری انقلاب طاری کر دیا تھا اور تمام انسانوں میں عام تبدیلی پیدا کر دی تھی، جیسا کہ اپنی اِس کتاب میں ہم نے بہ تفصیل بیان کیا ہے۔ قرآن کی یہ بلاغت اتنی بلند ہے کہ علماءِ اسلام نے قرآن کے معجزوں میں سے اِسی معجزے کو لیکر تمام انسانوں کو چیلنج دیدیا ہے، اور چونکہ عرب اِس بلاغت کے مقابلہ سے عاجز آگئے تھے، نیز وہ لوگ بھی جو عرب نہ تھے، لیکن عربی زبان کے عملی ملکہ اور اُس کی نحو و بیان کے بخوبی ماہر تھے۔ جب یہ سب لوگ قرآن کے سامنے بے بس ہوگئے تو علماء نے اِس چیز کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی حجت قرار دیا۔

لیکن اب جبکہ بہت سی صدیوں سے چند متفرق افراد کے سوا خود عرب بھی اپنی زبان کے ملکہ سے محروم ہوگئے ہیں، تو غیر عرب کس شمار میں ہیں؟ اِس زمانہ میں بھی مسلمانوں کے علماء قرآن کے اعجاز سے حجت لاتے ہیں مگر یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ خود بھی اِس اعجاز کے راز سے واقف یا اُس

کے لطف سے آشنا ہیں۔ بلکہ اسی وجہ سے بعض قدیم علماء نے کہہ دیا ہے کہ قرآن کا معجز ہونا کسی معقول سبب سے نہیں ہے، بلکہ اس کا سبب یہ ہے کہ خدا نے اپنی قدرت سے لوگوں کو اُس کے مقابلہ سے روک دیا ہے۔ حالانکہ صحیح یہ ہے کہ مخالفوں نے اُس کا مقابلہ کرنا چاہا، مگر ناکام رہے۔ وہ سمجھے کہ قرآن کا سارا اعجاز بس آیات کے آخری ٹکڑوں میں ہے جو مسجّع معلوم ہوتے ہیں۔ چنانچہ اُنہوں نے اسی چیز کی تقلید کی اور بری طرح رسوا ہوئے۔ ان میں سے بعض متاخرین نے نبوت کا بھی دعویٰ کیا مثلاً ہندوستان کا قادیانی دجّال مسیح۔ اور بعضوں نے الوہیت کا دعویٰ کیا مثلاً بہاء، جس کے پیروؤں نے اُس کی کتاب "الاقدس" چھپا دی ہے تاکہ رسوا ہو جائیں۔

۲۔ قرآن کے جن ترجموں پر علماء فرنگ کے فہم قرآنی کا دارومدار ہے، وہ تمام کے تمام اُن معانی کے ادا کرنے سے قاصر ہیں جو قرآن کی اعلیٰ عبارت اور اُس کے معجز اسلوب سے ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ ترجمے وہی معانی پیش کرتے ہیں جو مترجموں کی سمجھ میں آتے ہیں، اور مترجموں کی سمجھ بہت ہی کم درست اور کامل ہوتی ہے، خصوصاً ایسے مترجموں کی جو اس پر ایمان نہیں رکھتے۔ ہر مترجم دو کوتاہیوں کا ضرور شکار ہوتا ہے: اپنی سمجھ کی کوتاہی کا اور اپنی زبان کی کوتاہی کا۔ اس بات کا اعتراف مجھ سے مسٹر (محمد) مارماڈیوک پکتھال نے کیا جو قرآن کا انگریزی میں ترجمہ کر چکے ہیں

اور تیس سال ہوئے کہ مصر آئے تھے تاکہ انگریزی داں عرب علماء سے اُن اٰیتوں کے بارے میں مشورہ کریں جن کے ترجمے سے وہ اپنے آپ کو بے بس سمجھتے تھے۔ چنانچہ ان علمار کی مدد سے انہوں نے اپنے ترجمہ کی تصحیح کرلی۔

اسی چیز کا اقرار فرانسیسی مستشرق، ڈاکٹر مار دریس نے بھی کیا ہے جنہیں فرانس کی وزارت خارجیہ اور وزارت تعلیم نے اُن ۶۲ لمبی سورتوں کے ترجمہ پر مامور کیا تھا جن میں مطالب کی تکرار نہیں ہے موصوف نے اپنے ترجمہ (سنہ ۱۹۲۶ء) کے دیباچہ میں لکھا ہے:۔

"قرآن کا پیرایۂ بیاں خود اللہ خالق جل و علا کا پیرایہ بیاں ہے۔ وہ پیرایہ جو اپنے پیدا کرنے والے کے وجود کی حقیقت کا حامل ہے، ضرور خدائی پیرایہ ہی ہو سکتا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ سب سے زیادہ شک رکھنے والے اہل قلم بھی اس پیرایہ کی ساحرانہ قوت کے آگے جھک جانے پر مجبور ہو چکے ہیں۔ اس قرآن کا اثر روئے زمین پر پھیلے ہوئے تیس کروڑ مسلمانوں پر اتنا زبردست ہے کہ اجنبی پادریوں کو ماں لینا پڑا ہے کہ اب تک کوئی ایک یقینی واقعہ بھی ایسا پیش نہیں کیا جا سکتا جس میں کوئی مسلمان اپنے دیں سے مرتد ہو گیا ہو

"شروع شروع بدویوں کے کانوں میں پڑنیوالا یہ پیرایہ جلد درجہ

عجیب ولطیف نثر تھا۔ نہایت عمدہ ترتیب وہم آہنگی کے ساتھ رعنائی رکھتا تھا۔ باہم یکسانیت کے ساتھ مسجع تھا، اور ہر عربی داں پر اُس کی تاثیر بہت ہی گہری ہوتی تھی اور ہوتی ہے، لہذا ناممکن بیکار کوشش ہے کہ آدمی اس حد درجہ طلسمی نثر کی تاثیر کسی دوسری زبان میں منتقل کرنے کی کوشش کرے، خصوصاً تنگ وسعت، اور سنگ دل فرانسیسی زبان میں۔ مزید براں طرح اور اِس زبان کی دوسری زبانیں، دینی زبانیں نہیں ہیں اُن میں کبھی الوہیت کے مسائل بیان نہیں کیے گئے"

اِس کے بعد موصوف نے لکھا ہے کہ وہ لگاتار لورس کوشش کرتے رہے کہ قرآن کا کچھ حصہ بھی فرانسیسی میں اِس طرح کے ساتھ منتقل کرسکیں کہ اصل کی طاقت ہاتھ سے جانے نہ پائے، لیکن ہمیشہ یہی سوال اُن کے سامنے آتا رہا کہ کیا وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہو گئے ہیں؟ یعنی موصوف کو ہمیشہ اپنی کامیابی میں شک رہا۔

۳۔ قرآن کا یہ عجیب اور تمام عربی اسلوبوں سے مخالف اسلوب اور عقائد، مواعظ، حکمت، احکام، آداب، ان سب کو مختلف سورتوں میں بکھری ہوئی آیتوں کے اندر مزج کر دینے کا قرآنی طریقہ ___ جس کا سبب اور جس کی مصلحت ہم نے اِس کتاب میں بیان کی ہے ___ اِسی چیز نے بڑے بڑے عالموں اور مفسروں کو قرآنی علوم ومقاصد کی

ابواب کے ماتحت تدوین سے باز رکھا۔ اِن لوگوں نے عبادات ومعاملات سے متعلق عملی احکام کی تبویب تو کر دی، مگر قرآن کے اجتماعی، سیاسی، مالی اصول وقواعد مرتب نہ کیے جس کا نمونہ قارئین اس کتاب میں دیکھیں گے۔ اِس کی وجہ یہ بھی تھی کہ اُنہیں اِس چیز کی اتنی ضرورت محسوس نہ ہوتی تھی جتنی آج کل ہم لوگ محسوس کر رہے ہیں۔

بعض علماء فرنگ نے فرانسیسی زبان میں ایک کتاب لکھی ہے۔ اُس میں قرآنی آیات، معانی کے لحاظ سے جمع کی ہیں اور انہیں اپنی سمجھ کے مطابق ابواب کے ماتحت کر دیا ہے، لیکن اس کتاب کے مصنف نے بھی بہت جگہ معانی کے سمجھنے میں غلطی کی ہے، یا کوتاہی کا شکار ہو گیا ہے۔ آیاتِ قرآنی سے عام اصول وقواعد کے استخراج کے لیے ضروری ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، قرآن کے بیان میں آپ کی سنت، قرآن کی تشریح میں آپ کی تفسیر، نیز آپ کے خلفاء اور علمائے صحابہ کے آثار کا علم حاصل ہو۔ اِس ضرورت کو وہی لوگ خوب سمجھ سکیں گے جو اُس فرانسیسی کتاب کے بعد ہماری یہ کتاب دیکھیں گے جس میں ہم نے قرآنی مقاصد اختصار سے بیان کر دیے ہیں اور جن کی تفصیل، تفسیر المنار میں موجود ہے۔

۴۔ اسلام کی کوئی ایسی سلطنت باقی نہ رہی جو قرآن کو

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو حکومت کے ذریعہ قائم کرے۔
اور علم کے ذریعہ اُس کی اشاعت کرے۔ ایسی دینی انجمنیں بھی موجود نہیں
ہیں جو اُس کی دعوت دیں۔ مسلمانوں کا کوئی علمی دینی ادارہ بھی نہیں ہے
جس سے قرآن کے مطالب و ہدایات سمجھنے میں رجوع کیا جا سکے، جو
روز مرہ کے بدلنے والے واقعات اور علوم و فنون کی نت نئی ایجادوں
سے پیدا ہونے والی انسانی مصلحتوں میں قرآنی سیاست بتا سکے، اور
جس سے علماء فرنگ معلومات حاصل کر سکیں۔

اس سے بھی زیادہ عجیب و غریب بات یہ ہے کہ خود مسلمانوں
نے بھی خیر القرون کے بعد سے ایسا دین، قرآن سے اور رسول صلی اللہ
علیہ وسلم کی سنت سے اخذ کرنا چھوڑ دیا ہے، حالانکہ خدا نے انہیں اسی
بات کا حکم دیا تھا۔

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ
لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ
وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ۔
(۱۶ ۴۴)

اے پیغمبر، ہم نے آپ پر یاد دلانے
والی چیز (قرآن) اس لیے اتاری ہے
کہ آپ لوگوں کو وہ سب کھول کر بتا دیں
جو اُن کی طرف خدا نے اُتارا ہے۔
تاکہ وہ غور کریں۔

مسلمان، قرآن و سنت سے برابر دور ہوتے چلے گئے یہاں تک

کہ ہدایت کے ان سرچشموں سے بالکل مستغنی ہو گئے۔ ایسے عقائد متکلمین کی کتابوں سے اور اپنی عبادات و معاملات کے احکام، غیر مجتہد علماء و مذاہب سے لیے گئے۔ حالانکہ ان کتابوں سے اللہ تعالیٰ کی انسانوں پر حجت قائم نہیں ہوتی، خصوصاً اس زمانہ کے لوگوں پر جس میں تمام عقلی و قانونی علوم نے بڑی ترقی کرلی ہے، حتیٰ کہ خود ہم مسلمانوں نے بھی غیروں سے وہ چیزیں لینا شروع کر دی ہیں جو وہ پہلے ہم سے لیا کرتے تھے۔

اسی قدر نہیں بلکہ ہماری اِن کتابوں میں متکلمین و فقہاء کے ایسے خیالات، جھوٹے اور ضعیف راویوں کی ایسی ایسی روائتیں موجود ہیں کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف حجت بن سکتی ہیں، ٹھیک اُسی طرح جس طرح مسلمانوں کی زبوں حالی، اُن میں جہل کی گرم بازاری، اور اُن کی حکومتوں کا فساد و بربادی، اُن کے دین کے خلاف حجت بنائی جا چکی ہے، اور اس طرح مسلمان اُن لوگوں کے لیے فتنہ بن گئے ہیں جو اسلام کے منکر ہیں!

قرآن اور اُس کی ہدایت کے فہم میں جب خود مسلمانوں کا یہ حال ہے تو اُن قوموں کا کیا حال ہوگا جنہوں نے دوسرے مذہبوں میں پرورش پائی ہے، اور جن کے پیشوا انہیں اپنی ہی روش پر استوار رکھنا اور دوسری راہوں سے باز رکھنا چاہتے ہیں؟ اور جس کے پہلو بہ پہلو زبردست جنگی

سلطنتیں موجود ہیں جو صدیوں سے اسلام کی دشمنی میں سرگرم ہیں اور جنہوں نے اسلام کے خلاف ایسی کوششیں کی ہیں کہ اگر پہاڑوں کے خلاف کی جاتیں تو وہ بھی ریزہ ریزہ ہو کر نابید ہو جاتے، لیکن یہ اسلام اللہ حیّ وقیوم کا دین ہے اور اُس وقت تک زندہ رہنے والا ہے جب تک زمین پر انسان زندہ ہیں۔ یہ دین کبھی نہیں مٹے گا اگرچہ خود دنیا میں مٹ جائے۔

یہ ہیں وہ اسباب جن کی وجہ سے موجودہ زمانہ کی تہذیب کے عالموں بلکہ خود بہت مسلمانوں سے بھی اسلام کی حقیقت پوشیدہ ہو گئی ہے، اور یہ اِسی کا نتیجہ ہے کہ وہ آرزو کر رہے ہیں، کاش کوئی نیا نبی آئے اور اپنے ساتھ ایسی خدائی ہدایت لائے جو عالمگیر ہو اور سب کی اصلاح و درستگی کر دے۔

چونکہ اسلام ہی انسانیت کا عالمگیر اور دائمی دین ہے اور اپنے اندر وہ سب باتیں رکھتا ہے جن کی تمام قوموں کو اپنی دینی اور دنیاوی ہدایت کے لیے ضرورت ہے، اس لیے تمام آزاد خیال عقلمندوں، فکری استقلال رکھنے والوں، اور موجودہ اَدیان مناسد سے رنجیدہ ہونے والے عالموں کا فرض ہے کہ اُن پردوں کو اٹھا دینے کی کوشش کریں جو اُس سے اسلام کو چھپائے ہوئے ہیں، اور وہ تمام موانع دور

دور کر دیں جو انہیں اُس کی حقیقت سمجھنے سے روک رہے ہیں۔

اِس کتاب سے تمام دنیا پر حجت قائم ہو جاتی ہے

اس تمہید کے بعد میں یہ کتاب اِن سب لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اس کتاب میں میں نے "وحی محمدی" کے ثبوت پیش کیے ہیں اور دکھا دیا ہے کہ قرآن، اللہ عز وجل ہی کا کلام ہے، اور اُس میں وہ تمام چیزیں جمع ہیں جن کی انسان کو اپنی دینی، اجتماعی، سیاسی، مالی جنگی اصلاحوں کے لیے ضرورت ہے۔

میں نے اِن مبادی مقاصد کے بیان میں گفتگو کسی قدر دراز کر دی ہے، کیونکہ یہی چیزیں اُن تمام فتنوں اور فسادوں کے سرچشمے ہیں جن سے اِس زمانہ کے عقلمند نالاں ہیں۔ اس موضوع پر پوری بحث کے لیے بڑی بھاری کتاب کی ضرورت ہے جس میں قرآن کے تمام مقاصد جمع کر دیے جائیں اور دکھا دیا جائے کہ دنیا اور دین کے معاملات میں انسانوں کو اُن کی کتنی ضرورت ہے۔ یہ چیز میں "المنار" کی تفسیر میں آیات کی شرح کے ساتھ تفصیل بیان کر رہا ہوں اور ہر سورۃ کے آخر میں اُس کے اصول و قواعد اجمال کے ساتھ درج کرتا جاتا ہوں۔

یہ بحث شروع شروع میں نے اِس غرض سے نہیں لکھی تھی، بلکہ آیت "أَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا أَنْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ رَجُلٍ مِنْهُمْ" کی تف

میں یونہی اتفاقیہ چھیڑ گئی تھی۔ اس بحث میں قطعی دلائل کے ساتھ میں نے دکھایا تھا کہ قرآن، اللہ تعالیٰ کی وحی ہے اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی دوسرے انسانوں کی طرح اپنے علم اور زبان کی قوت سے ایسا چیز از خود پیش نہیں کر سکتے تھے، اور یہ کہ آپ کے بس سے یہ وحی بچھوٹ نہیں سکتی تھی جیسا کہ بہت سے علماء فرنگ وغیرہ کا خیال ہے، اور یہ کہ قرآنی وحی، تمام سابقہ وحیوں سے زیادہ عالمگیر، مکمل، اور زیادہ ثابت و درست ہے، اور یہ کہ اُس کی حجت تمام لوگوں پر قائم ہے چاہے وہ وحی والہام کے قائل ہوں یا نہ ہوں۔ اس کے بعد مجھے دوران تحریر میں خیال ہوا کہ اس بحث کو الگ کتاب کی صورت میں کر دوں اور اس کے ذریعہ مادی تہذیب کی قوموں، مثلاً اہل یورپ اور جاپان کو اسلام کی طرف دعوت دوں۔ اس بحث کو ان قوموں کے آزاد خیال علماء کے سامنے پیش کروں، تاکہ جب انہیں اس کے ذریعہ ہدایت حاصل ہو جائے تو وہ اپنی اپنی قوموں اور سلطنتوں کو بھی اپنی اپنی زبانوں میں یہی دعوت دیں۔ اسی لیے میں نے اس کتاب میں اپنی تفسیر سے کچھ اضافہ کر دیا ہے اور آخر میں خاتمہ شامل کر دیا ہے جس میں اس دعوت کی تصریح کی ہے اور وہی مقصود بالذات ہے۔

اگر شروع سے اس بحث کو یہ صورت دینے کا ارادہ ہوتا تو

اس کی ترتیب ایسی رکھتا کہ بعض مقامات میں طوالت و تکرار کی ضرورت باقی نہ رہتی۔ لیکن بعض مقامات پر میں نے جان بوجھ کر تکرار سے کام لیا ہے۔ یہ مباحث میں نے متفرق اوقات اور الجھنوں اور پریشانیوں میں لکھے ہیں۔ پچھلے مباحث کا مراجعہ بھی نہیں کر سکا، اور قرآن میں سے بھی صرف اپنی یادداشت ہی پر بھروسہ کیا ہے، حالانکہ قرآن کے معانی کا بروقت استحضار مشکل ہے۔ ہاں بعض احادیث کی تصحیح اور رُواۃ کی جانچ کے لیے کتابوں کا مراجعہ کیا ہے۔ قارئین سے میری خواہش ہے کہ اس کتاب کی جس بحث کی تفصیل مطلوب ہو، تفسیر "المنار" میں دیکھیں اور جہاں کہیں کوئی اشکال پیدا ہو، مجھ سے سوال کریں۔

یہ مقدمہ ۱۳۵۲ھ کے مولدِ محمدی کی رات میں لکھا گیا ہے۔

محمد رشید رضا
منشی رسالہ "المنار"

وحی کے قائلوں اور منکروں پر حجت

قائلین وحی سے گفتگو

وحی کے قائل، اہل کتاب ہیں۔ جس کسی نے اِن کی مقدس کتابیں، عہد قدیم اور عہد جدید دیکھی ہے۔ سیر قرآں، کتب سنت اور سیرت محمدی کا مطالعہ کیا ہے، اُس کی عقل اور ضمیر دونوں یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے کہ اہل کتاب کی ان کتابوں کو وحی الٰہی ماننے والا، اور اُن کے لانے والے پیغمبروں کو معصوم سمجھنے والا، لازمی طور پر یہ بھی ماننے اور سمجھنے پر مجبور ہے کہ قرآں بھی وحی الٰہی ہے اور محمد، اللہ کا پیغام پہنچانے میں معصوم پیغمبر ہیں۔ یہ حقیقت، اہل کتاب کو اُسی طرح تسلیم کرنا پڑیگی جس طرح کوئی فقیہ، ابوحنیفہ اور شافعی کے فقہ سے انکار نہیں کرسکتا کسی نحوی کو سیبویہ اور ابن جنی کی نحو میں کلام نہیں ہو سکتا۔ کوئی شاعر رضی اور بحتری کو شاعروں کے زمرہ سے خارج نہیں کرسکتا، بلکہ اس حقیقت کے آگے اُسی طرح جھک جانا پڑیگا جس طرح کوئی دیدۂ بینا ستارے اور چاند کی روشنی کو سورج پر ترجیح دے نہیں سکتا، یا چراغ کی روشنی کو دھوپ سے بہتر قرار دے نہیں سکتا۔ خدا بھلا کرے بوصیریؒ کا، خوب کہہ گیا ہے:-

اللہ اکبر ان دین محمد و کتابہ اقوی واقوم قیلا
(اللہ اکبر، محمد کے دین کا اور کتاب کا کیا کہنا جو سب سے زبردست اور سب سے درست ہے)

لا تذکر الکتب السوالف عندہ طلع الصباح فاطفیٔ القندیلا
(اس کے سامنے اگلی کتابوں کا نام نہ لو سورج نکل آیا ہے لہذا چراغ بجھا ڈالو!)

اسی بات کی شہادت خود علماء فرنگ نے بھی دی ہے جو مسیحیت میں رہنے پلے، اس سے اچھی طرح واقف ہوئے، پھر اسلام کا بھی صحیح علم حاصل کیا اگرچہ نامکمل رہا۔ انہی میں سے ایک مستشرق کی تازہ شہادت ملاحظہ ہو۔

جینوا یونیورسٹی میں مشرقی زبانوں کے پروفیسر ادوار مونتیہ، فرانسیسی زبان میں اپنے ترجمۂ قرآن کے دیباچہ میں لکھتے ہیں: ۔

"محمد ٹھیک اسی طرح سچے نبی تھے جس طرح قدیم زمانہ میں انبیاء بنی اسرائیل سچے تھے۔ انہی پیمبروں کی طرح محمد بھی خواب دیکھتے تھے اور وحی الہی ان پر اترتی تھی۔ دینی عقیدہ اور وجود الوہیت کا زبردست خیال اپنے اسلاف پیمبروں کی طرح ان پر بھی چھایا ہوا تھا اور انہی کی طرح محمد میں بھی وہ نفسی الہام اور شخصیت میں روحانی پیدا

ہوتی بھی کرمن دونوں سے عقل انسانی میں تخیلات، وحی، اور اسی قبیل کے روحی احوال کی گنجائش نکلتی ہے۔"

دیکھو، یہ آزاد خیال یورپین عالم مان رہا ہے کہ جس میار پر بنی اسرائیل کے پیغمبر ہی تھے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں بھی وہی میار موجود ہے۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ آپ میں نبوت کے خصائص زیادہ صاف، روشن، اور روایت کے لحاظ سے زیادہ صحیح، اور شبہات سے زیادہ دور تھے جیسا کہ ہم عنقریب بالکل واضح کر دیں گے۔ اس یورپین عالم نے خصائص نبوت کی وہی تعلیل کی ہے جو مادی علماء، وحی مطلق کی کیا کرتے ہیں۔ اس معاملہ پر ہم اس فصل کے دوسرے حصہ میں گفتگو کریں گے۔

اس عالم نے اسلامی کتابوں سے معلومات لیکر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کا حال اس طرح لکھا ہے کہ معلوم ہوتا ہے وہ وحی کا قائل ہے۔ اس کے بعد فرانسیسی مستشرق، امیل درمنگم نے اپنی کتاب "حیات محمد" میں اسی چیز کو بہ تفصیل لکھا ہے اور اس کی صحت کا اقرار کرتے ہوئے بتایا ہے کہ آپ کی نبوت سے انسان کی کہاں تک اصلاح ہوئی۔ پھر عیسائیوں اور مسلمانوں میں نا اتفاقی پر افسوس کرنے کے بعد ان کے باہمی اتفاق کی آرزو ظاہر کی ہے۔

یہاں ہم ایک ایسے یورپین عالم کی زبان سے وحی، نبوت،

اور معجزات کی تشریح درج کرتے ہیں جو موجودہ علوم کے ساتھ دینی و تاریخی علوم کا بھی ماہر ہے۔ اس شخص کا نام، ڈاکٹر جارج پوسٹ ہے۔ یہ بہت مشہور ہے، اور اس نے عربی زبان میں کتاب مقدس کی لغت لکھی ہے۔ یہ ہم اس لیے کر رہے ہیں کہ آزاد خیال لوگ، انبیاء بنی اسرائیل اور اُن کی وحی میں اور محمد رسول اللہ خاتم النبیین اور اُن کی وحی کے بارے میں فیصلہ

اُن کے ہاں وحی کی تعریف

"کتاب مقدس کی لغت" میں لفظ "وحی" کی تفسیر یوں کی گئی ہے:

"اس لفظ کا استعمال کسی شہر یا قوم میں کسی خاص نوعیت کے رکھنے کے لیے ہوتا ہے۔ (حزقیال ۲:۱) میں آیا ہے کہ "یہ وحی ہی سردار ہے" یعنی قوم کے لیے فنائی ہے۔ عام طور پر وحی کے لفظ سے الہام مقصود ہے، اور اسی لیے کہا جاتا ہے کہ "پوری کتاب، اللہ کی طرف سے وحی" اس صورت میں معنیٰ یہ ہوتے ہیں کہ اللہ کی روح، الہام والے لوگوں کی روحوں میں حلول کر جاتی ہے، اور یہ اس طرح ہوتا ہے کہ (۱) خدا ئی روح انہیں ایسے روحانی حقائق اور پیش آنے والے واقعات بتا دیتی ہے کہ اُن کی رسائی کسی اور ذریعہ سے ہو ہی نہیں سکتی تھی (۲) خدا کی

روح، مشہور واقعات یا مسلّم حقائق کی طرف اُن کی رہنمائی کر دیتی ہے اور وہ اُنہیں رسالوں سے یا تحریر سے اِس طرح بیان کر دیتے ہیں کہ ذرا غلطی نہیں ہوتی۔ ایسی ہی صورت میں کہا جاتا ہے "الہ دوائے مقدسوں روح القدس کے زیرِ اثر بات کہی ہے" ایسی صورت میں بات کہنے والا یا لکھنے والا اپنی شخصیت برقرار رکھتا ہے۔ صرف یہ ہوتا ہے کہ روح الہٰی اُس پر اثر ڈالتی ہے اور وہ اُس کی رہنمائی کے موجب اپنے قوئ اور اپنی صفات استعمال کرنے لگتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ ہم اِن عزت دار میں سے ہر ایک کی کتاب میں اُس کی قدرتی قابلیتیں اور اسلوبِ بیان وغیرہ امور نمایاں پاتے ہیں۔ اِس معاملہ کی شرح مشکل ہے، اور علماء میں اختلاف ہے، لیکن تمام مسیحی اِس بات پر متفق ہیں کہ الہ نے اِن برگزیدہ مؤلفوں پر وحی نازل کی تھی تاکہ اُس کے ارادہ کو مدوّن کریں اور انسان کو بتا دیں کہ دائمی نجات حاصل کرنے کے لیے کس ایمان عمل کی ضرورت ہے"

اُن کے ہاں نبوۃ وانبیاء کی تعریف

اسی کتاب میں "نبی، انبیاء، نبوۃ" کے تحت لکھا ہے:

"نبوۃ کے معنی ہیں الہ کی اور دینی معاملات کی خبر دینا، اُن باتوں کی پیشین گوئی جو بعد میں ہونے والی ہیں۔ ہارون کو نبی

کہا گیا کہ وہ اپنی فصاحت کے سبب، موسیٰ کی طرف سے حرف دیتے اور گفتگو
کرتے تھے۔ قدیم زمانہ کے پیمبر، موسوی شریعت ہی کا پیغام دیتے اور مسیح کے
آنے کی پیشین گوئی کیا کرتے تھے۔ صموئیل کے زمانہ میں جب کاہنوں کو علم و تعلیم
کا شوق باقی نہ رہا تو صموئیل نے مقام رامہ میں ایک مدرسہ کھولا اور اس میں
پڑھنے والوں کو "فرزندانِ انبیاء" کے نام سے موسوم کیا۔ اِس مدرسہ کے بلند
مشہور ہو گیا کہ صموئیل نے شریعت زندہ کر دی ہے اور کتابِ مقدس میں
بہت جگہ موسیٰ و ہارون کے ساتھ اُن کا نام بھی ذکر کیا گیا۔ پھر دوسرے
مقامات مثلاً بیت ایل، اریحا، جلجال وغیرہ میں انبیاء کے اور مدرسے بھی
قائم ہو گئے۔ انبیاء کے مدرسہ کا افسر باپ یا آقا کہلاتا تھا۔ اِن مدرسوں میں
توراۃ، موسیقی، اور شعر کی تعلیم دی جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء شاعر ہوتے
تھے اور اُن میں سے اکثر گایا جاتے تھے۔ اِن مدرسوں سے غرض یہ تھی کہ
قوم کے لیے رہنما تیار کیے جائیں۔ نبیوں اور نبیوں کے فرزندوں کی زندگی
بہت ہی سادہ ہوا کرتی تھی۔ اِن میں سے بہتیرے تارک الدنیا تھے یا
جہاں نوردی کرتے تھے اور پرہیزگاری اُن کی مہانی کیا کرتے تھے۔
معلوم ہوتا ہے کہ اِن مدرسوں میں تمام پڑھنے والوں کو پیشین گوئی کی
قوت نہ مل سکی۔ یہ خصوصیت اُن میں سے صرف اُنہی لوگوں کو حاصل
ہوتی تھی جنہیں خدا اپنی مشیئت سے وقتاً فوقتاً اِس کام کے لیے کھڑا کیا

کرتا تھا اور اِن اہم فرائض کی ادائگی کے لیے اُن کی غیر معمولی تربیت کا سامان فراہم کر دیا کرتا تھا۔ لیکن نفسِ الہام والے سی ایسے بھی ہوئے ہیں جن پر وحی نازل ہوتی تھی، حالانکہ انھوں نے یہ تعلیم حاصل کی تھی بنا اِن مدرسوں میں داخل ہوئے تھے جیسے عاموس تھی جو چرواہا تھا اور گورجیسے والا۔ نبوت کی طرح کی ہوا کرتی تھی مثلاً خواب اور تبلیغ۔ اکثر ایسا بھی ہوا تھا کہ انبیاء مستقبل کی باتیں زمانہ کی تمیز کے بغیر حال لیا کرتے تھے اور اس لیے اُن کے مکاشفوں میں قریب کے واقعات دور کے واقعات سے گڈمڈ ہو جاتے تھے۔ مثلاً اسوریوں کی غلامی سے یہودیوں کی رہائی کا واقعہ، مسیح کے ذریعہ دنیا کی نجات کے واقعہ سے مل گیا ہے یا سکندر ذوالقرنین کی فتح اور مسیح کی آمد کا ذکر ایک ساتھ ہو گیا ہے یا بپتسمہ کے دن روح القدس کے سے کا معاملہ روزِ حشر کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح یروشلم کی بربادی کو قیامت کے ساتھ وابستہ کر دینے کا بھی معاملہ ہے۔

"خدا نے اپنے انبیاء اس لیے بھیجے کہ اُس کی مشیئت کا اعلان کریں دینی زندگی کی اصلاح کریں، خصوصاً دنیا کی نجات کے لیے آمدِ مسیح کی بشارت دیں، یہ لوگ تعلیم، بیداری اور حق کی طرف قوم کی رہنمائی میں زبردست تاثیر رکھنے والی قوت تھے اور سیاسی معاملات میں بھی اُن کا اثر بہت زیادہ تھا"

اُن کی تعریفِ نبوت پر اعتراض

الہام کی تفسیر کہ پیغمبر کی روح میں اللہ کی روح حلول کر جاتی ہے
عیسائیوں کی ریزہ چینی ہے جس کا اعتراف نہ انبیاء بنی اسرائیل نے کیا
، نہ اُن کے علماء نے۔ عیسائیوں کا یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جسے وہ ہرگز
ثابت نہیں کر سکتے اور نہ اسرائیلی پیغمبروں کی تحریروں میں جو ناقص و
محرف موجود ہے، اُسے اپنے اس دعوے کے ساتھ مطابقت دے سکتے ہیں
یہ اس بات خود اسی مولف نے بھی یہ کہہ کر اشارہ کیا ہے "اس تعلیم
کی شرح دقت طلب ہے اور علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے" الخ ظاہر
جس وجود میں بھی اللہ کی روح حلول کر جائے گی، خدا بن جائے گا،
اسی بنا پر عیسائیوں کے نزدیک حضرت مسیح خدا قرار پائے کہ اُن میں بقول
ان کے خدا کی روح حلول کر گئی تھی اگر یہ دعویٰ تسلیم کر لیا جائے تو کیونکر
ممکن ہے کہ خدا ہوتے ہوئے یا خدا کی روح اندر رکھتے ہوئے وحی میں
غلطی پڑ جائے یا وہ واقعہ کے خلاف نکلے؟
نبوۃ اور انبیاء کے بارے میں مؤلف کی گفتگو سے حسب ذیل
باتیں اخذ ہوتی ہیں:
ا۔ اکثر انبیاء بنی اسرائیل اپنے خاص مدرسوں میں تعلیم حاصل
کرتے تھے جہاں ایسی شریعت یعنی توراۃ کی تفسیر پڑھتے اور موسیقی و شعر

سکھتے تھے۔ اور یہ کہ وہ شاعر، منّی، محا بنوالے تھے اور ہر اس چیز میں ماہر تھے جو غیبیت پر موقوف ہوتی اور حدسات کو اکارتی ہے لہٰذا عجیب نہیں اگر اُن کے عظیم ترین پیغمبر، عزرا اور نحمیا، شاہ ایران ارتحششتا کے ساقی اور منّی تھے، اپنے سحروں کے ذریعہ انہوں نے بادشاہ کے دل پر قابو حاصل کیا تھا اور اپنی قوم کے ساتھ اصلی وطن میں واپس جانے اور از سرِ نو اپنا دین قائم کرنے کی اجازت حاصل کر لینے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

اس قول کی بنا پر نبوت بھی ایک ہنر یا پیشہ تھا، جسے مدارس میں سکھایا پڑھایا جاتا تھا اور اس کا یقین دلانے کے لیے شاعرانہ خیالات، رمالی الہامات، موسیقی موثرات، اور کسبی معلومات سے کام لیا جاتا تھا کہاں یہ نبوت اور کہاں محمد اُمّیؐ کی نبوت جنہوں نے نہ کوئی تعلیم حاصل کی نہ کبھی کوئی شعر کہا، لیکن اس کے باوجود ایسی چیز لائے جیسی کبھی کوئی پیش نہ کر سکا!

۲۔ اِل سیئول اور اُن کی اولادیں اکثر تارک الدنیا تھے یا اِدھر اُدھر لوگوں کے ہاں گشت کرتے اور دیداروں سے محبت کرنے والے پرہیزگاروں کی یہاں فوازی پر زندگی بسر کرتے تھے، جیسا کہ اس زمانہ میں بھی مسلمان درویشوں اور صوفی فقیروں کا حال بے معلوم ہے یہ پرہیزگار لوگ اس قسم کے فقیروں کی ہر بات، ہر دعویٰ قبول کر لیتے،

اور اُس کی اشاعت کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ اِن نبیوں کی نسبت بعض سخت گناہ بھی اُن کی مقدس کتابوں میں روایت کر دیئے گیے ہیں۔ برخلاف اِن کے مسلمانوں کے ہاں صوفیوں، عابدوں، سیاحوں کے لیے حالات ملتے ہیں جو اُنہیں اِن انبیاء سے بھی افضل ثابت کرتے ہیں۔ اگر اِن کی مقدس کتابوں کی گناہ والی روائتیں مان لی جائیں۔ ایسی حالت میں کیونکر خیال کیا جا سکتا ہے کہ یہ پیغمبر، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ تک پہنچ سکتے ہیں حالانکہ آپ کی نشوونما فطرت پر ہوئی تھی۔ ایسی رند گی اپنی ہی قوت بازو سے بسر کرتے تھے۔ نہ نبوت سے پہلے نہ نبوت کے بعد کبھی کسی چیز میں بھی لوگوں پر بوجھ نہیں سے تھے۔

۳۔ اُن پیغمبروں کی موتیں زیادہ تر خواب اور مُبہم تخیلات ہوا کرتے تھے اور یہ ایسی چیزیں ہیں جو دوسرے لوگوں کو بھی پیش آجاتی ہیں۔ رویائے صادقہ ہی سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سوت بھی شروع ہوئی تھی۔ یہ واقعہ تشریع وحی کے نزول سے پہلے کا ہے۔ لیکن آپ کے خواب بھی اُن پیغمبروں کے خوابوں سے اعلیٰ ہوا کرتے تھے جیسا کہ ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔ خوابوں کی حقیقت یہ ہے کہ خیال میں محسوس صورتیں آجاتی ہیں جن کی تعبیر میں بہت اختلاف بیاں ہوتا ہے۔ سچی تعبیر پیغمبروں کے سوا بہت کم لوگ جانتے ہیں، جیسے شاہ مصر کا خواب جس کی تعبیر

مرتبے ... دی تھی یا خود آپ کا اپنے ٹکیں کا جواب۔

۴۔ آئندہ واقعات کی بہیں گوئیاں جن سے وہ پیغمبر اپنا نبی ہونا ثابت کرتے تھے، تو یہ پیش گوئیاں اکثر اوقات اس طرح ہوا کرتی تھیں کہ اُن کے زمانوں اور واقعات کی تعبیر نہ ہوسکتی تھی اور اس لئے ... غلط ملط ہو جایا کرتی تھیں اور اُن کا مطلب اُسی وقت حاصل ... ہو کسی پیش آیوے۔ خیر انہیں جیسا کہ یا مانو جیساکہ ہر زمانہ کے روحانی مکاشفات رکھنے والوں بلکہ معمولی نجومیوں اور رمّالوں کی پیش گوئیوں کا بھی حال ہے۔ اِن پیغمبروں کی بعض پیش گوئیاں غلط بھی ثابت ہو چکی ہیں جیساکہ خود منہ سے اشارہ کیا ہے گو اس کی تفصیل نہیں کی لیکن تاریخ نے اِسے واضح کر دیا ہے۔ اِن اسرائیلی پیغمبروں کی سب سے بڑی پیشین گوئی مسیح (مسیا) کی آمد اسرائیل کی بادشاہت بنانے کے متعلق تھی جس کے انتظار میں اب تک یہودی پریشان ہیں۔ پھر خود مسیح کی بربادی عالم اور قیامت آجانے کی نسبت پیشین گوئی ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ اُن کی مخاطب نسل ختم ہونے نہ پائیگی کہ یہ سب باتیں پیش آجائیں گی، مگر ایک نسل کیا بہت سی نسلیں گزر گئیں اور وہ پیشین گوئی واقع نہ ہوئی۔

محمدی پیشین گوئیوں کا امتیاز

غور کرو یہ اسرائیلی پیشین گوئیاں بھلا قرآن کی کثرت قطعی پیشین گوئیوں کا مقابلہ کیونکر کرسکتی ہیں جیسا کہ ہم سورۂ توبہ کی تفسیر کے خلاصہ میں بیاں کرچکے ہیں۔ اور جیسا کہ منافقوں کے بارے میں پیشین گوئی ہے، یا سورۂ فتح کی پیشین گوئی، یا سورۂ روم کی یہ پیشین گوئی کہ غُلِبَتِ الرُّومُ فِي أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُم مِّن بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ فِي بِضْعِ سِنِينَ[1] اور یہ پیشین گوئی کہ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُم فِي الْأَرْضِ[2] کہاں اسرائیلی پیغمبروں کی پیشین گوئیاں اور کہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے صحابہ سے یہ پیشین گوئی کہ تم میرے بعد بہت جلد شام، ایران مصر فتح کر لوگے۔ قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں پر قبضہ کر لوگے۔ اسی قدر نہیں بلکہ آپ نے اُس کے عہد کے کسریٰ کا نام بھی بتا دیا تھا جیسا

(۱) ترجمہ۔ قریب کی سرزمین میں رومی مغلوب ہوگئے ہیں، مگر وہ چند ہی سال کے اندر عنقریب غالب آجائیں گے۔

(۲) ترجمہ۔ تم میں جو لوگ ایمان لائے ہیں اور عمل صالح رکھتے ہیں، خدا کا اُن سے وعدہ ہے کہ اُنہیں ضرور زمین پر خلیفہ بنا دے گا۔

کہ بخاری نے عدی بن حاتم سے روایت کیا ہے!

نبوت کے اِس ایک پہلو یعنی پیشین گوئیوں کی نسبت یہ بالاختصار کہا جاسکتا ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیاں خواہ وحی قرآنی کے ذریعہ ہوں یا دوسری طرح، انبیاء بنی اسرائیل کی پیشین گوئیوں سے کہیں زیادہ ظاہر، واضح، اور تاویل وشک سے بہت دور ہیں۔ مزید براں آپ نے گزشتہ غلط باتوں کی بھی خبر دی ہے۔ میں عنقریب نبوت ووحی کے منکروں کی اِس بارے میں تاویلات کی غلطی کھول دونگا۔

نبوت کا دوسرا پہلو زیادہ اہم اور عظیم الشان ہے، اور وہ یہی عقائد، عبادات، آداب اور احکام کا معاملہ ہے اور اس پر غور دو طرح سے کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ اگر یہ چیز ایسی ثابت ہو کہ اُس کا لانے والا اپنے دماغ، علم، اور حاصل کردہ معلومات کے ذریعہ اُس تک پہنچ نہیں سکتا ہے، تو ایسی صورت میں ماننا پڑے گا کہ یہ چیز ضرور وحی الٰہی ہے۔

۲۔ اگر یہ چیز انسانوں کی ہدایت اور اُن کے دین ودنیا کی بھلائی کے لحاظ سے بدایت ' ذاتی طور سے کہ اُس کے لانیوالے کے زمانہ میں لوگوں کا علم وہاں تک پہنچ نہیں سکتا تھا، تو ماننا پڑے گا

ہ جیر ضرور وحی الٰہی ہے۔

پہلی بات رسول کی ذات سے تعلق رکھتی ہے۔ ہر عقلمند اور
دخیال آدمی، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اور انبیاء بنی اسرائیل علیہم السلام کی
یخ دیکھنے کے بعد جان جائے گا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بالکل اُمّی تھے
ھنا لکھنا نہیں جانتے تھے۔ آپ کی قوم بھی جس میں آپ کی نشوونما ہوئی
اپڑھ تھی بت پرست تھی۔ دوسری قوموں کے عقائد، تاریخ، قانون
لسفی علوم سے جاہل تھی، حتیٰ کہ مکہ بھی جو عرب کا پایۂ تخت، عربوں
دین کا گہوارہ، اُن کے بڑوں اور سرداروں کا موطن، حج و تجارت
رکز، اور فصاحت و بلاغت کے اظہار کا میدان تھا، سو وہاں بھی نہ
ئی مدرسہ تھا نہ کوئی کتاب تھی۔ اِس صورت حال کو دیکھتے ہوئے
امل و مکمل دین، یہ عادل و عالمگیر شریعت جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم
یہ ناممکن ہے کہ آپ نے کسی سے سیکھی ہو یا اپنی عقل سے بنائی ہو،
یسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں اور عنقریب اُس شبہہ کا بھی ازالہ
یں گے جو یہاں وارد کیا جاتا ہے۔

لیکن اس کے مقابلہ میں حضرت موسیٰ کو دیکھو، جو اسرائیلی پیغمبروں
اپنے کارنامے، شریعت اور رہبری کے لحاظ سے سب سے بڑے تھے۔
سیٰ علیہ السّلام کی پرورش ایک ایسی قوم کے بادشاہ کے محل میں ہوئی

تھی جو اُس وقت روئے زمین کی سب سے بڑی قوم تھی۔ قانون، علم حکمت، صنعت و حرفت میں سب سے آگے تھی۔ حضرت موسیٰ فرعونؑ کے گھر میں بڑھتے پلے تھے۔ اُنہوں نے اِس طاقتور جابر بادشاہ کی حکومت میں اپنی قوم کو سخت ذلت وغلامی میں دیکھا تھا، اُس کے لڑکے ذ کر ڈالے جاتے تھے اور لڑکیاں زندہ رکھی جاتی تھیں تاکہ پوری قوم صفحہ ہستی سے نابود ہو جائے۔ یہ سب دیکھ چکنے کے بعد حضرت موسیٰ کئی سال مدین میں اپنے سسر (شعیب) کے پاس رہے تھے جو بھی تھے۔ یا کاہن تھے جیسا کہ اہل کتاب کہتے ہیں --- ایسی حالات کی بنا پر منکر وحی کہتے ہیں کہ اپنی قوم کے لیے موسیٰ جو شریعت لائے وہ ان کے جیسے ہمت اور بادشاہت، قانون، اور دانائی کے گھر میں پلنے والے آدمی لیے کوئی بڑی چیز نہیں ہے۔

پھر اِس بیسویں صدی کے اوائل میں یہ راز کھلا ہے کہ تورا شریعت اپنے اکثر احکام میں کلدان کے بادشاہ، حمورابی کے قانون مطابق ہے جو حضرت موسیٰ سے پہلے گزر چکا ہے۔ حمورابی کی شریعت کا جرمن علماء نے لگایا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ موسیٰ کی شریعت اِسی بادشا قانون سے ماخوذ ہے، وحی الٰہی نہیں ہے، جیسا کہ ہم بہ تفصیل "المنار چھٹی جلد میں اور اختصار کے ساتھ سورۂ توبہ کی تفسیر (۹ ۳۱

بیان کر چکے ہیں۔ اِس صورت حال میں آزاد خیال آدمی کم سے کم یہ کہتے ہیں کہ توراۃ اگر حمورابی کے قانون سے ماخوذ نہیں ہے، تو وحی الٰہی ہونے کی بھی مستحق نہیں ہے، کیونکہ حمورابی نے کبھی دعویٰ نہیں کیا کہ اُس کی شریعت، خدا کی طرف سے وحی ہے۔

پھر یہ بھی یاد رہے کہ زمانۂ قدیم کے تمام انبیاء، توراۃ کے تابع اور اُسی کے ماننے والے تھے۔ وہ اسی توراۃ کی تفسیر دوسرے علوم کے ساتھ اپنے خاص مدرسوں میں پڑھتے تھے، لہٰذا ہر گز روا نہیں کہ اُن انبیاء میں سے کسی ایک کا نام بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کے ساتھ لیا جائے۔ نیز یہ بھی خیال رہے کہ بپتسمہ دینے والا پیغمبر یوحنا، جسے مسیح نے تمام پیغمبروں پر فضیلت دی ہے، وہ بھی نہ کوئی نئی شریعت لایا نہ عیسا کی کوئی حد دے گیا۔ بلکہ خود عیسیٰ علیہ السلام بھی، حوال پیغمبروں میں سب سے بڑے، سب سے زیادہ مشہور، سب سے زیادہ اثر پیدا کرنیوالے ہیں، نئی شریعت نہیں لائے بلکہ توراۃ ہی کی شریعت کے پیرو سے اگرچہ اُس کے احکام میں خفیف ترمیم کی اور یہودیوں کے مادّی جمود کی اخلاقی روحانی اصلاح کر دی۔ بنا بریں وحی کے منکروں کو یہ کہنے کا موقعہ مل گیا ہے کہ مسیح جیسے سچی فطرت والے، زبردست عقل والے اور یہودی شریعت، رومی تہذیب، یونانی دانائی کی گود میں پلنے والے

زہد و رہبانیت کے اثر میں لستو دہایا ہے والے آدمی کے لیے ذرا مشکل ہیں کہ اس قسم کے اخلاقی وعظ سنائے۔ ہم مسلمان یہ خیال نہیں رکھتے ہیں لیکن یہ خیال اُن مادّی، لامذہب، اور عقلی لوگوں کا ہے جن میں سے ہزاروں مختلف عیسائی فرقوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

سورت کا دوسرا پہلو، یعنی دینی عقائد، عبادات، آداب احکام تو ہر آزاد عقل جو کسی دین کی مقلد نہیں، تسلیم کریگی کہ اسلام کے عقائد، یعنی توحید الٰہی، ہر نقص سے اُس کی تنزیہ، ہر صفت کمال سے اُس ذات برحق کی توصیف، عقلی علمی، بیجرل دلائل سے اس پر استدلال، رسولوں کی ہدایت کا بیان، نفس کو پاک کرنے والی اور عقل کو بلند کرنے والی عبادات، منصفانہ قانون، اور سوسائٹی کو ترقی دینے والی حکومتِ شوری ــــ یہ سب چیزیں توراۃ، انجیل اور عہد قدیم و جدید کے تمام صحیفوں کی تعلیمات سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ ہیں، بلکہ یہی وہ اصلاح ہے جسے دین الٰہی نے اعلیٰ کمال تک پہنچا دیا ہے، اور خود علماء فرنگ اِس کی شہادت دے رہے ہیں۔ اس بارے میں ہم اپنے اور اُن کے نقطۂ نظر کی تشریح "المنار" اور تفسیر میں کئی جگہ کر چکے ہیں (آخری تشریح تفسیر جلد ۱۰ صفحہ ۲۵۹ میں دیکھیے)

آدم، نوح، ابراہیم، لوط، اسحاق، یعقوب، یوسف علیہم السلام کے قصے، توراۃ کی کتاب پیدائش میں اور موسیٰ، داؤد، سلیمان وغیرہم انبیاء علیہم السّلام کے حالات عہد قدیم کی دوسری کتابوں میں دیکھو۔ پھر یہی قصے قرآن میں مطالعہ کرو۔ صاف معلوم ہو جائے گا کہ اِن جلیل القدر پیغمبروں کی سیرتوں سے ہدایت بیتیں کرنے میں دونوں جگہ کتنا بڑا فرق ہے۔ عہد قدیم میں تمھیں نظر آئے گا کہ خدا کی طرف جہالت اور انسان کے پیدا کرنے پر ندامت کو منسوب کیا گیا ہے، نیز اُسے منتقم ظاہر کیا گیا ہے حالانکہ یہ باتیں خدا کی شان سے بعید ہیں اسی طرح انبیاء کی طرف بڑے بڑے گناہ منسوب کیے گیے ہیں جن سے وہ کہیں بلند ہیں اور انسان میں جن کی موجودگی، بدترین نمونہ ہے لیکن قرآن میں اللہ کی حکمت، رحمت، عدل، فضل، اُس کے قانونِ قدرت، پھر اُس کے نبیوں اور رسولوں کے کمال اور محاسن اعمال کے ایسے ایسے بیان موجود ہیں کہ تلاوت کرنے والے کا ایمان زیادہ ہوتا اور ان کے بہترین نمونہ سے ہدایت حاصل ہوتی ہے۔ عہد قدیم و جدید میں پیغمبروں کے حالات، جنگل کی طرح ہیں جس میں درخت، گھانس، کانٹے، پھول، پھل، کیڑے مکوڑے سب ہی موجود ہیں، لیکن یہی چیز قرآن میں اِس طرح ہے گویا پھولوں سے نکلا ہوا عطر

اور پھلوں سے بنا ہوا شہد ہے۔ یہاں ایک ایسا چمن نظر آتا ہے جس میں نگاہ کے لیے ہر حُسن جمع کر دیا گیا ہے۔

ہم یہاں اُن کتابوں کا ذکر کرنا نہیں چاہتے جو عہد قدیم و جدید کی تردید میں آزاد علماء فرنگ نے لکھی ہیں۔ اِن میں سب سے زیادہ مختصر مگر عجیب کتاب وہ ہے جس کا نام "توراۃ و انجیل کی مفتریں" ہے اور ایک انگریز عالم کی تصنیف ہے۔ اِن کتابوں کے مصنفوں نے دکھایا ہے کہ توراۃ و انجیل میں علم، عقل، تاریخ کی کتنی مخالفتیں موجود ہیں، لیکن قرآن اِن تمام اعتراضوں سے دور ہے۔

کلیسا کی اسلام دشمنی

کلیسا کے لوگوں نے جب دیکھا کہ اسلام نے بت پرستی اور آتش پرستی کا خاتمہ کر دیا ہے، قریب ہے کہ مشرقی دنیا میں عیسائیت کا قلع قمع کر ڈالے، اور اُس کا نور دنیا میں پھیلتا جاتا ہے، تو انہوں نے اپنی دینی بیتوائی کو بچانے کے لیے جس سے مسیح علیہ الصلاۃ والسلام بالکل بَری ہیں، یہی حربہ اٹھایا کہ اسلام، اُس کے نبی، اور اُس کی کتاب کے خلاف کذب، بہتان، اور سب وشتم سے لبریز کتابیں لکھنا اور بنانا، اور گانے طیار کرنا شروع کر دئے اور اس طرح اپنے آپ کا

ثابت کردیا کہ تمام لوگوں سے زیادہ جھوٹے اور حق و اخلاق کے سب سے زیادہ دشمن ہیں۔

کلیسا کے مقلد اِن تمام تہمتوں کو سَر آنکھوں پر لیتے اور اسلام کے خلاف جوش میں آجاتے تھے، لیکن اِن میں سے جس کسی کو اسلامی کتابیں پڑھنے اور مسلمانوں سے ملنے جلنے کا موقعہ مل جاتا، کلیسا کے جھوٹ سے واقف ہوجاتا اور پھر بڑی بری طرح اُسے رسوا کر دیتا تھا، جیسا کہ کونٹ دی کاستری نے اپنی کتاب "اسلام، خواطر و سوانح" میں اور آج کل موسیو درمنگم نے اپنی کتاب "حیات محمدؐ" میں کیا ہے۔ یہ دونوں مصنّف، رومن کیتھولک فرقے سے تعلق رکھتے ہیں، مگر دوسروں کی طرح اِنہوں نے بھی صاف لکھ دیا ہے کہ کلیسا ہی نے اسلام پر ظلم و جور اور کذب و افترا میں پیش قدمی کی ہے اور یہ کہ مدافعت میں مسلمانوں نے تہذیب کا دامن ہاتھ سے کبھی جانے نہیں دیا ہے[1]۔

---

(۱) موسیو درمنگم اپنی اسی کتاب میں لکھتے ہیں "جب اسلام اور مسیحیت میں جنگ شروع ہوئی تو قدرتی طور پر مخالفتوں اور غلط فہمیوں کا دروازہ کھل گیا اور حالت بد سے بدتر ہوتی چلی گئی اس بات کا اعتراف کرنا چاہیے کہ مغرب کے لوگوں ہی نے مخالفت میں پیش قدمی کی تھی۔ بیزنطینی مناظرہ بازوں نے اسلام کے مطالعہ کی زحمت اٹھائے بغیر اُس کی تحقیر کو اپنا شیوہ قرار دے لیا تھا۔ یورپ

(باقی صفحہ ۴۶ پر)

پھر جب یورپ پر اسلام کا نور پڑنے کے بعد پروٹسٹنٹ فرقہ ظاہر ہوا اور اینگلو سیکسوں اور جرمن قوموں میں اُس کا مذہب پھیل گیا تو اُس کے پادریوں اور مشنریوں نے بھی نہ جھوٹ بولنے اور تہمت تراشنے سے پرہیز ضروری سمجھا، نہ انصاف و تہذیب و ایمانداری سے کام لیا۔ بلکہ موجودہ زمانہ میں یہی فرقہ تمام دوسرے فرقوں سے زیادہ بے ادبی کے ساتھ افترا پردازی میں مصروف ہے۔ لیکن یہ بھی ماننا چاہیے کہ اس فرقہ کے جن علماء نے اسلام کے ساتھ انصاف کیا ہے، وہ رومن کیتھولک سے زیادہ صاف گو اور شاید تعداد میں بھی اُن سے بڑھے ہوئے ہیں۔ نیز اسی فرقہ کے لوگوں نے اسلام سے ہدایت بھی

(باقی صفحہ ۴۷ کا)

کے مصنفوں اور شاعروں نے مسلمانانِ اندلس سے صرف گالیوں ہی کے ساتھ جنگ کی ہے۔ انہوں نے فرض کر لیا تھا کہ محمد، قزاق تھے، عیش و نشاط کے دلدادہ تھے ساحر تھے۔ ڈاکوؤں کے سردار تھے۔ اسی قدر نہیں بلکہ یہ بھی فرض کر لیا گیا تھا کہ محمد رومن پادری تھے اور اس لیے خفا ہو گئے تھے کہ پاپائیت کے عہدے کے لیے منتخب نہ ہو سکے تھے۔ بعضوں کے خیال میں محمد، سونے کے خدا تھے جس پر انسانوں کو بھینٹ چڑھایا جاتا تھا۔ گیبرڈ وین، جو سمجھ دار اہلِ قلم تھا، مگر وہ بھی لکھتا ہے کہ محمد کی وفات شراب کے نشہ سے ہوئی اور اُن کی لاش گھوڑے پر بڑی سختی سے جا بجا سے سوروں نے کھا لیا تھا۔ اس شخص نے یہ اس لیے لکھا تاکہ اسلام میں

(باقی صفحہ ۴۷ پر)

زیادہ حاصل کی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کی تربیت میں آزادی و ذہنی استقلال کو زیادہ دخل ہے۔ جلد وہ وقت آنے والا ہے جب یہی لوگ یورپ، امریکا اور تمام دنیا میں اسلام کی اشاعت کریں گے جیسا کہ مسٹر راڈ شا نے اپنی کتاب "حیاتِ زوجیت" میں وثوق ظاہر کیا ہے۔

معجزات

رہ گیا معجزوں کا معاملہ جن پر تمام مسیحی کلیساؤں نے باوجود باہمی اختلافِ عقائد کے اپنی بنیاد رکھی ہے، اور جس کی نسبت دعویٰ

(باقی صفحہ ۴۹ کا)

۱ شراب اور سوّر کی حرمت کا سبب بتا سکے۔ گیتوں میں تو یہاں تک ستم کیا گیا ہے کہ محمد کا طلائی بُت بنا دیا گیا ہے اور مسجدوں کو بُت خانہ قرار دے دیا گیا ہے جو بتوں اور تصویروں سے لبریز رہتی ہیں۔ "انطاکی گیتوں" کے مصنف نے اُس آدمی کی گفتگو نقل کی ہے جس نے اپنی آنکھ سے "ماحوم (محمد) کا بُت خالص سونے اور چاندی کا ڈھلا ہوا دیکھا تھا اور وہ چڑھا ہوا ہاتھی پر سوار تھا" رولاں کے گیتوں میں دکھایا گیا ہے کہ بادشاہ سارلیاں کے شہ سوار، اسلامی بُت توڑ رہے ہیں۔ اس شخص نے دعویٰ کیا ہے کہ اندلس کے مسلمان ایک ثالوث کے پجاری ہیں، جو ترماحان، ماحوم، ابولون سے مرکب ہے۔ "نعشِ محمد" کا مصنف کہتا ہے کہ اسلام میں عورت کے لیے جائز ہے کہ ایک وقت کئی کئی مردوں سے شادی کرے، عرصہ تک فسق و کینہ اور خرافات کا دور دورہ رہا۔ روڈلف دلواہیم کے وقت سے آج تک نیکولا ڈیکر، دلیس، امریچی، ہوٹنگر، سلیا ملار، ریلینڈ وغیرہم بہت سے لوگ ہوئے، مگر سب نے یہی کہا کہ محمد دجال تھے، اور اسلام میں کفر و شیطنت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ مسلمان وحشی ہیں اور قرآن، خرافات کا مجموعہ ہے!"

کر رہے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم معجزات سے بالکل تہی داماں تھے،
حالانکہ موجودہ زمانہ میں یہی معجزے اسلامی دین کی مضبوطی نہیں بلکہ
کمزوری کا سبب بن گئے ہیں۔ علماء وعقلاء کو ان معجزوں سے اطمینان
نہیں ہوتا، بلکہ یہی چیز انہیں دین کی طرف سے مذبذب کر رہی ہے۔ اگر
قرآن میں کہیں اُن خدائی نشانیوں کا ذکر نہ ہوتا جن سے اللہ نے موسیٰ و
عیسیٰ علیہما السلام کی تائید فرمائی تھی، تو آزاد خیال فرنگیوں میں اُسے
زیادہ مقبولیت حاصل ہوتی اور اُس کی ہدایت عالمگیر ہو جاتی، کیونکہ
قرآن کی بنیاد عقل، علم، فطرتِ انسانی کی موافقت، افراد کے تزکیۂ نفس
اور جماعت کے مصالح کی ترقی پر ہے۔ سب سے بڑا معجزہ جس کی
بنیاد پر ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن، خدا کی طرف سے ہے، تو وہ خود
قرآن ہی ہے اور محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اُمّی محض ہونا ہے۔ یہ معجزہ
سراسر علمی ہے اور عقل، حواس، اور ضمیر سے اُسے جانچا جا سکتا ہے:
کما اثبتہ بالعلم بی الامی معجزۃ فی الجاھلیۃ والتادیب فی الیتم
رہ گئے کائناتی معجزے تو اُن کی روایت، صحت، اور دلالت
میں بہت سے شبہات اور تاویلات پیدا ہوتی ہیں۔ پھر اس طرح
کی چیزیں ہر زمانہ میں بہت لوگوں کے ہاتھوں ظاہر ہوا کرتی ہیں۔
ہندوؤں اور مسلمانوں سے ایسی چیزیں اُس سے کہیں زیادہ منقول

ہیں حتیٰ عہد قدیم و جدید اور مسیحی ولیوں کے بارے میں روایت کی جاتی ہیں۔ لیکن یہ چیزیں اس زمانہ میں علماء کو دین سے نفرت دلانے والی ہیں۔ عنقریب ہم اس بارے میں اسلام کا قول فیصل بیان کر دیں گے۔

حضرت مسیح کے معجزے

عجائبات اور اُن کی قسموں سے متعلق کتاب مقدس کی مذکورۂ بالا لغت میں لکھا ہے:

"عجیب واقعہ، ایک ایسا واقعہ ہے جو خارق عادت خدائی قوت سے پیش آتا ہے تاکہ اُس شخص کی پیغمبری کو ثابت کر دے جس کے ہاتھ سے ظاہر ہوا ہے۔ حقیقی عجیب واقعہ، نیچر سے بالا ہوتا ہے نہ کہ اُس کا مخالف۔ وہ فطری قوانین کے روک دیئے جانے سے ظاہر ہوتا ہے نہ کہ اُن کا توڑنے والا۔ اُس سے نیچر کا زیادہ بلند نظام ظاہر کیا جاتا ہے جس کے تحت نیچر کا معمولی نظام ہوتا ہے۔ خود ہمارے اپنے ارادہ پر اگر ہم غور کریں تو ان عجیب واقعات یا معجزات کی حقیقت سمجھ میں آجائیگی۔ ہم اپنے ارادہ سے ہاتھ اٹھا دیتے ہیں اور اس طرح قانونِ ثقل کو روک دیتے ہیں۔ خدا، نیچر کی قوتوں پر مسلط ہو جاتا ہے، اُن کی رہنمائی کرتا ہے، اُنہیں اپنی خواہش کے مطابق چلاتا ہے، کیونکہ

وہ اُسی کی مشیئت کے تابع ہیں۔ ایسے کام صرف اللہ ہی کی طرف سے پیش آتے ہیں یا جنہیں اُس نے اِن کی اجازت دیدی ہے۔

"اگر ہم ہر چیز کی قدرت رکھنے والے خدا پر ایمان رکھتے ہیں تو ہمارے لیے عجائبات کے وقوع کو مان لینا مشکل نہیں ہے۔ سب سے پہلا عجیب واقعہ جو پیش آیا ہے، وہ ارادۂ الٰہی سے اِس کائنات کا عدم سے پیدا ہو جانا ہے۔ رہ گئے مسیح تو اُن کا اقنوم ایک عظیم الشان اخلاقی معجزہ ہے، اور آپ کے تمام عجائبات اِسی اقنوم اور اُس کے اعمال ظاہر کرنے کے لیے تھے اگر ہم خدا کے معصوم بیٹے مسیح پر ایمان رکھتے ہیں تو ہمارے لیے اُن کے معجزوں کی تصدیق کچھ مشکل نہیں ہے۔ لیکن شیطان کے تمام عجائبات جھوٹے ہوتے ہیں۔

"عجائبات و معجزات، دین کی تائید کے لیے ضروری ہیں۔ مسیح نے اپنے معجزوں کے ذریعہ بارہا اپنے لاہوت کو اور مسیح ہونے کو ثابت کر دیا ہے۔ وہ اپنے معجزے اِس لیے ظاہر کرتے تھے کہ اللہ کی بزرگی قائم ہو اور مخلوق کے روح و جسم کو فائدہ پہنچے۔ وہ اپنے معجزے دوستوں اور دشمنوں کے عام مجمعوں میں ظاہر کیا کرتے تھے۔ دشمن بھی اِن معجزوں سے انکار نہ کر سکے لیکن انہوں نے یہ کیا کہ علط طور[1] پر اُنہیں

(۱) یعنی شیطان کی طرف، انجیلوں نے شیطان کے ہاتھوں بھی عجائبات کا وقوع تسلیم کیا ہے، جیسا کہ اِس مصنف نے تصریح کی ہے۔

منسوب کر دیا۔ ہم چاہے خارجی شہادت سے اُن کی جانچ کریں یا خدا کی طرف سے پیغمبری کی مناسبت پر غور کریں، بہرحال ہر بے غرض انہیں ماننے پر مجبور ہو جائے گا۔ لیکن اگر اُن کے صحیح ہونے سے انکار کر دیا جائے تو پھر تسلیم کرنا پڑیگا کہ اُن کے ماننے والے جھوٹے تھے؛ حالانکہ اس بات کا تصوّر بھی مسیح اور اُن کے حواریوں کی نسبت نہیں کیا جا سکتا۔

"حواریوں کے زمانہ تک معجزات و عجائبات کی قدرت باقی تھی، لیکن جب دینِ مسیح عام ہو گیا تو اِس چیز کی ضرورت باقی نہ رہی[1]۔ اِس زمانہ میں ہمیں صرف اِس دین کے اخلاقی معجزوں کی ضرورت ہے جن کے ساتھ اُن کی صحت کی داخلی دلیلیں بھی ہوں۔ لیکن خدا کو قدرت حاصل ہے کہ جب چاہے معجزے ظاہر کرنا شروع کر دے۔"

اِس تفصیل کے بعد مؤلف نے سدوم اور عمورہ میں قوم لوط کی بربادی کے وقت سے یوناہ (یونس) کے مچھلی کے پیٹ میں چلے جانے تک عہدِ قدیم کے معجزوں کا نقشہ پیش کیا اور اُس میں ۴۷ معجزے شمار کیے ہیں۔ اِس کے بعد حمل کے وقت سے آسمان پر جانے تک مسیح کے معجزے گنائے ہیں اور وہ ۷۲ ہیں۔ پھر آپ کے حواریوں

[1] پروٹسٹنٹ لوگوں کا مذہب ہے۔ رومن کیتھولک فرقہ ہر بار میں ایسے عجائبات کا وجود مانتا ہے۔

کے بیس معجزے شمار کیے ہیں اور لکھا ہے کہ بپتسمہ دینے والے یوحنا کے
معجزے کتاب مقدس میں درج نہیں ہوئے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ مسیح کے جو ۲۰ معجزے بیاں کیے گئے ہیں ان میں
بیماروں اور آسیب زدہ دیوانوں کا اچھا کرنا ہے۔ تین معجزے اموات
کے بعد مُردوں کا زندہ کر دینا ہے۔ اس کے بعد جو معجزے باقی رہتے ہیں
وہ خود حضرت کا عمل میں آنا، پانی کو شراب بنا دینا، بحر جلیل میں جال ڈالنا
ایک مرتبہ پانچ ہزار اور دوسری مرتبہ چار ہزار آدمیوں کو پیٹ بھر کھلا دینا
باعث انجیر کے درخت کو خشک کر دینا، پھر خود زندہ ہو جانا، مچھلی کا شکار
کرنا اور آسمان پر چڑھ جانا ہے، ہم یہاں سب سے بڑے معجزے
یعنی مُردوں کو زندہ کر دینے کی نسبت انجیلوں کی روایتوں اور معجزات
کے منکروں کے اقوال کا خلاصہ درج کرتے ہیں؛

پہلا مُردہ، شہر نائین کا رہنے والا تھا۔ اُس کا جنازہ اٹھ چکا
تھا اور اُس کی ماں رو رہی تھی۔ مسیح نے جنازہ روک کر کہا "اے جوان
میں تجھ سے کہتا ہوں، اٹھ۔ وہ مردہ اٹھ بیٹھا اور بولنے لگا۔ اور اُس نے
اُسے اُس کی ماں کو سونپ دیا۔ اور سب پر دہشت چھا گئی۔ اور وہ خدا
کی بڑائی کر کے کہنے لگے کہ ایک بڑا نبی ہم میں اٹھا ہے۔ اور یہ کہ خدا نے
اپنی امت پر توجہ کی ہے" (لوقا ۷: ۱۱-۱۶)

دوسری میت ایک لڑکی کی تھی۔ اُس کے باپ نے مسیح سے کہا اور وہ سردار تھا کہ "میری بیٹی ابھی مری ہے لیکن تو چل کر اپنا ہاتھ اُس پر رکھ تو وہ زندہ ہو جائیگی۔ اور جب یسوع سردار کے گھر میں آیا اور بانسلی بجانیوالوں کو اور بھیڑ کو غل مچاتے دیکھا۔ تو کہا ہٹ جاؤ کیونکہ لڑکی مری نہیں بلکہ سوتی ہے، وہ اُس پر ہنسنے لگے۔ مگر جب بھیڑ نکال دی گئی تو اُس نے اندر جاکر اُس کا ہاتھ پکڑا اور لڑکی اٹھی" (متی ۹: ۱۸-۲۴)

عجائبات و معجزات کے منکر اس موقعہ پر کہتے ہیں کہ یہ نوجوان مرد اور عورت، دراصل مرے ہی نہیں تھے۔ ہر زمانہ میں ایسے واقعات ہوتے رہے ہیں کہ لوگ اپنے تابوتوں بلکہ قبروں تک سے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں حالانکہ لوگ اُنہیں مردہ سمجھ چکے تھے۔ یہی سبب ہے کہ مہذب حکومتیں اُسی وقت دفن کی اجازت دیتی ہیں جب مستند ڈاکٹر موت کی شہادت لکھ دیتا ہے۔ معجزوں پر ایمان رکھنے والوں کو تو اور بھی زیادہ یقین کرنا چاہیئے کہ لڑکی مری نہیں تھی، کیونکہ خود مسیح علیہ السلام نے صاف طور پر یہی کہا تھا۔

تیسرا واقعہ، آپ کے محبوب، لعزر کا ہے جو مر گیا تھا اور آپ کی چہیتی مریم کا بھائی تھا۔ وہ اپنے گاؤں "بیت عنیاہ" میں بیمار پڑا۔ اُس کی بہنوں نے یسوع کو کہلا بھیجا "اے خداوند دیکھ، جسے تو عزیز رکھتا ہے

وہ بیمار ہے،، دو دن بعد حضرت وہاں گئے تو وہ چار دن پہلے ہی مر چکا تھا۔ مرتھا نے یسوع سے کہا "اے خداوند، اگر تو یہاں ہوتا تو میرا بھائی نہ مرتا" پھر اس نے اپنی بہن مریم کو بلایا۔ مریم آپ کے قدموں پر گر گئی اور مرتھا نے جو کہا تھا وہی کہنے لگی۔ سب لوگ قبر پر میت کو رونے گئے تھے۔ جب یسوع نے مریم کو اور اس کے ساتھ آنے والے یہودیوں کو روتے دیکھا تو اپنی "روح میں نہایت رنجیدہ ہوا اور گھبرا کر کہا تم نے اُسے کہاں رکھا ہے؟" لوگوں نے قبر بتا دی۔ آپ بھی رونے لگے۔ قبر، ایک غار میں تھی جس پر پتھر رکھا ہوا تھا۔ آپ نے پتھر ہٹانے کا حکم دیا اور وہ ہٹا دیا گیا۔ پھر یسوع نے آنکھیں اُٹھا کر کہا "اے باپ، میں تیرا شکر کرتا ہوں کہ تو نے میری سُن لی۔ اور مجھے تو معلوم تھا کہ تو ہمیشہ میری سنتا ہے مگر اِن لوگوں کے باعث جو آس پاس کھڑے ہیں، میں نے یہ کہا تاکہ وہ ایمان لائیں کہ تو ہی نے مجھے بھیجا ہے" یہ کہہ کر آپ نے بلند آواز سے پکارا "اے لعزر، نکل آ، جو مر گیا تھا وہ کفن سے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے نکل آیا اور اُس کا چہرہ رومال سے لپٹا ہوا تھا۔ یسوع نے اُن سے کہا اُسے کھول کر جانے دو" (انجیل یوحنا کے باب ۱۱ کا خلاصہ)

اس قصہ کے بارے میں معجزات کے منکر کہتے ہیں کہ اگر روایت کے لحاظ سے یہ صحیح ہو، تو یہ در اصل ایک سازش تھی جس میں مسیح،

اُن کا محبوب، اور محبوبہ تینوں شریک تھے تاکہ یہودیوں کو اپنی موت کا یقین دلادیں۔ یہ توجیہ میں نے ایک شامی پروٹسٹنٹ ڈاکٹر کی زبان سے سنی ہے۔ حاشا وکلّا حضرت مسیح علیہ السلام پر یہ شبہ نہیں کیا جاسکتا لیکن میں نے اسے یہاں یہ دکھانے کے لیے نقل کر دیا ہے کہ موجودہ زمانہ میں اس قسم کی روائتیں مسیح کی موت بھی ثابت نہیں کرسکتیں، کجا اُن کی الوہیت۔ پھر ان روایتوں سے اگر استدلال ہوسکتا ہے تو صرف موت پر، نہ کہ الوہیت پر جس کی یہ بذاتِ خود نفی کر رہی ہیں، جیسا کہ اُن لوگوں نے بھی سمجھا تھا جو اِن کے شاہدِ عینی تھے۔ پھر اِن واقعات کے لکھنے والوں کے پاس نہ کوئی سلسلۂ اسناد موجود ہے، نہ روایت میں ان کی معصومیت کی کوئی دلیل ملتی ہے۔ جو لوگ اِن واقعات کو مکر و فریب سے تعبیر کرتے ہیں، یا محض اتفاقات کا نتیجہ بتاتے ہیں، اُن سے اگر قطع نظر بھی کرلی جائے تو خود اِن واقعات کی روایت بھی کوئی وزن نہیں رکھتی۔

اگر سب سے بڑے معجزے یعنی مُردے زندہ کر دینے کے بارے میں اس قسم کی تاویلیں کی جاسکتی ہیں تو بیماروں کو اچھا کرنے اور آسیب اُتارنے کے معجزوں کی نسبت کیا کچھ نہیں کہا جاسکتا جبکہ ایسے ہی واقعات ہر زمانہ میں بکثرت پیش آتے رہتے ہیں۔ تمام طبیبوں کا فیصلہ ہے کہ جن بیماریوں کو لوگ آسیب کا اثر سمجھتے ہیں، وہ دراصل عصبی بیماریاں

ہوتی ہیں اور دوا، وہم، اور عقیدے کے ذریعہ اچھی ہو جاتی ہیں تو اب
عملی اور اکسیر کے معجزے تو اس سے بھی اُتر کر ہیں۔

محمدی معجزہ، علمی عقلی ہے

اس کے مقابلہ میں محدثین نے کہیں متصل اسانید سے اور کہیں مرسل طریقہ پر وہ کائناتی معجزے روایت کیے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سرفراز کیا تھا اور جن کی تعداد، انجیلوں کے روایت کردہ معجزوں سے کہیں زیادہ اور احتمالات سے بہت دور ہے۔ لیکن اِن معجزوں کو آپ نے نہ صحتِ دین کی دلیل قرار دیا نہ اُن کی روایت و تلقین ہی کا حکم دیا ہے۔

اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے محمدؐ کی نبوت و رسالت علم و عقل کی بنیادوں پر استوار کی ہے اور اِنہی بنیادوں میں اُس کا ثبوت رکھا ہے کیونکہ انسان، سنِ شعور کو پہنچنے لگا تھا، اور اُس میں وہ فکری استقلال پیدا ہونے لگا تھا جس کی موجودگی میں عقل ایسے لوگوں کی پیروی نہیں کرتی جو فطری قوانین کے خلاف عجیب واقعات دکھایا کرتے ہیں۔ انسان کی ترقی اِس قسم کی چیزوں سے بڑھتی نہیں بلکہ رُکتی ہے، اِسی لیے خاتم النبیین کی نبوت کی اصلی حجت وہی چیز قرار دیدی گئی ہے جو اُس کی نبوت کا اصلی موضوع ہے، اور وہ آپ کی کتاب ہے جو اپنی ہدایت، علوم، اور

لفظی و معنوی اعجاز میں تمام انسانوں کے لیے معجزہ ہی ہوتی ہے (جیسا کہ ہم سورۂ لقرکی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں) اور یہ اس لیے کہ اُس فکری استقلال میں انسان کی تربیت کرے اور اُسے اُس کمال تک پہنچائے جس کی قابلیت اُس میں خدا نے رکھ دی ہے۔

یہی وہ فیصلہ کن فرق ہے جو گزشتہ خاص نبوتوں، اور عام دائمی نبوت میں موجود ہے۔ اسی بات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیان فرمایا ہے" کوئی نبی نہیں جسے خدا نے نشانیاں نہ دی ہوں جن کے تماشے سے لوگ اُس پر ایمان لائے لیکن مجھے جو نشانی دی گئی ہے، وہ وحی ہے جو مجھ پر آیا کرتی ہے۔ مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن سب نبیوں سے زیادہ پیرو میرے ہی نکلیں گے" (حدیث ابی ہریرہؓ متفق علیہ)

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ہمیں بتایا ہے کہ مشرکوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کائناتی نشانیوں کا مطالبہ کیا تھا۔ اس کے جواب میں آپ نے قرآن کو بحیثیت مجموعی پیش کیا اور گزشتہ پیغمبروں اور آسمانی کتابوں کی خبروں کو بھی سنایا جن سے نہ خود آپ واقف تھے نہ آپ کی قوم واقف تھی۔ نیز اپنی کتاب کی ہدایت، علوم، اور اُس کی نظیر لانے سے تمام دنیا کا عجز ثابت کر کے سب لوگوں پر حجت قائم کر دی:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰى أَنْ يَّأْتُوا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا (۱۷ : ۸۸)	اے پیغمبر، آپ کہہ دیجیے کہ اگر انساں اور جنات سب جمع ہو کر بھی اس قرآن جیسی چیز لانا چاہیں، تو ہرگز لا سکیں گے اگرچہ باہم ایک دوسرے کے معین و مددگار ہوں

رہ گئیں کائناتی نشانیاں جو اللہ نے آپ کو مرحمت فرمائی تھیں تو اس لیے نہ تھیں کہ آپ کی نبوت و رسالت کی حجت ہیں بلکہ تدالمد منشا میں وہ اللہ کی طرف سے آپ کے لیے اور آپ کے اصحاب کے لیے رحمت و عنایت تھیں، چنانچہ برسر فساد کافروں پر مدد نے انہیں فتحیاب کیا، حالانکہ وہ تعداد میں، طیاری میں، ہتیار اور ساماں رسد میں مسلمانوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھے۔ غزوۂ بدر اور اس میں مومنین کی فتحمندی کی مثال ہی کافی ہے۔ پھر غزوۂ احزاب (جنگ خندق) کو دیکھو جس میں بت پرست اور یہودی ایکا کر کے مسلمانوں پر چڑھ آئے تھے اور مدینہ کو گھیر لیا تھا لیکن خدا نے بغیر کسی جنگ کے دشمنوں کو نے مراد واپس کر دیا۔

حضرت مسیح کی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نشانیوں میں بھی بیماروں کو اچھا کرنا، اندھوں کو بینائی بخشنا، اور غزوۂ خندق و غزوۂ تبوک میں تھوڑے سے کھانے سے بہت آدمیوں کو سیر کر دینے

کے واقعات موجود ہیں۔ اسی قبیل سے یہ واقعہ ہے کہ بدر میں خدا نے مسلمانوں کے لیے ابر کو مسخر کر دیا تھا چنانچہ وہ خوب سیراب ہوئے اور ریگ بھیگ جانے کی وجہ سے اُن کے قدم دھنسنے سے محفوظ رہے، مگر مشرکوں کو اس ابر سے ایک بوند بھی نصیب نہ ہوئی۔ اسی طرح غزوۂ تبوک میں ہوا کہ فوج کا پانی ختم ہو گیا تھا۔ صحرا میں مقام تھا اور گرمی سخت تھی۔ اونٹ بھی کم تھے۔ مجاہدین اُنہی کو ذبح کرتے اور اُن کے پیٹ سے پانی نکال کر پیتے تھے، مگر اس میں بھی حلق تر کرنے کے لیے پانی نہ نکلتا تھا۔ یہ دیکھکر حضرت ابو بکر نے عرض کیا یا رسول اللہ، اللہ نے آپ کی دعا میں بھلائی رکھ دی ہے، ہمارے لیے دعا فرمائیے۔ آپ نے دونوں ہاتھ اٹھا دیے اور دعا کرنے لگے۔ ابھی ہاتھ ہٹانے نہیں پائے تھے کہ مینہ برسنا شروع ہو گیا اور سب نے اپنی مشکیں بھر لیں لیکن مسلمانوں کے پڑاؤ سے آگے کہیں بارش نہ تھی۔

افراد و اقوام پر عجائبات کا اثر

پیغمبروں کی نشانیاں یا معجزے اُن جھگڑالو منکروں پر حجت تھے جو اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے دنیا و آخرت میں عذاب الٰہی کے مستحق بن گئے۔ ان معجزوں کے دیکھنے والوں میں سے صرف وہی لوگ ایمان لائے جو اُن پر ایمان لانے کی قابلیت رکھتے تھے۔ چنانچہ فرعون اور اُس

کی قوم، حضرت موسیٰ کے معجزوں پر ایمان نہ لائی۔ اکثر بنی اسرائیل بھی اِن معجزوں کو سمجھ نہ سکے اور گائے کے بچھڑے کی پوجا کرنے لگے۔ خود حضرت مسیح کے بارے میں یہودیوں نے کہا کہ اگر وہ شیاطین کے سردار نہ ہوتے تو انسان سے شیطان کو باہر نکال نہ سکتے۔ کہنے لگے کہ ابلیس یا بعلزبول، مسیح سے بڑے بڑے معجزے دکھاتا ہے اچنانچہ اکثر یہودی آپ پر ایمان نہ لائے۔ اسی طرح اسلام کے زمانہ میں منافقوں نے دیکھا کہ ابر کا ایک ٹکڑا آیا اور نبی صلعم کی دعا کے وقت سخت گرمی میں صرف مسلمانوں کے لشکر کو سیراب کر گیا، تو یہ دیکھ چکنے کے بعد بھی کہنے لگے "دعا سے نہیں بلکہ مچھتر کی وجہ سے پانی برسا ہے"

اِن نشانیوں اور معجزوں پر اکثر ایمان لانے والوں کی گردنیں اُن کے آگے اِس لیے جھک گئی تھیں کہ وہ اِن باتوں کا کوئی سبب نہ جانتے تھے، چنانچہ فرض کر لیا کہ ایسی نشانیاں لانے والے اگر خود خالق نہیں ہیں تو اُس کے مظہر ضرور ہیں۔ جنہوں نے یہ معجزے تسلیم کیے اُن سے کہیں زیادہ وہ لوگ تھے جو ایسی ہی عقیدت جادوگروں، شعبدہ بازوں، اور دعاؤں سے رکھتے تھے اور اب تک رکھتے ہیں۔

مسیح علیہ السّلام سے روایت ہے کہ جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبی اٹھ کھڑے ہوں گے اور ایسے بڑے نشان اور عجیب کام دکھائیں گے کہ اگر

ممکن ہو تو برگزیدوں کو بھی گمراہ کر لیں" (متی ۲۴:۲۴) کتابِ مقدس کی لغت میں اِن جھوٹے مسیحوں کے بہت سے نام گنائے گئے ہیں۔ میں کہتا ہوں، اِنہی میں وہ قادیانی بھی ہے جو مسلمانانِ ہند میں ظاہر ہوا تھا۔ نیز اخباروں میں ایک اور ہندوستانی کے ظہور کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو اپنے تجلیات اِسی سال امریکا میں ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ نیز مسیح کا یہ قول بھی روایت کیا گیا ہے کہ "میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ ہر نبی اپنے وطن میں مقبول نہیں ہوتا" اور مسیح نے سچے نبی کی پہچان یہ بتائی ہے کہ اُس کی نشانیوں اور معجزوں سے نہیں، بلکہ انسانوں میں اُس کی ہدایت کے نتیجہ سے اُسے پہچانو گے۔ چنانچہ فرمایا "اُن کے پھلوں سے اُنہیں پہچانو گے" اور معلوم ہے کہ مسیح سے پہلے اور اس کے بعد کوئی ایسا نبی ظاہر نہیں ہوا، انسانیت کی رہنمائی میں جس کے اچھے پھل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جیسے ہوں۔ نیز کوئی ایسا شخص بھی (۵) ظاہر نہیں ہوا جس پر یوحنا کی انجیل کی یہ عبارت صادق آتی ہو "مجھے تم سے اور بہت سی باتیں کہنی ہیں۔ مگر اب تم اُن کی برداشت نہیں کر سکتے، لیکن جب وہ فارقلیط یعنی سچائی کا روح آئیگا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھا دے گا" (یوحنا ۱۶: ۲۱) ظاہر ہے کہ مسیح کے بعد کوئی نبی نہیں آیا جس نے پورے پورے حق کی طرف کی رہنمائی کی ہو، مگر ہاں وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جنہوں نے دین، توحید، تشریع

حکمت، ادب سب میں پورا پورا حق دنیا کو دکھا دیا ہے۔

تاریخ اقوام پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ آسمانی ادیان کے حلقہ بگوشوں سے زیادہ مت پرست لوگ اس قسم کے عجائبات پر بھروسہ و اعتماد رکھتے ہیں۔ پھر یہ سب لوگ اپنے اپنے بزرگوں کی عجیب عجیب باتیں اس قدر کثرت سے بیان کرتے ہیں کہ پیغمبروں کی بھی اتنی بیان نہیں کی گئی ہیں، اور یہ کہ ان عجائبات پر اکثر یقین کرنے والے، خرافاتی لوگ ہی ہوتے ہیں۔

محمد کی نبوت خود ثابت ہے اور دوسری نبوتوں کو ثابت کرنے والی ہے غرضکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی موت بذات خود ثابت ہے۔ کائناتی نشانیوں اور معجزوں سے نہیں بلکہ ناقابل شک علمی عقلی دلیل و برہان سے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کا ثبوت، تمام عقلوں اور حواسوں کے لیے ہر زمانہ میں قائم و نمایاں ہے۔ پچھلے پیغمبروں کی نشانیاں اور معجزے ثابت ہی نہیں ہو سکتے جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور آپ کے لائے ہوئے اس قرآن کو مان نہ لیا جائے۔ علم اور آزاد خیالی کے موجودہ زمانہ میں پچھلے نبیوں کے معجزوں کا ثبوت صرف یہی ہو سکتا ہے کہ قرآن اُن کی شہادت دے، کیونکہ جن کتابوں میں یہ معجزے لکھے گئے ہیں، خود اُنہیں بھی ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ اپنے مصنفوں ہی

کی کتابیں ہیں۔ کیونکہ جن زبانوں میں یہ کتابیں لکھی گئی تھیں، اب اُن میں اُن کی کوئی ایک جلد بھی موجود نہیں ہے۔ نیز یہ بھی ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ ان کے مصنف جن میں باہم بہت اختلاف و تناقص ہے، غلطی سے معصوم تھے۔ نیز اِن کے ترجموں کی صحت کا بھی کوئی ثبوت موجود نہیں ہے جیسا کہ ہم اوپر کہہ چکے اور بارہا تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔

دنیا میں صرف ایک ہی کتاب ایسی موجود ہے جو تواتُر سے حرفاً حرفاً اپنے لانے والے کی طرف سے حفظ و تحریر، دونوں طریقوں سے نقل ہوتی چلی آئی ہے، اور وہ قرآن ہے۔ اور صرف ایک ہی پیغمبر ایسا ہے جس کی تاریخ متصل اسانید کے ساتھ حفظ و تحریر دونوں طریقوں سے روایت ہوتی چلی آئی ہے، اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پس صرف ایک اکیلا دین جسے آزاد خیال علماء سمجھ سکتے اور جس کی بنیاد پر فیصلہ کر سکتے ہیں، اسلام ہے۔ پچھلے دینوں کی نسبت زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ قدیم تہذیب کی تمام قوموں میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے ہیں جو عبادت الٰہی اور عمل صالح کی طرف دعوت دیتے تھے۔ شر اور بداخلاقی سے روکتے تھے، اِن میں بعض انبیاء تھے جو اللہ کے پیغام پہنچاتے تھے۔ اور ایسے حکماء بھی تھے جو عقل و تجربہ کی بنا پر لوگوں کو اچھائیوں کی طرف بلاتے اور برائیوں سے منع کرتے تھے

اور یہ کہ ان دونوں گروہوں کی نسبت جو کچھ روایت کیا گیا ہے، اُس میں خلاف عقل باتیں بھی ہیں جن سے کسی کو فائدہ نہیں پہنچا، اور ایسی باتیں بھی ہیں جو اُن کے زمانہ کے لیے خاص ہیں، اور خرافات بھی ہیں جنہیں عقل کسی طرح باور نہیں کرسکتی۔

چونکہ اسلام اور پیغمبر اسلام کی ذات ہی ایسی ہے کہ اُس کی حقیقت و تاریخ بتفصیل معلوم ہے، اس لیے ہم یہاں مادّی علماء فرنگ اور اُن کے مقلّدوں کا ایک شبہ درج کرتے ہیں، لیکن اُس کی تردید سے پہلے بہتر ہے کہ اجمالی طور پر اُن کی شہادت بھی درج کردیں جو انہوں نے اِس بارے میں دی ہے

علماء فرنگ اور سیرت محمدی

علماء فرنگ نے اپنے طریقہ نقد و تحلیل کے مطابق قبل از اسلام کی تاریخِ عرب دیکھی سیرت محمدی کا مطالعہ کیا اُس کی چھان بین کی، اُسے اپنے دستور کی موجب طرح طرح کے رنگوں سے رنگا قرآن اُن کی اپنی زبان میں بھی پڑھا، ترجمہ بھی پڑھا جو انہی کے ہم قوموں نے کیا تھا۔ عہد قدیم و جدید، تاریخ مذاہب وادیان، خصوصاً یہودیت و عیسائیت کا بھی پورا علم انہیں حاصل تھا، نیز کلیسا کے متعصب مصنفوں نے اسلام پر جتنی تہمتیں تراشی ہیں، اُن کی بھی انہیں خبر تھی۔ اپنے

ں تمام مطالعہ کے بعد وہ حسب ذیل نتیجہ پر پہنچے :
"محمدؐ سلیم الفطرت تھے۔ اُن کی عقل کامل تھی۔
اعلیٰ اخلاق رکھتے تھے۔ سچے تھے۔ خود دار و بلند نفس
تھے۔ تھوڑے سے رزق پر بھی قانع تھے۔ نہ دولت
کی طمع تھی نہ اپنی سلطنت قائم کرنا چاہتے تھے۔ اُس
کی قوم میں فخر و مباہات کی جو عادت تھی، اُس سے
خود دور تھے۔ بلند پایہ تقریروں اور شعر و شاعری کا
انہیں چسکا نہ تھا۔ اپنی قوم کے شرک، خرافات، بُت
پرستی سے بیزار تھے۔ بہیمی خواہشوں میں لوگوں
کے انہماک کی تحقیر کرتے تھے۔ شراب خواری، قمار
بازی، ناجائز طریقہ پر لوگوں کا مال کھانا سخت برا
سمجھتے تھے۔ آپ کے اِن حالات اور اپنی نبوت پر
آپ کے یقین کو دیکھ کر اِن لوگوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے
کہ چالیس سال کی عمر میں آپ اپنے اِس دعوے میں
سچے تھے کہ آپ نے وحی کے فرشتہ کو دیکھا۔ اُس
سے قرآن پڑھا، اور یہ کہ آپ اپنی قوم اور تمام
دنیا کی ہدایت کے لیے خدا کے پیغمبر ہیں"

آپ کی صداقت کا اِن علماء فرنگ کو اس لیے اور بھی زیادہ یقین ہوگیا کہ آپ پر ایمان لانیوالوں اور آپ کی موت سے ہدایت پانیوالوں میں پیش پیش وہ لوگ تھے جو آپ کی اندرونی زندگی کے سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ چنانچہ اِن میں سب سے پہلی آپ کی روحۂ مطہرۂ حضرت خدیجہ تھیں جو اپنی دانائی، بلند نفسی، اور پاک باطنی میں مشہور تھیں۔ اور آپ کے غلام، زید بن حارثہ تھے جنہوں نے آپ کی غلامی منظور کی مگر اپنے باپ اور خاندان کے ساتھ جا کر آزادی منظور نہیں کی، پھر آپ پر سب سے پہلے ایمان لانے والے وہ لوگ تھے جو آزادی و آزاد خیالی میں تمام عربوں سے آگے تھے، خصوصاً ابوبکرؓ اور عمرؓ جیسے لوگ۔

اِن علماء فرنگ میں جو لوگ اللہ پر، اُس کے فرشتوں پر، اور اِس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ انسانی روح لازوال ہے، تو وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سوت پر بھی علم و دلیل کے ساتھ ایمان لے آتے ہیں اور جس قدر اُنہیں اسلام کی معرفت حاصل ہوتی جاتی ہے، اُسی قدر اُن کی تعداد بھی سال بسال زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ لیکن مادّی علماء مجبور تھے کہ اِس ناقابل انکار واقعہ کی کوئی ایسی تفسیر و توجیہہ کریں اور اس کی ایسی علمی تصویر اتاریں جسے وہ عقلیں مان لیں جو مادّہ اپنے سے پرے کسی عالم غیب کو ماننے کے لیے آمادہ نہیں ہیں۔

چنانچہ انہوں نے اپنے ذہن کے چقماق کو رگڑنا شروع کیا اور اپنے فلسفی لطریوں کو گرمی دینے لگے، یہاں تک کہ جب ذرا روشنی پیدا ہوئی تو انہوں نے اس کے دھندلے نور میں وہ خیالی صورت دیکھی جسے پروفیسر مونتیہ نے اجمال کے ساتھ (جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں) اور امیل درمنگم نے تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور جس کی تشریح ہم یہاں کرنا چاہتے ہیں۔

عالم غیب کے منکروں کا شبہہ
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت وہ کس رنگ میں پیش کرتے ہیں؟

ان مادّیوں کے خیالات کا خلاصہ یہ ہے کہ وحی، ایک الہام ہے جو خود پیغمبر کے نفس سے پیدا ہوتا ہے نہ کہیں باہر سے۔ اور یہ اس طرح کہ پیغمبر کا بلند نفس، پاک باطن، اللہ پر اس کا پختہ ایمان، عبادت کی مزید پر اس کا قطعی یقین، ماسوا اللہ اور بت پرستی سے اس کی نفرت، موروثی عقائد سے اس کی بیزاری، ان سب چیزوں کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اس کے ذہن و عقل میں قسم قسم کے خواب اور روحانی احوال پیدا ہو جاتے ہیں، اور جس بات کو وہ ضروری سمجھتا ہے، اسے براہِ راست آسمان پر سے نازل ہونے والا خدائی فرمان یقین کرنے لگتا ہے، یا ایسا ہوتا ہے کہ اپنے سامنے کوئی وجود مجسّم دیکھتا ہے جو اسے تلقین کرتا ہے اور

یہ پیغمبر اُسے عالمِ غیب کا فرشتہ خیال کر لیتا ہے۔ وہ اپنے اعتقاد کے مطابق جاگتے میں بھی وہی دیکھنے اور سننے لگتا ہے جو سوتے میں دیکھتا اور سنتا ہے۔ یہ آخر الذکر معاملہ ہر پیغمبر کو پیش آتا ہے، اور پیغمبر اپنی وحی کی نسبت جو کچھ دعویٰ کرتا ہے، اُس کے خیال کے مطابق صحیح ہوتا ہے۔

مادّی لوگ کہتے ہیں "ہم محمدؐ کی سچائی میں شک نہیں کرتے۔ اُنہوں نے جو کچھ سننے اور دیکھنے کا دعویٰ کیا ہے، اُن کے خیال میں صحیح تھا لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ اس چیز کا سرچشمہ خود اُن کے اپنے اندر موجود تھا۔ اس عالمِ مادہ کے پرے عالمِ غیب سے کوئی چیز اُن پر نازل نہیں ہوئی تھی۔ اس طرح کی کوئی چیز ہمارے ہاں ثابت نہیں ہے۔ پھر اس کے بطلان کی بھی کوئی دلیل ہمارے پاس نہیں ہے۔ اسی لیے ہم غیر معمولی مظاہر کی وہی تفسیر کر سکتے ہیں جسے ہم جانتے ہیں۔ ہم کوئی ایسی بات کیونکر کہہ سکتے ہیں جسے جانتے ہی نہیں؟"

پیغمبروں کی وحی کے مقابلہ میں وہ فرانسیسی دوشیزہ جان آف آرک کا قصہ پیش کرتے ہیں، جسے رومن کیتھولک چرچ نے اُس کی موت کے بہت زمانہ بعد ولی الله قرار دیدیا ہے۔ معاملۂ وحی کی جو تصویر مادّی علماء نے کھینچی ہے، اُس سے بہت سے شکّی اور اپنی مادّیوں کے مقلد مسلمانوں میں بھی شبہہ پیدا ہوگیا ہے۔ اس خیالی تصویر کو بے پردہ کرنے

کے لیے میں پہلے جان آف آرک پر کچھ گفتگو کرتا ہوں۔ اِس بارے میں میرے پاس ایک مسئلہ پہنچا تھا جسے میں نے جواب کے ساتھ "المنار" جلد ۲۴ صفحہ ۷۸۸ (۱۳۲۱ھ) میں شایع کیا ہے اور وہ حسب ذیل ہے:

وحی پر ایک شبہہ

سائل لکھتا ہے "وحی کے بارے میں چند شبہات میرے دل میں پیدا ہو گئے (حالانکہ وحی، دین کی بنیاد ہے) چنانچہ میں نے شیخ محمد عبدہ کے رسالۂ توحید کی طرف رجوع کیا اور اُس کے دو باب "وحی کی ضرورت،، اور "وحی کا امکان" پڑھے۔ میں نے گفتگو اچھی اور معقول پائی، لیکن کسی چیز کی ضرورت ہونے سے لازم نہیں آتا کہ وہ چیز پیش بھی آجائے۔ اسی طرح عقلاً اُس کے ممکن ہونے اور محال نہ ہونے سے اُس کا واقع ہوجانا بھی ضروری نہیں ہے۔ پھر یہ بتایا گیا ہے کہ نبیؐ کی حالت کیسی تھی۔ اپنی قوم میں آپ کی روش کیا تھی۔ آپ نے کیسے بڑے بڑے کارنامے دکھائے ہیں، اور لوگوں کو آپ کے ذریعہ کتنے بہت فوائد پہنچے ہیں، لہٰذا آپ کا پیغمبر ہونا بھی یقینی ہے۔ یہ استدلال کوئی وزن نہیں رکھتا۔ کیونکہ ہوسکتا ہے نبوت کے مدعی میں یہ تمام باتیں موجود ہوں وہ اپنے آپ کو سچا بھی سمجھتا ہو، اُس کے ذریعہ اس کی قوم کو عروج بھی حاصل ہوا ہو، مگر اس سے لازم نہیں آتا کہ حقیقت میں بھی وہ پیغمبر

اسی ہو۔

"پندرہویں صدی عیسوی میں جب فرانس انگریزوں سے مغلوب ہو چکا تھا، تو وہاں ایک لڑکی نشاں آف آرک" ظاہر ہوئی۔ یہ نہایت نیک نفس اور پاک باطن تھی۔ ایسے خاندان میں رہتی تھی اور سیاسی معاملات سے دور تھی، مگر اُسے دفعتاً یقین ہو گیا کہ خدا نے اُسے وطن کی آزادی اور دشمن کی پامالی کے لیے بھیجا ہے۔ چنانچہ وحی کی صدائیں سننے لگی اور جنگ کے لیے مخلصانہ دعوت دینے لگی۔ اپنے سچے ارادے کی بدولت وہ ایک چھوٹی سی فوج کی سپہ سالار بھی بن گئی اور اسی سے اُس نے دشمن کو شکست دے دی۔ پھر اس فتح مندی کے بعد خود اپنی بے وفائی کے سبب اُسے شکست ہو گئی۔ دشمن نے قید کر لیا اور آگ میں زندہ جلا ڈالا۔ اس طرح اس لڑکی نے تاریخ میں لازوال نام پیدا کیا جو آج تک اپنی قوم کے احترام اور تکریموں کا مرکز بنا ہوا ہے۔ کے بعد فرانس میں بیداری پھیلی اور علم و ترقی میں وہ بہت دور گیا۔

"تو کیا اس واقعہ کی بنا پر ہم تسلیم کریں کہ یہ لڑکی خدا کی طرف پیغمبر ہو کر آئی تھی؟ ممکن ہے آپ کہیں کہ اس لڑکی کا کارنامہ، پیغمبر کے کارناموں کے مقابلہ کچھ بھی نہیں ہے، لیکن کیا ہمارے پاس کوئی

تزاد و موجود ہے جس سے مفید کارنامے تو لے جا سکیں اور کہا جا سکے کہ یہ لڑکی اُس درجہ تک پہنچی تھی یا نہیں جس میں کسی کا دعویٰ تسلیم کر لینا ضروری ہو جاتا ہے؟ فرض کیجئے کہ اتفاقات سے ایک شخص کا ساتھ دیا اور وہ اپنے عمل کے لحاظ سے بہت فائدہ مند اور اثر کے لحاظ سے بہت پائیدار ہو گیا، پھر کسی وہم کی وجہ سے اُس نے اپنے آپ کو پیغمبر بھی قرار دے لیا، تو کیا ہمارے لیے ضروری ہو جائے گا کہ اُس کی پیغمبری پر یقین کر لیں؟

"میں سمجھتا ہوں کہ اِن باتوں سے ترجیح کا پہلو تو نکل سکتا ہے مگر یقین ہرگز پیدا نہیں ہوتا۔ میری آرزو ہے کہ میں غلطی پر نکلوں اور آپ مجھے قائل کر دیں۔ میں جانتا ہوں کہ بہت سے مسلمانوں کا بھی وہی خیال ہے جو میں ظاہر کر چکا ہوں، لیکن وہ اسے خوف سے ظاہر نہیں کرتے، مگر میں سوال کرنے میں کوئی ذلت نہیں سمجھتا، کیونکہ ہر عقل کو ٹھوکر لگ سکتی ہے"

"المنار" کا جواب

ہمیں یہ دیکھ کر خوشی ہے کہ اگرچہ شبہہ، سائل کے ذہن میں جم گیا ہے، لیکن اُس نے اُس کے سامنے ہتھیار رکھ دینا منظور نہیں کیا دین کی سرحدوں سے نکل کر خواہشوں کے دلدل میں پڑ جائے

حسین مدعوں کے ساتھ جسم بھی بگڑ جاتے ہیں۔ جبکہ سائل نے دنیا کے
مغربی شعور کی پیروی کی اور کتابوں اور لوگوں سے رجوع کرنے پر آمادہ
ہوگیا۔ ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ جو ہی ایک ذرا سا شبہ پیدا ہو اور
دین سے پھر گئے۔ کیونکہ یہ لوگ لذتوں سے بیزار ہونے کے خوگر نہ
تھے میں اور دین کو اپنی خواہشوں کی راہ میں روک پاتے ہیں۔ البتہ وہ
اُس کے مغربی شعور کو اُسی طرح قتل کر ڈالنے کی کوشش کرتے رہے
ہیں جس طرح جبل اُس کی کسی دینی دربان کو قتل کر چکا ہے۔
سائل نے رسالۂ توحید کے مقدمات تو اچھی طرح سمجھے ہیں
لیکن اُس کے مقاصد و نتائج میں باریک بینی سے کام نہیں لیا اسی
ہم دیکھتے ہیں کہ وہ مقدمات کو تسلیم کرتا ہے مگر نتیجہ کو نہیں مانتا، حالانکہ
دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ اگر سائل پھر اس رسالہ کے باب "ثبوت کی دو
کو غور سے پڑھے اور اللہ پر ایمان کے ساتھ یہ بھی مانتا ہوں کہ اُس کا
مرتبہ یہ کائنات، حکمتِ بالغہ اور کامل نظام پر استوار کی ہے تو ا
سے اُسے ضرور اطمینان حاصل ہو جائے گا۔ پھر میں سوال کے مضمون
سمجھتا ہوں کہ اُس نے اس رسالہ کی بحث "وحی اور رسالت کا وقوع"
دیکھی یا دیکھی ہے مگر سمجھی نہیں، کیونکہ اُس نے خود رسالت کی دلیل
حوالہ دیکر اپنا شبہ ظاہر نہیں کیا، مگر مقدمات کے اجزاء میں سے ایک

بہ اُسے قائم کر لیا ہے۔ اُس کا شبہ دراصل پیغمبروں کی بعض صفات ہی سے متعلق ہے۔ میں پہلے اِسی شبہ کو دور کیے دیتا اور بتائے دیتا ہوں کہ وہ برمحل نہیں ہے۔ اِس کے بعد اصلی موضوع پر اظہار رائے کروںگا۔

جس جان آف آرک کی وجہ سے سائل کو پیغمبروں کی وحی پر شبہہ ہوا ہے اُس نے کبھی نہ کسی دین کی دعوت دی نہ کسی مذہب کی، اُس نے انبیاء کی طرح کبھی نہیں کہا کہ میں ایسی دعوت لائی ہوں جو انسان کو دونوں زندگیوں میں حق یقینی بخشتی ہے۔ وہ کوئی کائناتی یا علمی نشانی بھی ایسی نہیں لائی جو انسان کی قدرت سے باہر ہو اور جس کے ذریعے چیلنج دیکر اُس نے لوگوں کو اپنے ایمان کی طرف بلایا ہو۔ جان آف آرک دراصل شریف ضمیر رکھتی تھی۔ دینی احساس اور سیاسی جوش نے اُسے برانگیختہ کیا اور وہ برانگیختہ ہوگئی۔ حکومت نے اُس کی مدد کی۔ قوم بھی ذلت سے نکلنے کے لیے بے قرار تھی۔ اِن حالات نے اُس کی مدد کی، اور جس دینی جوش نے اُسے کھڑا کیا تھا اُسی نے اُسے دشمن پر فتحیاب کردیا۔

نس کے باشندوں کو جوش دلانا جس قدر آسان ہے، سب جانتے ۔نپولین اُنہیں موت کے منہ میں ڈھکیلتا تھا اور وہ گر پڑتے تھے ۹ صرف ایک شاعرانہ جذباتی بات کہکر، ویسی بات جیسی اُس نے صر کے سامنے کہی تھی۔

میں دانشمند سائل سے کہنا چاہتا ہوں کہ اُس نے جون آف
آرک کو سیاسیات سے دور دکھا کر غلطی کی ہے "بُستانی" کی عربی
انسائیکلوپیڈیا میں اُس کا حال اس طرح لکھا ہے:
"جان آف آرک، گھر کے اندر کام کاج کرنے کی عادی تھی، مو-
چراتی تھی حتیٰ کہ گھوڑے پر سوار جاتی اور لوٹ آتی تھی۔ ڈوم
ریمی اُس کے گاؤں کے اطراف میں لوگ خرافات کے تو اُنس اور فرا
کو رہا کرنے سے اعتقادات تھے اور میاں پارٹی کے طرفدار تھے۔
سیاسی ہیجان اور مذہبی جوش تھا اُن کی تحریک تھی۔ تخیل اور
اُس میں بہت تھی کنواری مریم کے قصوں، خصوصاً اُس پیشین گو
بہت غور کیا کرتی تھی جو اُس زمانے میں پھیلی ہوئی تھی یعنی کسی کنواری
کے ہاتھوں فرانس اپنے دشمنوں سے نجات پائے گا۔ جب اُس کی ۱۳
برس کی ہوئی تو مافوق الطبیعت ظہورات پر اعتقاد رکھتی، طرح طرح
آوازیں سنتی، اور خواب دیکھتی تھی۔ پھر چند سال بعد اُسے خیال
ہو گیا کہ وہ اس کام پر مقرر کر دی گئی ہے کہ اپنے ملک کو نجات دلا
اور بادشاہ کو تاج پہنائے۔ پھر جب خود اُس کے گاؤں پر بھی دشمن
دست درازی کی تو اُسے اپنے اس خیال کا اور زیادہ یقین ہو گیا"
اس کے بعد لکھا ہے کہ کس طرح اُس نے حکام کی خوشامدیں

یہاں تک کہ شاہی فوج کی کماں دار بن گئی جس کی تعداد دس ہزار تھی اور جس کے افسر شاہ پسند تھے۔ پھر اُس نے انگریزوں پر حملہ کیا جو ۱۴۲۹ء میں اورلیان کا محاصرہ کیے ہوئے تھے اور انہیں شکست دیدی۔ لیکن اِس فتح کے بعد اُس کے پرجوش خیالات دور ہو گیے، چنانچہ ایک ہی سال (۱۴۳۰ء) میں انگریزوں نے اس پر حملہ کیا اور وہ مغلوب و زخمی ہو کر قید ہو گئی۔

اِس خلاصہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جان کا معاملہ اِس کے سوا کچھ نہ تھا کہ ایک عصبی ہیجان اُس پر طاری ہو گیا تھا، جو اُس سیاسی صورت حال سے رنج و خفگی کا نتیجہ تھا جس سے اُس کی قوم کے سب ہی لوگ اُس زمانہ میں متاثر تھے۔ یہ چیز کوئی نئی نہیں ہے بلکہ ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہیں اور اُن کا سبب بھی معلوم ہے۔ ایسے ہی عصبی مزاج کے وہ لوگ بھی ہوتے ہیں جو مہدی منتظر کے نام سے اٹھا کرتے ہیں مثلاً محمد احمد سودانی اور محمد علی باب (اسی طرح بہار اور قادیانی بھی) بلکہ "جان" کے معاملہ میں اِن دونوں شخصوں کے معاملہ سے بھی کم شبہ پیش آتا ہے۔ اگرچہ اِن دونوں کے اور "جان" کے اُٹھنے کے اسباب باہم ملتے جلتے ہیں، لیکن یہ دونوں پھر بھی ایک خاص چیز کی طرف دعوت دیتے اور اُسے اصلاح بتاتے تھے اگرچہ وہ (جھوٹی) تھی۔

کہاں یہ نبوت جس کا زمانہ بہت کم ہوا، جس کا سبب مشہور و معروف
ہے، جس میں نہ علم کی طرف کوئی دعوت تھی نہ اجتماعی اصلاح کی طرف،
بلکہ جس کی غرض صرف وطن کی مدافعت تھی، یعنی وہ بات جو انسان اور
گونگے حیوان میں مشترک ہے، جس کی نہ کوئی حجت تھی کہ اُس کی تائید
کرتی، نہ معجزہ تھا کہ اُسے تقویت دیتا، بلکہ یہ ایک شعلہ تھا جو اُٹھا اور بجھ گیا،
ہاں کہاں یہ چیز اور کہاں انبیاء کی دعوت جس کی بقول استاد امام شیخ
محمد عبدہ، انسانی سوسائٹی قدرتی طور پر محتاج ہے۔ نوع انسانی نے اپنی
استعداد کی زبان سے اِس دعوت کو طلب کیا اور مدبّر و حکیم خدا نے
اُسے بخش دی۔ اِسی دعوت کی بدولت انسان اپنے کمال کی طرف
بڑھا ہے اور دوسری ادنیٰ مخلوقات سے برتر ہو گیا ہے، پھر کہاں اِس
واہی چیز کی دلیل اور کہاں نبوت کی دلیل؟ کہاں اِس ناپائیدار چیز کا
اثر اور کہاں نبوت کا اثر؟ جن قوموں کو وحی کے ذریعہ ترقی حاصل ہوئی
ہے، تو اُن کی یہ ترقی، وحی کا قدرتی اثر و نتیجہ تھا۔ برخلاف اِس کے
فرانس نے جان آف آرک کی رہائی سے ترقی نہیں کی۔ اِس لڑکی کی
مثال اُس سپہ سالار کی سی ہے جسے فیصلہ کن معرکہ میں اپنی شجاعت
اور دوسرے ایسے اسباب سے فتح حاصل ہوتی ہے جن میں اُس کا
کوئی ہاتھ نہیں ہوتا۔ پھر فتح کے بعد سپہ سالار کی قوم اس ملک پر تس

ہو جاتی ہے اور اُسے اپنے علماء کے علوم، حکماء کی حکمت، صناعوں کی صنعت سے ترقی دیتی ہے۔ فاتح سپہ سالار نہ یہ چیزیں جانتا تھا نہ اُس کی رہنمائی سے وہ پیش آئیں، لہٰذا ایسی صورت میں کون کہے گا کہ وہ فاتح سپہ سالار ہی ہے جس نے مفتوح ملک کو یہ تمام ترقی دی ہے، اگرچہ سپہ سالار کو اِس ترقی کا ایک دَور کا قدرتی سبب قرار دیا جا سکتا ہے، جس طرح سمندر میں طوفان آجائے اور دشمن کے بیڑے کی غرقابی کی وجہ سے کسی قوم کو فتح حاصل ہو جائے۔

کہاں یہ لڑکی جو محض ایک شرارہ یا چمکی تھی کہ چمکی اور غائب ہو گئی اور کہاں محمدی نبوت کا آفتاب جس نے سارے جہان کو روشن کر دیا، اور جس کا نور آج بھی چمک رہا ہے اور ہمیشہ چمکتا ہی رہے گا۔ ایک اُمّی یتیم جس کا بچپن اور جوانی، گمنامی و خاموشی میں گزری۔ نہ اُس کے پاس کوئی علم تھا نہ تحصیل، نہ دین و ہم، نہ شعر شاعری، نہ خطبوں کی بلاغت دفعتاً وہ چالیس برس کی عمر میں تمام جہان کے سامنے کھڑے ہو کر چلّاتا ہے "تم سب کھلی گمراہی پر ہو۔ آؤ میری پیروی کرو، تمھیں سیدھی راہ دکھا دوں گا" پھر اِس شخص نے اَن پڑھ ہونے پر بھی تمام انسانی دینوں کی اصلاح کر دی، عقائد کی بھی، اخلاق کی بھی، قوانین کی بھی۔ اُس نے زمین کا سارا انتظام بدل ڈالا، اور دنیا اُس کی تعلیم کی برکت سے ایک نئے دَور میں

داخل ہوگئی۔ یقیناً دونوں حالتوں میں بے حد فرق ہے اور ہر غور کرنے والے عقلمند کے لیے ظاہر!

استاذ امام شیخ محمد عبدہ نے وحی کے ثبوت میں جو کچھ کہا ہے، اُسے پوری طرح سمجھے والا، بشرطیکہ علیم وحکیم، فاعل و مختار خدا کے وجود پر ایمان رکھتا ہو، مجبور ہوگا کہ اُن کا بیان بے چون وچرا تسلیم کرے۔ اُنہوں نے ثابت کردیا ہے کہ وحی ورسالت کا وجود، علم وحکمت الٰہی کے لیے عقلی طور پر لازم وناگزیر ہے، کیونکہ وہ ذات برحق وہی ہے اَلَّذِیْ اَعْطٰی کُلَّ شَیْئٍ خَلْقَہٗ ثُمَّ ھَدٰی جس نے ہر چیز کو قاعدہ سے بنایا اور اُس کی رہنمائی کردی ہے۔ یہ بات وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جنہیں علم اجتماع، حکمتِ وجود اُس کے قوانین، اور اصول عقائد میں معلومات کے ساتھ عربی زبان کی بلاغت کا بھی کچھ علم حاصل ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت اِس فلسفہ وبلاغت کی مدد کے بغیر بھی ثابت کی جاسکتی ہے، اور یہی وہ چیز ہے جس نے علماء فرنگ کی عقلوں کو مجبور کردیا ہے کہ آپ کی دعوت کی تصدیق کریں، اور مادّیوں کو مجبور کیا ہے کہ اُسے ایک خاص رنگ میں رنگ دیں جس کی تفصیل وتردید ہم ذیل میں درج کرتے ہیں:

شبہہ کی تفصیل و تردید

پروفیسر نے جس شبہہ کا اجمالاً ذکر کیا تھا، اُسے امیل درمنگم نے اتنی تفصیل سے لکھا ہے کہ دوسرے یورپین اہل قلم کے ہاں اتنی تفصیل موجود نہیں، اسی لیے اس کی تحریر سے بہت مسلمان بھی فریب میں مبتلا ہو گیے ہیں۔

ہمارے حکیم سید جمال الدین افغانی، عیسائی مُناظروں سے فرمایا کرتے تھے "تم نے عہد قدیم (توراۃ) کے چیتھڑوں سے ایک کُرتا تیار کیا ہے اور اُسے مسیح علیہ السلام کے جسم پر منڈھ دیا ہے" اور ہم کہتے ہیں کہ تم نے تاریخ اسلام کو جہاں تک سمجھا ہے، اُس سے ایک کرتا سایا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پر منڈھ دیا ہے۔ میں اس شبہہ کو درمنگم سے بھی زیادہ شرح و بسط کے ساتھ لکھ کر اس کی یہاں تردید کر دینا چاہتا ہوں!

۱۔ درمنگم اور دوسرے علماء فرنگ کہتے ہیں کہ محمدؐ شام کے شہر بصریٰ میں بحیرا راہب سے ملے تھے۔ بحیرا کے بارے میں ان کا بیان ہے کہ وہ نسطوری فرقہ سے تھا اور آریوس کا متبع جو مسیح کی الوہیت اور عقیدۂ تثلیث کا منکر ہے۔ اور یہ کہ ضرور محمدؐ نے اُس سے اُس کے عقیدہ کی تعلیم لی ہوگی۔ بحیرا کی نسبت ان لوگوں کا یہ خیال بھی ہے کہ وہ علم نجوم کا ماہر اور جادوگر تھا اور اُس کا اعتقاد تھا کہ خدا نے ظاہر ہو کر اُسے بتایا ہے کہ آل اسماعیل

کو مسیحی دین کی طرف لانیوالا ایک ہی عنقریب پیدا ہوگا۔ اِسی قدر نہیں بلکہ بعض راہبوں سے ہم نے یہاں تک سنا ہے کہ بحیرا، محمد کا معلم و استاد تھا اور پیغمبری کے بعد بھی آپ کے ساتھ رہتا تھا اور یہ کہ آپ نے شراب محض اِس وجہ سے حرام کی ہے کہ آپ نے معاذاللہ نشہ کی حالت میں اپنے اِس استاد کو قتل کر ڈالا تھا۔ غرضیکہ اسی قسم کی بے شمار تہمتیں اور بہتان ان لوگوں کے ہاں موجود ہیں۔ حالانکہ آپ کی سیرت سے واقف ہر مسلمان جانتا ہے کہ آپ نو برس اور بعض روایتوں کے موجب بارہ برس کی عمر میں اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ شام گیے تھے۔ اِسی موقعہ پر اِس راہب نے آپ کو قریش کے ساتھ اِس حال میں دیکھا تھا کہ ابر کا ایک ٹکڑا آپ کو دھوپ سے بچا رہا تھا۔ چنانچہ اُس نے آپ کے چچا سے کہا کہ یہ لڑکا کچھ اور ہی نکلے گا اور اِسے یہودیوں سے بچانا چاہیے۔ اِسی کے ہم معنی اور بھی روائیتیں ہیں لیکن سب کی سب ضعیف ہیں بجز ترمذی کی روایت کے جس میں بحیرا کا نام نہیں ہے اور جس کے متن میں بھی غلطی ہے لیکن کسی ایک روایت میں بھی یہ نہیں کہا گیا ہے کہ آپ نے بحیرا سے اُس کے عقیدے یا دین کے بارے میں کچھ بھی سیکھا یا سنا تھا۔

۲۔ علماء فرنگ کہتے ہیں کہ ورقہ بن نوفل اُن عربوں میں سے تھا جو عیسائی ہو گیے تھے۔ وہ مسیحیت کا عالم تھا، اور خدیجہؓ کا رشتہ دار تھا

اِس قول سے اُن کی غرض پڑھنے والے کو یہ دھوکہ دینا ہے کہ آپ نے اہلِ کتاب کا علم، ورقہ بن نوفل سے حاصل کیا تھا۔ حالانکہ ورقہ کے بارے میں صحیح طور پر وہی ثابت ہے جو شیخین یعنی بخاری و مسلم وغیرہما نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خدیجہؓ کو جب بتایا کہ میں نے غارِ حراء میں فرشتہ دیکھا ہے تو وہ آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں اور تمام ماجرا اُسے کہہ سنایا۔ وہ بوڑھا اور اندھا تھا، اور کچھ مدت بعد مر گیا۔ یہ ثابت نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس واقعہ کے بعد پھر کبھی اُس سے ملاقات کی ہو (اس بارے میں جو حدیث معتبر ہے، اُسے میں اِس بحث کے آخر میں ذکر کروں گا)

محدّثوں اور مورّخوں نے ورقہ کے بارے میں جو کچھ بھی کہا گیا ہے سب کو جمع کر دیا ہے عام اس سے کہ اس کی روایت صحیح ہو یا نہ ہو چونکہ اُن کا دستور تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہر بات کو جمع کر دیتے تھے۔ لیکن اِن میں سے کسی نے بھی یہ نہیں لکھا کہ ورقہ نے کبھی بھی مسیحیت کی طرف دعوت دی ہو یا اس کے متعلق کچھ لکھا ہو۔

البتہ صرف اِس قدر کہا گیا ہے کہ ورقہ نے جب خدیجہؓ کی زبانی محمد کا ماجرا سنا تو کہا "یہی وہ نبی منتظر ہے جس کی مسیح عیسیٰ بن مریم نے بشارت دی ہے" بعض روایتوں میں یہ بھی مذکور ہے کہ ورقہ زندہ رہا

یہاں تک کہ اُس نے دیکھا کہ بُت پرست لوگ بلالؓ کو اُن کے اسلام کی وجہ سے تکلیفیں پہنچا رہے تھے۔ لیکن یہ شاذ روایت ہے اور حضرت عائشہ کی صحیح روایت کے مخالف ہے جس میں صاف کہہ دیا ہے کہ آغاز وحی کے وقت ورقہ اندھا تھا اور جلد ہی مرگیا۔ بلال کی آزمایش اُس وقت پیش آئی جب اسلام کی دعوت کا اعلان ہوچکا تھا اور لوگ اُس میں داخل ہوچکے تھے، یعنی آغاز وحی سے تین سال بعد۔

امیل درمنگم نے وحی کے رُک جانے کا حال غلط لکھا ہے، کیونکہ حدیث سے ناواقفیت کی وجہ سے وہ روایات کے اختلاف سے عہدہ برآ نہ ہوسکا۔ ورقہ کے بارے میں محدثین کی دلچسپی کا سبب صرف اِس قدر ہے کہ وہ جاننا چاہتے تھے کہ ورقہ صحابی ہے یا نہیں، کیونکہ صحابی وہی ہوسکتا ہے جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمان ہونے کی حالت میں دیکھا ہو اگر اُنہیں ورقہ کے بارے میں کچھ بھی معلوم ہوا ہوتا کہ توراۃ یا انجیل کا عالم تھا تو اُسے ضرور لکھتے۔

۳۔ مادّی علماء نے لکھا ہے کہ اسلام سے پہلے عرب میں یہودیت اور مسیحیت پھیل چکی تھی اور بعض فصحاء و شعراء عرب، عیسائی بن چکے تھے مثلاً قُس بن ساعدہ الایادی، اور اُمیّہ بن ابی الصّلت، اور یہ کہ یہ لوگ اہل کتاب کی زبانی سن کر کہتے پھرتے تھے کہ عنقریب وہ نبی ظاہر ہونے والا

ہے جس کی موسیٰ وعیسیٰ وغیرہما پیغمبروں نے بشارت دی تھی۔ توراۃ وانجیل اور دوسرے صحیفوں کی اس بارے میں بعض پیشین گوئیاں ہم نے آیت "اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ" (۷، ۱۵۷۔سورۂ اعراف) کی تفسیر میں نقل کردی ہیں۔

قس بن ساعدہ کا معاملہ یہ ہے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے پہلے ہی مرچکا تھا۔ روایت ہے کہ آپ نے اپنی بعثت سے بہت پہلے اُسے دیکھا تھا۔ وہ سوق عکاظ میں اپنے اونٹ پر بیٹھا ہوا پرتکلف الفاظ میں تقریر کر رہا تھا۔ کہتا تھا "خدا کا ایک دوسرا ہی دین ہے جو تمہارے دین سے بہتر ہے۔ ایک پیغمبر آنیوالا ہے۔ اُس کا وقت تمھارے سر پر آپہنچا ہے۔ مبارک باد ہے اُن کے لیے جو اس پیغمبر کو دیکھیں گے اور اس کی پیروی کریں گے۔ ہلاکت ہے اُن کے لیے جو اُس کی مخالفت کرینگے"۔ اس بارے میں تمام روایتیں ضعیف ہیں لیکن اُن کے تعدد سے معلوم ہوتا ہے کہ معاملہ کی اصلیت ضرور ہے۔

رہ گیا اُمیّہ بن ابی الصَّلْت الثقفی تو وہ مشہور شاعر ہے۔ ابوعبیدہ کہتے ہیں کہ عربوں کا بالاتفاق یہ فیصلہ ہے کہ اُمیّہ، قبیلۂ ثقیف کا سب سے بڑا شاعر ہے۔ زبیر بن بکار کہتے ہیں کہ میرے چچا نے کہا: اُمیّہ نے جاہلیت

میں کتابیں پڑھی تھیں اور عبادت گزاروں کے کپڑے پہن لیے تھے۔ ابراہیم و اسماعیل اور دین حنیفی کا بار بار ذکر کیا کرتا تھا۔ شراب چھوڑ دی تھی بُت پرستی سے دور ہو گیا تھا۔ اُسے خود اپنے نبی ہونے کا لالچ پیدا ہو گیا تھا، کیونکہ اُس نے کتابوں میں پڑھا تھا کہ حجاز میں ایک نبی پیدا ہونے والا ہے، لہذا امید باندھ لی کہ وہ نبی میں ہونگا۔ لیکن جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو اُسے حسد پیدا ہو گیا اور اسلام قبول نہیں کیا۔ بدر میں قتل ہونے والے مشرکوں کا مرثیہ اُس نے کہا جس کا مطلع ہے:

ماذا ببدر فالعقنقل من مرازبة جحاجح

"مرآۃ" میں ابن ہشام سے مروی ہے کہ اُمیّہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آیا تھا، چنانچہ حجاز آیا تاکہ طائف سے اپنا روپیہ پیسہ لے کر ہجرت کر جائے۔ یہیں اُسے غزوۂ بدر اور اُس میں اکابر قریش کے قتل کا حال معلوم ہوا۔ قتل ہونے والوں میں اُس کے دو ماموں زاد بھائی بھی تھے۔ سخت رنجیدہ ہوا۔ اپنی اونٹنی کی ناک کاٹ ڈالی، اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے، اور بہت رویا۔ طائف ہی میں رہ گیا اور مر گیا۔ لیکن اس بارے میں صحیح روایت یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شرید بن عمرو سے اُمیّہ کے شعر پڑھوائے اور فرمایا "قریب تھا کہ اسلام لے آتا"

ساتھ ہی یہ بھی واقعہ ہے کہ اُمیّہ، ابراہیم علیہ السّلام کی حنیفی ملّت پر قائم تھا اُس نے مسیحیت قبول نہیں کی تھی خود کہتا ہے :

کل دین یوم القیامۃ عند اللہ ۔۔۔۔ الا دین الحنیفۃ زور

(قیامت کے دن اللہ کے حضور، حنیفیت کے سوا ہر دین جھوٹا ہوگا!)

۴۔ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے اسلام کو بھی اِن لا مذہبوں نے بہت بڑھایا چڑھایا ہے۔ سلمان، ایران کے باشندے اور آتش پرست تھے۔ پھر بعض راہبوں کے ذریعہ عیسائی ہوگیے اور اُن کے کئی عابدوں کے ساتھ رہے۔ یاہی راہبوں اور دوسرے لوگوں سے انہوں نے سنا کہ عرب میں عنقریب وہ نبی پیدا ہونے والا ہے جس کی بشارت عیسٰی اور دوسرے پیغمبروں نے دی ہے۔ یہ سُن کر عرب کو روانہ ہوئے مگر ظلم د زبردستی کے ساتھ مدینہ کے یہودیوں کے ہاتھ بیچ ڈالے گیے۔ سلمان نے ہی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت ہی کے بعد دیکھا۔ چنانچہ اسلام لے آئے اور اپنے آقا سے معاملہ کر کے آزاد ہوگیے۔ اِن کے حالات میں بہت سی متضاد روایتیں آئی ہیں، لیکن درمنگم وغیرہ کا مقصود یہی ہے جو ہم نے بتا دیا ہے۔

۵۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ قریش، جاڑے میں یمن کا سفر کرتے تھے اور گرمی میں شام کا۔ اِن ملکوں میں قریش خانقاہوں میں عیسائی پادریوں اور راہبوں سے ملتے تھے، جو انہیں ماتے تھے کہ عنقریب

عرب میں ایک نبی پیدا ہونیوالا ہے۔
۱۔ درمنگم کتاب ہے کہ خود مکہ میں بعض یہودی اور عیسائی موجود تھے، لیکن سب کے سب غلام اور نوکر تھے۔ سردارانِ قریش انہیں اجازت نہیں دیتے تھے کہ عرب کے بتوں کے مقدس حرم، مکہ میں رہیں۔ چنانچہ مکہ کے اطراف میں رہتے تھے "کعبہ سے دور اور صحراء سے قریب مکانوں میں" یہ لوگ اپنے دین کی باتیں بیان کیا کرتے تھے جو سردارانِ قریش کے کانوں تک پہنچتی نہ تھیں یا وہ اُن کی پروا نہ کرتے تھے کیونکہ اِسی قسم کی باتیں وہ اپنے بکثرت سفروں میں بھی سنا کرتے تھے۔ لیکن درمنگم نے لکھا ہے کہ ابوسفیان نے امیہّ بن ابی الصلت کو اِس بات پر ملامت کی تھی کہ وہ اِس پیغمبری کے بارے میں راہبوں کی گفتگو کا چرچا کیوں کرتا رہتا ہے؟

یہ مقدمات، یورپین اہل قلم اِس لیے بیان کرتے ہیں کہ اپنے طریقۂ استنباط اور بزعم خود تحلیل تنقید پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوائے نبوت کو پرکھیں اور اُس کی تعلیل و توجیہہ کریں۔ ساتھ ہی وہ اور مقدمات بھی پیش کرتے ہیں جن میں آپ کی نفسی و ذہنی کیفیت اور آپ کی قوم کی حالت پر گفتگو کرتے ہیں۔ ہم اِسی بحث کے ساتھ اِن تمام مراحل کا بھی خلاصہ یہاں پیش کیے دیتے ہیں:

۷۔ درمنگم نے آپ کے دادا عبدالمطلب کی وفات کے بعد ابوطالب کی سرپرستی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ ابوطالب، مالدار نہ تھے اس لیے بچہ (محمدؐ) کو تعلیم نہ دے سکے اور وہ زندگی بھر اَن پڑھ ہی رہ گیا (یہ کہہ کر لوگوں کو اس وہم میں مبتلا کرنا مقصود ہے کہ مکہ میں مالداروں کے لڑکے، تعلیم حاصل کیا کرتے تھے، گویا وہاں مہذب ملکوں کی طرح مدرسے موجود تھے جن میں لڑکے فیس دیکر پڑھا کرتے تھے، حالانکہ یہ محض بے بنیاد ہے)

۔ اس کے بعد کہتا ہے "لیکن ابوطالب اپنے اس بھتیجے کو سوداگری کے سفروں میں ساتھ لے جاتے تھے۔ قافلے، صحراء میں چلتے اور عظیم الشان مسافتیں طے کرتے تھے۔ بچہ (محمدؐ) ساتھ ہوتا اُس کی خوبصورت آنکھیں مَدْیَن، وادیُ القریٰ، اور ثمودؔ کی ویران آبادیوں کے کھنڈر دیکھتیں۔ اُس کے کان، جو ہمہ وقت عربوں اور بدویوں کی باتیں سننے کے لیے مستعد رہتے تھے، اِن مقامات کے حالات سنا کرتے۔ کہا جاتا ہے کہ محمدؐ نے اپنے اِنہی شامی سفروں میں سے ایک سفر میں بحیرا راہب کو شہر بُصریٰ کے اطراف میں دیکھا اور اُس سے ملا، اور یہ کہ راہب نے اُس میں نبوت کی وہ علامتیں موجود پائیں جو کتابوں میں لکھی ہیں۔ شام ہی میں محمدؐ نے رومی افواج کو، پادریوں کو، اتنا پرستاروں کو دیکھا اور معلوم کیا کہ آتش پرست ایرانی، رومی عیسائیوں کے دشمن ہیں اور اُن کی گھات

میں لگے ہوئے ہیں۔[1]

درمنگم نے یہ جو کچھ کہا ہے، محض اُس کے اپنے دماغ کی پیداوار ہے، بحیرا راہب کے معاملے کی اصلیت صرف اتنی ہی ہے جو ہم بیان کر آئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ درمنگم نے ایسی یہ بات ثابت کرنے کی اس لیے کوشش نہیں کی کہ وہ جرتج کے بہتانوں سے واقف ہے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا کے ساتھ تجارت کے سلسلے میں جب شام گئے، تو جیسا کہ بتایا جا چکا ہے، بچے تھے اور ابوطالب نے اُنہیں سفر پورا ہونے سے پہلے ہی واپس کر دیا تھا۔ اس کے بعد آپ خدیجہ کی سوداگری کے سلسلے میں صرف ایک مرتبہ شام گئے۔ اس دفعہ آپ جوان تھے۔ لیکن اِن دونوں موقعوں پر آپ بُصریٰ کی منڈی سے آگے نہیں بڑھے۔

پھر جو قافلے شام جاتے ہیں، مدیَن سے نہیں گزرا کرتے تھے جو سرزمین سینا میں واقع ہے۔ یہ تجارتی قافلے عربوں یا بدویوں سے مقامات کے حالات اور اُن کی تاریخ پر بحث کرنے میں اپنا وقت ضائع نہیں کیا کرتے تھے۔ یہ بھی ثابت نہیں ہوا کہ عرب تاجر عیسائی پادریوں سے ملتے ہوں اور اُن کے مذہب اور کتابوں کے بارے میں گفتگو کیا کرتے ہوں۔ ایسی صورتِ حال میں محمدؐ کی نسبت بھی خیال نہیں کیا

جاسکتا کہ اپنی تجارتی زندگی میں قوموں کے حالات، اُن کی تاریخ، مذاہب، اور کتابوں کی چھان سال میں رہتے اور اُس کے مذہبی پیشواؤں سے ملتے اور مباحثے کیا کرتے ہوں۔ ورمنگم نے یہ بندش اپنے دل سے اس لیے بنایا ہے کہ قرآن میں پیغمبروں کے جو قصے آئے ہیں اور ایرانیوں پر رومیوں کے غلبہ کی جو پیشین گوئی کی گئی ہے، اس کی کوئی توجیہ اُس کی سمجھ میں آ سکتی تھی۔ عنقریب ہم دکھا دیں گے کہ ورمنگم کی یہ تمام تعلیل و تحلیل، اور بناوٹ کیا وقعت رکھتی ہے۔

۸۔ اس کے بعد ورمنگم نے کہا ہے کہ سوداگری یا جنگ سے فارغ ہونے کے بعد عرب خصوصاً مکہ کے باشندے اپنا زیادہ تر وقت شراب خواری اور بدکاری وغیرہ میں صرف کیا کرتے تھے۔ تاریخ شاہد ہے کہ محمدؐ اُن کی یہ حرکتیں دیکھتے تھے مگر اُن میں کبھی شریک نہ ہوتے تھے، اس لیے نہیں کہ فقیر اور تنگ دست تھے۔ ورمنگم کہتا ہے "لیکن محمد کے دل کو یہ لگن لگی ہوئی تھی کہ چشم عبرت سے سب کچھ دیکھیں، سب کچھ سنیں، سب کچھ جانیں۔ چونکہ اُس تعلیم سے محروم رہے تھے جو اُن کے ہم عمروں کو ملی تھی، اس لیے شاید انہیں علم و معرفت کا اور بھی زیادہ شوق ہوگیا تھا۔ وہ عظیم الشان شخصیت جس کے آثار بعد میں ظاہر ہوئے اور جس کا اقتدار آج بھی دنیا میں قائم ہے، کمال کی تلاش میں اس پست لہو و لعب

سے بیزار تھی جس میں مکہ والے ڈوبے ہوئے تھے۔ وہ تو زندگی کے اُس نور کی متلاشی تھی جو جملہ مظاہر حیات سے ان لوگوں کی چشم حقیقت بیں کے لیے عیاں ہے جنہیں خدا نے اُس کے دیکھنے کی قوت بخشی ہے۔ یہ بات بھی درمنگم کی ایجاد ہے۔ محمدؐ کو ہرگز شوق نہ تھا کہ مکہ والوں کا فسق و فجور دیکھیں یا سنیں یا جائیں۔ صحیح طور پر ثابت ہے کہ آپ صرف دو مرتبہ اُن کی رات کی صحبتیں دیکھنے کے لیے گئے تھے مگر دونوں مرتبہ خدا نے آپ کی آنکھوں پر نیند طاری کر دی۔ آپ بے خبر سو گئے یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور آپ یہ کچھ دیکھ سکے نہ سن سکے اِس تفصیل سے درمنگم کا بیان کردہ یہ فرضی واقعہ باطل ہو جاتا ہے جس میں اگرچہ تعریف ہے لیکن اِس تعریف میں دو فریب چھپے ہوئے ہیں :

۱۔ یہ کہ آپ کے قریش ہم عصر تعلیم یافتہ تھے اور آپ تعلیم سے محروم تھے، اور اِسی محرومی کی وجہ سے آپ کو جستجو و تلاش زیادہ ہو گئی تھی۔

۲۔ اِسی سبب سے آپ کی طبیعت کو بے حد رغبت ہو گئی تھی کہ زندگی کے جملہ جلووں کی اصلیت تک پہنچیں۔ اِس تعریف سے درمنگم کی غرض یہ ہے کہ آپ کی وحی کا معاملہ ایک خاص رنگ میں رنگ

دیا جائے۔ لیکن اِس کا بطلان بھی عنقریب ظاہر ہو جائے گا۔

۹۔ ورمنگم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزندوں، قاسم، طیّب طاہر کا بھی ذکر کیا ہے۔ اُسے اِن کے وجود میں شک ہے۔ کہتا ہے کہ آپ کی کنیت "ابوالقاسم" (قاسم کے باپ) اِس بات کی دلیل نہیں ہے کہ آپ کا کوئی لڑکا بھی اِس نام کا موجود تھا۔ اور اگر ثابت ہو جائے کہ آپ کے لڑکے پیدا ہوئے تھے، تو وہ سب کے سب طفولیت ہی میں فوت ہو گئے تھے۔ اِس بارے میں تحقیق یہ ہے کہ آپ کا ایک لڑکا تھا جس کا نام قاسم تھا، اور اِسی سے آپ کی کنیت، ابوالقاسم ہوئی۔ وہ طفولیت ہی میں فوت ہو گیا تھا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ قاسم، بڑا ہو کر مرا یہاں تک کہ گھوڑے پر سوار ہونے لگا تھا، اور یہ کہ طیّب و طاہر اِسی لڑکے کے لقب ہیں۔ لیکن ورمنگم نے اِن لڑکوں کی موت کے واقعہ کو جن کے وجود میں خود اُسے بھی شک ہے، بہت اہمیت دیدی ہے اور اِس پر ایک عجیب وہم کا قلعہ بنا ڈالا ہے۔ وہ لیے قارئین میں یہ خیال پیدا کرا چاہتے ہیں کہ اولاد کی محرومی پر چونکہ آپ سے صبر نہ ہو سکا، اِس لیے زید بن حارثہ کو اپنا لڑکا بنا لیا تھا۔

چنانچہ کہتا ہے:

"مؤرخ کو چاہیے کہ اِس واقعہ پر ملکہ اُن تین حیثیتوں پر غور

کرے جو محمدؐ کو اپنی اولاد کی وجہ سے مصیبتیں آئیں اور جن کا اثر اُن کی زندگی اور ذہنیت پر ہونا ضروری تھا۔ یہ اس لیے بھی کہ محمدؐ اُمّی تھے اور ماحول و معاشرے انہیں واقعات سے عبرت و سبق حاصل کرنے سے روک نہیں سکتے تھے۔ دردناک واقعات، جیسے اولاد کا مرجانا، تو یہ واقعہ ایسا تھا جو اُن کے دماغ پر گہرا اثر ڈالے بغیر نہیں رہ سکتا تھا پھر یہ واقعات محمدؐ کو بتوں سے بھی بیزار کرنے والے تھے۔ خدیجہ، کعبہ کے بتوں پر چڑھاوے چڑھاتیں اور ہُبَل، لات، عُزّیٰ، اور مَنات کے سامنے قربانیاں پیش کیا کرتی تھیں کہ بے اولادی کے رنج سے نجات پائیں، مگر ان چڑھاووں اور بھینٹوں سے کوئی فائدہ بھی حاصل نہ ہوتا تھا۔

"بلاشبہ یہ واقعہ ہے کہ وہاں عرب میں عیسائیت کے دباؤ سے، جس کے دھارے شام، روم، یمن، اور حبش سے بہتے چلے آرہے تھے، بت پرستی کی بنیادیں ہلنا شروع ہو گئی تھیں"

درمنگھم نے ان لڑکوں کی موت کو، جن کی پیدائش بھی مشتبہ ہے اس قدر اس لیے بڑھا دیا ہے کہ اپنے دل سے گھڑ کر یہ افسانہ باور کرائے کہ خدیجہؓ، نرینہ اولاد پانے کے لیے بتوں سے منتیں مانتی تھیں۔ پھر اس فلسفہ سے یہ نتیجہ نکالے کہ بتوں کے ذریعہ چونکہ کوئی مراد بر نہ آئی، اس لیے خدیجہؓ اور اُن کے شوہر محمدؐ کی عقیدت ایسے خیالات کے زیر اثر بتوں سے کمزور

ہو گئی تھی۔ پھر اس پرپیچ طریقہ سے وحی محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیل وتوجیہہ بیان کرے ۔ حالانکہ حق یہ ہے کہ آپ نے زید کو صرف اس وجہ سے متبنیٰ کیا تھا کہ انہوں نے اپنے باپ اور چچا کے ساتھ آزاد رہنے پر آپ کی غلامی کو ترجیح دی تھی۔ اُن کے والد اور چچا مکہ آئے تھے تاکہ فدیہ دے کر انہیں آزاد کرائے جائیں۔ آپ نے فرمایا کہ "زید کو بلاؤ اور اختیار دیدو۔ اگر تمھارے ساتھ جانا پسند کرے تو لیے بغیر فدیہ کے لے جاؤ" چنانچہ زید بلائے گئے اور انہوں نے اپنے باپ اور چچا کو پہچان لیا۔ آپ نے فرمایا "تم مجھے اور میرے برتاؤ کو اچھی طرح دیکھ چکے ہو۔ تمھیں اختیار ہے کہ میرے ساتھ رہو یا اپنے باپ کے ساتھ چلے جاؤ"۔ زید نے جواب دیا "میں آپ کے مقابلہ میں کسی کو بھی ترجیح دے نہیں سکتا۔ آپ میرے لیے باپ اور چچا کی جگہ ہیں!" زید کے باپ نے کہا، تیرا برا ہو، غلامی کو آزادی پر اور اپنے باپ، چچا، اور خاندان پر ترجیح دیتا ہے؟ زید نے کہا، اس شخص نے (یعنی محمدؐ نے) میرے ساتھ وہ کیا ہے کہ اس کے مقابلہ میں کسی کو میں پسند نہیں کرسکتا! رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جب یہ دیکھا تو انہیں لیکر حجر میں گئے اور لوگوں سے پکار کر فرمایا "گواہ رہو کہ زید میرا بیٹا ہے۔ وہ میرا وارث بنے گا اور میں اس کا وارث بنوں گا!" اُن کے والد اور چچا نے جب یہ دیکھا تو خوش ہو گئے (ابن سعد کی یہ روایت ہے

اور سیرت ابن اسحاق میں بھی اسی طرح ہے)
محمد صلے اللہ علیہ وسلم اپنے لڑکے یا کسی اور کی موت پر پریشان
نہیں ہوا کرتے تھے، بلکہ حد درجہ کے صابر تھے۔ قاسم کی موت کے بعد
بھی خدیجہ ناامید نہیں ہو گئی تھیں کہ خدا انہیں اور کوئی لڑکا نہ دے گا
انہوں نے کبھی بتوں کے لیے قربانی نہیں کی۔ لات، طائف میں ایک
چٹان کا نام تھا جس کی قبیلہ ثقیف پرستش کرتا تھا اور وہ قریش کا
نہ تھا۔ عُزّیٰ، نخلہ کی سرزمین میں ایک درخت کا نام تھا جس کی قرا
کنانہ، اور غطفان پوجا کرتے تھے۔ مَناۃ، بنی ہلال، ہُذیل، اور خزا
کا بُت تھا۔ ورمنگم نے اُس زمانہ میں بت پرستی کے کمزور ہونے کا
ذکر کیا ہے ۔۔۔ اور جس کا سبب اُس کے زعم میں مسیحیت ہے ۔۔۔
بت پرستی کی اس کمزوری کا نتیجہ تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ خدیجہ، جو عورتوں
سب سے زیادہ دانشمند، سب سے زیادہ سلیم الفطرت، اور طریق ارا
سے قریب تر تھیں، بتوں سے بیزار ہوتیں، اور لڑکے کی امیدیں
اُن پر چڑھاوے چڑھاتیں نہ قربانیاں کرتیں۔ اور اگر اُن کی عقل
فطرت کا یہ تقاضا نہ تھا تو اُن کے شوہر محمد مصطفیٰ کی مثال ہی نہ
کہ اُنہیں اس طرح کی بات سے روکتے، کیونکہ وہ جیسا کہ خود درمنگم
بھی اعتراف ہے، پہلے ہی سے بت پرستی کے دشمن تھے، لیکن نہ

خواہش کی پیروی آدمی کو وہ بات بھی بھلا دیتی ہے جسے عام حالات میں بھول نہیں سکتا۔

۱۰۔ درمنگم کہتا ہے کہ ملک عرب میں مسیحیت کے پھیلنے سے ایک خاص ذہنیت پیدا ہو گئی تھی۔ اور اُس نے عربوں کو اُس حیرمیں بہت زیادہ راغب کر دیا تھا جسے تحنُّث یا تحنُّف کہتے تھے یعنی گوشہ نشینی و عبادت، یہ فرض کرکے وہ کہتا ہے:

"محمد کو تحنُّث میں اپنے دل کا سکون و اطمینان حاصل ہوتا تھا کیونکہ وہ تنہائی پسند تھے اور تنہائی کو معرفت حاصل کرنے اور کائنات کے اسباب معلوم کرنے کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ اسی لیے وہ ہر رمضان میں پورے تیس دن کوہ ابوقبیس کے غار میں رہتے تھے۔ تھوڑی سی خوراک انہیں پہنچا دی جاتی تھی اور وہ غار میں بیٹھے دنیا کے ہنگاموں اور زندگی کی چہل پہل سے دور غور و فکر و عبادت میں مصروف رہتے تھے۔"

میں کہتا ہوں کہ محدثین کی روایتوں کے بموجب غارِ حرا میں خلوت آپ کو اُسی سال مرغوب ہوئی تھی جس سال آپ پر وحی نازل ہوئی ہے۔ اپنی خوراک آپ خود لے جاتے تھے کوئی اور نہیں پہنچاتا تھا۔ ابن اسحاق نے ہر رمضان میں آپ کا غار میں بیٹھنا جو لکھا ہے، تو اُس سے مقصود وہ زمانہ ہے جب وحی رک گئی تھی جیسا کہ عنقریب بیان کیا جائیگا۔

یہاں پہنچ کر درمنگم اپنے مقدمات کے آخر پر پہنچ گیا ہے جہاں سے اُس کا مطلوبہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے، اسی لیے اُس نے اپنے خیالات کو بے لگام کر دیا ہے، اور مہمیز دیکر دماغ کو مطلق العنان چھوڑ دیا ہے اپنے فرانسیسی شاعرانہ تخیل کو پوری آزادی دیدی ہے تاکہ غار میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح چاہے تصور کرے، چنانچہ اُس نے راتوں میں آپ کا ستاروں کو دیکھنا، دن میں سورج کو مشاہدہ کرنا، بلند پہاڑ کی چوٹی پر سے ریگستانوں اور بیابانوں پر نظر دوڑانا، خیمے اور کوئیں دیکھنا چرواہوں کا اپنے گلوں کو بے چھوڑ چھوڑ کر کھلا فرض کر لیا ہے، حالانکہ وہاں درختوں کا نشان بھی نہیں، بلکہ اس شخص نے سمندروں تک کا ذکر کر دیا ہے، حالانکہ وہاں سمندر کہاں؟ عرصہ کے شاعرانہ تخیل مکمل ہے، اگرچہ جو دُشمن مقام کی کوئی سروکار نہیں جس کی تصویر اُتارنا چاہتا ہے

درمنگم اپنی خواہش کے مطابق سب کچھ فرض کر کے کہتا ہے

"صحراء کی رات میں ستارے بے حد و حساب روشن ہوتے ہیں اتنے روشن کہ آدمی کو ایسا معلوم ہوتا ہے گویا اُن کے نور کے چلنے کی آواز سن رہا ہے، گویا وہ دہکتی ہوئی آگ کے آتشیں لمحے ہیں،

بے شک، سمجھنے والوں کے لیے آسمان میں نشانیاں ہیں۔

اُس جہاں میں عجیب ہے، بلکہ خود پورا جہاں، عجیب ہے۔ لیکن کتنے آدمی

ہیں جو آنکھیں کھولیں اور دیکھیں ؟ اپنے کان آمادہ کریں اور سنیں ؟ ہاں، حق کو دیکھیں اور لازوال صدائیں سنیں ! افسوس، لوگ آنکھیں رکھتے ہیں جو دیکھتی نہیں کان رکھتے ہیں جو سنتے نہیں ۔ لیکن محمدؐ کو یقین ہے کہ وہ سنتے اور دیکھتے ہیں۔ آسمان کے پرے کی آوازیں سننے کے لیے تمھیں کیا اس کے علاوہ کسی اور چیز کی بھی ضرورت ہے کہ تمھارے سینہ میں قلبِ خالص اور نفسِ مخلص موجود ہو اور اس کا دل حوایماں سے لبریز ہوچکا ہے ؟

"محمدؐ کو لوگوں کی دانائی میں شک پڑتا ہے، لہٰذا وہ صاف وخالص حق ہی جاننا چاہتے ہیں جس سے باطل کو دور کا بھی لگاؤ نہیں وہ صرف حق ہی کے ساتھ زندہ رہ سکتے ہیں، مگر اپنے گردوپیش کہیں حق نہیں دیکھتے۔ قریش کی زندگی، حق نہیں ہے۔ سودخواروں کا سود، بدوؤں کی لوٹ، بے شرموں کی بدمعاشیاں، یہ چیزیں بھی حق نہیں ہیں۔ کعبہ میں ہجوم کرنے والے بت بھی حق نہیں ہیں۔ ہُبَل، وہ لمبی داڑھی اور معطر کپڑے پہننے والا دیوتا بھی حق نہیں ہے

"پھر حق کہاں ہے اور کیا ہے ؟

"محمدؐ، غارِ حرا میں لگاتار کئی سال ہر رمضان میں آکر بیٹھتے رہے۔ یہاں وہ خیالات میں اس قدر ڈوب جاتے تھے کہ خود اپنے

آپ کو بھی بھول جاتے تھے۔ ایسا کہا، بھول جاتے تھے۔ دنیا و مافیہا کو بھول
جاتے تھے، کیونکہ دنیا میں انہیں کہیں حق دکھائی نہیں دیتا تھا۔ ہار
غار میں بیٹھ کر وہ اپنی کتابِ دل کی ورق گردانی کرتے تھے، اور دوگزار
کی روشنی سے اُن کی بیداری بڑھتی چلی جاتی تھی۔ انہیں یہ امید کم
نہیں ہو سکتی تھی کہ احبار و رہبان کے قصّوں اور کتابوں میں حق ہے؟
مگر اس حق کی انہیں تلاش تھی وہ اسی عالمِ کون میں مل سکتا تھا
جو انہیں ہر طرف سے گھیرے ہوئے تھا۔ وہ حق آسمانوں میں، ستاروں
میں مل سکتا تھا، تپش میں مل سکتا تھا، تپتے ہوئے ریگستان پر
مل سکتا تھا جس پر سورج بے پردہ زور سے اُس پر چمکتا ہے، یا جب
چاند اور ستاروں کی ٹھنڈی روشنیاں اُس سے لپٹنے کو نیچے اُترتی
ہیں۔ وہ حق، سمندر میں اور اُس کی موجوں پر مل سکتا تھا۔ ہر اُس
چیز میں مل سکتا تھا جو بحر سے ملی ہوئی اور وحدۃ الوجود میں شامل ہے
——— محمد اسی عالمِ کون میں حقیقتِ عُلیا کے متلاشی تھے، اور اسی
دُھن میں اتنے پکّے تھے کہ اپنی خلوت کی گھڑیوں میں بلند ہو کر اس عالم
کون سے مل جاتے اور اُس کے پردے چاک کر کے سربستہ رازوں
تک پہنچ جاتے تھے،،

اس کے بعد درمنگم کہتا ہے "تقریباً ۶۱۰ء میں محمدؐ کی وحی

اُلجھن اپنی آخری حد کو پہنچ چکی تھی۔ اِس یقین نے اُن کے دل کو سخت پریشانی میں ڈال دیا تھا کہ کوئی اصلی چیز ایسی ہے جس سے وہ خود اور اُن کی قوم محروم ہے، سب لوگ اِس اصلی چیز کو بھول چکے ہیں، اور ہر ایک اپنی قوم یا قبیلہ کے بُت پر جھکا ہوا ہے۔ لوگ جنوں اور بھوتوں سے ڈرنے لگے ہیں، مگر برتر حقیقت کو پسِ پشت ڈال چکے ہیں۔ شاید اُنھوں نے اِس کا انکار نہیں کیا ہے، لیکن اِسے بالکل بھول چکے ہیں اور اِس کے بھول جانے ہی میں روح کی موت ہے۔ محمدؐ کا ذہن اُن تمام خرافات سے پاک ہو چکا تھا، اُن تمام قوتوں سے باغی ہو چکا تھا جو ماسوا کے آگے جھکتی ہیں، ہر اُس چیز سے الگ ہو چکا تھا جو اُس واحد و احد وجود کا مظہر نہیں ہے۔

"محمدؐ کو معلوم تھا کہ شام اور مکہ میں رہنے والے عیسائیوں کا دین آسمانی ہے۔ وہ جانتے تھے کہ قوموں میں پیغمبر آتے رہے ہیں، خدا کا پیغام اُن پر نازل ہوا تھا۔ اُنہوں نے حق کو جانا اور اپنے نبیوں کی زبان سے سیکھا تھا۔ یہ بھی معلوم تھا کہ جب جب لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں، خدا کی طرف سے اُن کی ہدایت کو پیغمبر آتے اور اُنہیں راہِ راست پر لا دیتے ہیں اور یہ کہ دینِ الٰہی جسے ہر زمانہ میں پیغمبر لاتے رہے ہیں ایک ہی ہے اور جب کبھی اُس میں فساد پیدا ہو جاتا ہے، تو آسمان

سے بیمبر آکر اُسے دور کر دیتے ہیں۔ عربوں کی گمراہی حد کو پہنچ کر
اور محمدؐ کے دل میں بار بار خیال پیدا ہوتا تھا کیا ابھی وقت نہیں
اللہ کی رحمت، عربوں میں پھر نازل ہو اور حق کی طرف اُن کو
کر دے؟

محمدؐ کو لوگوں کے میل جول سے بے رغبتی بڑھتی گئی۔ غار کی تنہا
اُن کے دل کی خوشی زیادہ گہری ہوتی گئی۔ تھوڑا سا کھانا لیکر وہ کئی کئی
تک وہاں رہنے لگے اور مراقبہ، گشتی، رات بیداری، اور ذہنی ورزش
کی روح تیز دروش ہوتی چلی گئی۔ رات، دن، خواب، بیداری کو
بھی یاد رہی۔ غار میں گھٹنوں سر جھکائے بیٹھے رہتے، یا دھوپ
آکر لیٹ جاتے یا ریگستان میں تیز تیز چلا کرتے۔ انہیں ایسا معلو
پہاڑ کی چٹانیں، بول رہی ہیں۔ پکار رہی ہیں۔ اپنے ایمان کا اقرار کر

"اسی حال میں چھ مہینے گزر گئے، حتیٰ کہ محمدؐ کو اپنی جا
پیدا ہو گیا۔ خدیجہ سے یہ اندیشے بیاں کیے۔ اُنہوں نے اطمینا
کہ آپ امین ہیں۔ جن اور بھوت آپ کے قریب آ نہیں سکتے
دن جبکہ محمدؐ غار میں سو رہے تھے، فرشتہ آگیا اور کہنے لگا
اُنہوں نے جواب دیا، میں پڑھنا نہیں جانتا۔ وحی اور نبوت
آغاز تھا۔

"اب ایک نہایت ہی زبردست روحانی جدّت کی زندگی شروع ہوتی اور نگاہوں کو خیرہ اور عقلوں کو دنگ کر دیتی ہے، لیکن یہ اللہ کے لیے، حق کے لیے، انسانیت کے لیے بے لاگ قربانی کی زندگی تھی،،

میں کہتا ہوں کہ درمنگم نے یہ جو کہا ہے، اُس کا بیشتر حصہ غلط ہے۔ اِس فرانسیسی عالم نے کیونکر جانا کہ محمد کو رات یاد رہی تھی نہ دن۔ خواب نہ بیداری، اور یہ کہ آپ نے اِسی حال میں چھ مہینے گزارے تھے ــــ یہ اور اِسی طرح کی تمام باتیں، من گھڑت ہیں اور یہ دھوکہ باور کرانے کے لیے بنائی گئی ہیں کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کا دماغ قابو میں نہ رہا تھا، اور بے خودی چھا گئی تھی۔

ہم یہاں غار میں آپ کی عبادت کے بارے میں صحیح ترین روائتیں نقل کرتے ہیں۔ یہ روائتیں صرف وحی والے سال کے رمضان سے متعلق ہیں، کیونکہ اِسی رمضان میں آپ غار میں جایا کرتے تھے ــــ تاکہ درمنگم کے جھوٹ کی قلعی کھل جائے اور اُن مضطرب روایتوں سے بے نیازی ہو جائے جو اِس شخص نے آیندہ فصل میں وحی سے متعلق لکھی ہیں۔ ہم جو روایتیں نقل کر رہے ہیں، وہ بخاری اور مسلم دونوں نے اپنی صحیح میں روایت کی ہیں۔ بخاری

رضی اللہ عنہ کی روایتوں کے لفظ حسب ذیل ہیں!
باب، رسول اللہ صلعم پر کس طرح وحی کا آغاز ہوا؟
بخاری نے یہ باب بلکہ پوری کتاب اس حدیث سے شروع
کی ہے انّما الاعمال بالنیّات، (عمل کا اعتبار نیت ہی سے ہے)
اس کے بعد وہ کہتے ہیں،
"ہم سے عبداللہ بن یوسف نے کہا کہ انہیں مالک نے ہشام
بن عروہ کے واسطہ سے خبر دی ہے اور انہوں نے اپنے والد کے
ذریعہ اُم المومنین عائشہ رضی اللہ سے روایت کیا ہے کہ حارث
بن ہشام رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ
اے رسول اللہ، آپ پر وحی(۱) کیونکر نازل ہوتی ہے؟ رسول اللہ

---

(۱) وحی کے معنی عام میں ورنہ لفظ وحی کی معنی کی موافقت کے ساتھ معنی دلیرے
علو حاصل موسے کی کئی صورتوں کے لیے بولا جاتا ہے اسی میں رویائے صادقہ ہے دل میں
کسی بات کا آجانا ہے الہام ہے فرشتہ کا القاء ہے وحی کے خاص معنی کلام میں اللہ تعالیٰ
الٰہی کی تین قسموں میں سے ایک ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں درج ہیں وَمَا كَانَ
لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا
يَشَاءُ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ (کسی آدمی کے لیے یہ نہیں کہ خدا اس سے گفتگو کرے، مگر الہام کے
طور پر یا پردے کے پیچھے سے یا کسی فرشتے کو بھیجے جو اس کے حکم سے وحی کرے جو اللہ چاہے اور
حکمت والا) مذکورہ الاحادیث بخاری میں پہلی قسم اور تیسری قسم کا ذکر ہے رہ گئی دوسری قسم
یعنی پردے کے پیچھے سے خدا کا براہ راست بات کرنا تو یہ معاملہ (باقی صفحہ ۱۰۳ پر)

صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا "کبھی گھنٹی[2] کی آواز کی طرح آتی ہے اور یہ سب سے زیادہ سخت ہوتی ہے جب فرشتہ الگ ہوتا ہے تو میں اُس سے سب کچھ سمجھ چکا ہوتا ہوں۔ کبھی فرشتہ آدمی[3] کی صورت میں مجھے دکھائی دیتا ہے مجھ سے کہتا ہے اور میں اُس کا کہنا سمجھ لیتا ہوں" عائشہ رض کہتی ہیں میں نے سخت جاڑے میں آپ پر وحی نازل ہوتے دیکھی ہے۔ وہ ختم ہوتی تھی اور آپ کی پیشانی سے

(باقی صفحہ ١٠٢ کا)

ہے کہ ... شب معراج میں نبی صلعم کو پیش آیا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کو بھی پیش آیا تھا ان تین قسموں کے سوا ... عام کو خدا کا تسلیمی درجہ میں شمار کیا جاتا۔ رویائے صادقہ اور الہام پیغمبر کو بھی حاصل ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی۔

(۲) اس تشبیہ سے مقصود یہ ہے کہ ویسی آواز سنائی دیتی تھی جیسی گھنٹی کی ہوتی ہے ... میں صرف آواز ہوتی ہے گرجروں سے مرکب کوئی بات نہیں ہوتی شاید اس کی وجہ یہ تھی ... حالانکہ پاس موجود ہوتے تھے اگرچہ آواز سنتے وقت آپ انہیں دیکھتے رہتے۔ یہ حالت سب سے زیادہ سخت اس لیے ہوتی تھی کہ بقول حکیم ابن خلدون، اس صورت میں جسمانی بشریت سے نکل کر ملائکہ کی روحانی حالت میں منتقل ہونا ہوتا تھا برخلاف اس کے دوسری صورت وہ ہے جس میں فرشتہ اپنی خالص روحانیت سے جسمانی بشریت میں آجاتا تھا۔

(۳) آدمی کی صورت میں اس لیے کہ فرشتہ، عقل وارادہ والی روح ہے اور مادّے میں تصرّف کی قوت رکھتا ہے وہ مادے کی جو صورت چاہے اختیار کرسکتا ہے موجودہ زمانہ کے علم ... نے اس تصرّف کو ہمارے تصوّر سے زیادہ قریب کر دیا ہے۔ اُس سے ثابت ہے کہ ہر مادّہ ... ثابت سے لطافت کی طرف چلا جاتا ہے۔ اور یہ بات حرارت کی قوت سے پیش آتی ہے سب سے زیادہ قوی، بجلی کی حرارت ہے، لیکن فرشتہ بجلی میں بھی جس طرح چاہتا ہے تصرّف کرلیتا ہے اس معنی کو ہم نے آیت ولما جاء موسیٰ لمیقاتنا وکلمہ ربہ (۷، ١٤٣) کی تفسیر میں بیان کیا ہے (دیکھو تفسیر جلد ۹ صفحہ ١٤٣ ـ ١٦٧)

پسینہ بہتا ہوتا تھا"[1]

"یحییٰ بن بکیر نے ہم سے بیان کیا کہ لیث نے عقیل وابن شہاب و عروہ بن الزبیر کے واسطہ سے روایت کیا ہے کہ عائشہ اُمّ المومنین نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز اس طرح ہوا سب سے پہلے آپ سوتے میں سچے خواب[2] دیکھنے لگے۔ جو خواب دیکھتے، صبح کی روشنی کی طرح صاف سچا نکلتا۔ پھر آپ کو خلوت پسند ہو گئی۔ چنانچہ غارِ حراء میں جاتے اور لگاتار کئی کئی دن عبادت کیا کرتے۔ آپ اپنا کھانا ساتھ لے جاتے تھے۔ جب ختم ہو جاتا تو خدیجہ کے پاس واپس آتے اور کھانا لے جاتے، یہاں تک کہ غارہی میں حق آنازل ہو گیا۔[3] فرشتہ آیا اور کہنے لگا "پڑھو" آپ نے فرما

(۱) علامہ ابن قیم کہتے ہیں کہ اگر نزولِ وحی کے وقت آپ سوار ہوتے تھے تو اُس کی شدت اور بوجھ سے بیٹھ جاتی تھی۔ ایک مرتبہ وحی اس حال میں اتری کہ راوی، زید بن ثابت کے زانو پر تھا۔ زید کہتے ہیں کہ قریب تھا میرا زانو بوجھ سے کچل
(۲) زیادہ تر خواب، بدہضمی سے پیدا ہوتے ہیں اور بعض اسباب کا نتیجہ ہوتے خواب، مستعد طبیعت کے لیے ایک طرح کا انکشاف ہے جو سوتے میں جبکہ ذہن پاک اور انکار سے دور ہوتا ہے، حاصل ہوجاتا ہے۔ تنزیلِ وحی سے پہلے پیغمبروں کو خواب لیے ہوتے ہیں کہ اُن کا نفس، کلامِ الٰہی قبول کرنے کے لیے آمادہ ہو جائے۔
(۳) صحیحین کی اس روایت سے ثابت ہے کہ یہ معاملہ جاگتے میں پیش آیا اس اہتمام میں ہے کہ جبریل سوتے میں آئے تھے۔ یہ عمرو بن عبید کی مرسل حدیث

میں پڑھنا نہیں جانتا" آپ نے بیان کیا کہ اس پر فرشتہ نے مجھے پکڑ کر زور سے دبوچا[1] اور چھوڑ کر کہنے لگا "اِقْرَأْ"[2] (پڑھو) میں نے کہا "میں پڑھنا نہیں جانتا۔ اُس نے دوبارہ مجھے زور سے دبوچا یہاں تک کہ میں ہلکان ہو گیا۔ چھوڑ کر کہنے لگا "پڑھو" میں نے کہا میں پڑھنا نہیں جانتا۔ اُس نے سہ بارہ مجھے بہت زور سے دبوچا اور چھوڑ کر کہنے لگا "پڑھو" اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ، خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ، اِقْرَأْ وَرَبُّكَ

(باقی صفحہ ۱۰۴ کا)

ہے جو اگرچہ ثقہ میں اور صحابیوں میں سے ہیں، لیکن صحیحین کی روایت ہی مستند ہے بعض محدثین نے دونوں روایتوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ آپ نے فرشتہ کو پہلے خواب میں دیکھا تھا اور یہ ماہ رمضان میں آیا تھا پھر بیداری میں دیکھا، حالانکہ اگر یہ بات خواب میں پیش آچکی ہوتی تو آپ مانوس ہو چکے ہوتے اور بیداری میں دیکھنے کے بعد اس قدر خوفزدہ ہو کر خدیجہ کے پاس نہ پہنچتے۔

(۱) یہ دبوچنا اس لیے تھا کہ آپ کی روحانیت قوی ہو جائے اور آپ فرشتہ سے متصل ہو کر اُس کا خطاب سمجھ سکیں۔

(۲) یہ حکم تکوینی تھا نہ کہ تکلیفی یعنی فرمایا "پڑھنے والا بن جا"، اسی لیے تیسری مرتبہ فرمایا "اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ" یعنی خدا کے نام سے، اُس کے حکم سے، اور محض اُس کی قوت سے نہ کہ اپنی ذاتی قوت سے پڑھنے والا بن جا، کیونکہ خدا جانتا ہے کہ تو اَن پڑھ ہے اور اپنے ارادے و قوت سے پڑھ نہیں سکتا، لیکن اس خدا کو جو یہ بتاتا ہے کہ تو پڑھنے والا بن جائے وہ خدا جس نے انسان کو نطفہ کے لوتھڑے سے پیدا کیا اور ایسا بنا دیا کہ وہ مکمل آدمی ہو کر دیکھتا، سنتا، اور سمجھتا ہے، لہٰذا ایسے ہی خدا کی قوت سے تو بھی پڑھنے والا بن جائے گا تاکہ جو کچھ وحی اُس کے پاس سے آئے تو اُسے لوگوں کے سامنے پڑھ سکے۔

لاکثر مرہ"[1] آپ اس واقعہ کے بعد دھڑکتے دل کے ساتھ حضرت خدیجہ ست خویلد رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے اور فرمایا "مجھے کمبل اڑھاؤ، کمبل اڑھاؤ"، آپ کو کمبل اڑھا دیا گیا۔ جب آپ کا ڈر دور ہو گیا تو آپ نے خدیجہ کو تمام ماجرا سنا دیا اور کہا "مجھے اپنی نسبت بہت ڈر[2] پیدا ہو گیا ہے"۔ خدیجہ نے کہا ہرگز نہیں خدا آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ آپ رشتہ داری کا پاس کرتے ہیں بیکسوں کا بار اٹھاتے ہیں بنی دستوں کی مدد کرتے ہیں مہمان نوازی

(۱) یہاں مختصر ہے اب تفسیر میں اسا اور اضافہ ہے "الذی علم بالقلم علم الانسان ما لم یعلم"

(۲) اس بارے میں علما کا اختلاف ہے کہ آپ کو کس بات کا خوف پیدا ہو گیا تھا بعض نے کہا ہے کہ جنوں کا اندیشہ تھا اور یہ کہ آپ نے خود کہا کہیں وہ جنات نہ ہوں لیکن قاضی ابو بکر ابن عربی نے اس سے انکار کیا ہے حافظ ابن حجر بھی اس انکار میں اُن کے ساتھ ہیں کہتے ہیں کہ یہ حدیث متعدد طریقوں سے روایت ہوئی ہے میں کہتا ہوں کہ حدیث کی عبارت سے یہی بات ظاہر ہوتی ہے لیکن ساتھ یہ اشکال پیش کیا گیا ہے کہ وحی کے ساتھ پیغمبر کو اس بات کا قطعی علم ہو جاتا ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے آئی ہے اور یہ کہ جس کے ذریعہ وحی آتی ہے وہ فرشتہ ہی ہے اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ پیغمبر کو یہ علم اُس وقت ہوتا ہے جب فرشتہ اُس سے اپنا تعارف کرا چکتا ہے، مگر اس پہلے موقع پر فرشتہ کا ظہور صرف اس لیے ہوا تھا کہ آپ اس سے مانوس ہو جائیں اور احکام کی وحی قبول کرنے کے لیے تیار ہو جائیں پڑھنے کا حکم ایک ہی حکم تھا جو تکلیفی نہ تھا کیونکہ آپ پڑھنا جانتے ہی نہ تھے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ آپ کو اپنی موت کا ڈر پیدا ہو گیا تھا یہ زیادہ محتمل ہے اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں جو تکلف سے خالی نہیں۔ بہرحال اس روایت سے ظاہر ہے کہ فرشتہ کو دیکھنے کے بعد آپ سمجھ نہ سکے کہ کیا ہو گئے ہیں اور یہ کہ جسے آپ نے دیکھا ہے وہ فرشتۂ وحی جبرئیل علیہ السلام ہیں اس کی تائید ورقہ کے واقعہ سے بھی ہوتی ہے۔

لوگوں کی مصیبتوں میں کام آتے ہیں"، پھر خدیجہؓ آپ کو ورقہ بن نوفل
ابن اسد بن عبدالعزّیٰ کے پاس لے گئیں، جو اُن کے چچیرے بھائی ہوتے
تھے۔ ورقہ، جاہلیت میں عیسائی ہو گئے تھے۔ عبرانی زباں جانتے
تھے اور انجیل کو عبرانی میں لکھتے تھے۔ وہ بہت بوڑھے اور اندھے
تھے۔ خدیجہؓ نے اُن سے کہا "اے ابن عم، ذرا اپنے بھتیجے کا قصّہ سنو، ورقہ
نے آپ کو مخاطب کرکے کہا "میرے بھتیجے، کیا بات ہے؟" رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا تھا، سنا دیا۔ ورقہ نے کہا "یہی وہ ناموس
ہے جو موسیٰ پر اللہ نے اتارا تھا۔ کاش میں اُس وقت جوان ہوتا، کاش
میں اُس وقت تک زندہ رہتا جب تجھے تیری قوم جلاوطن کر دیگی!"
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کیا میری قوم مجھے نکال دیگی؟"
ورقہ نے جواب دیا "ہاں، جو آدمی بھی ویسی بات لایا جیسی تم لائے ہو، لوگوں
نے اُس سے دشمنی کی ہے۔ اگر میں آپ کے زمانے تک زندہ رہا، تو آپ
کی پوری پوری مدد کرونگا"۔ اِس واقعہ کے بعد ہی ورقہ مر گئے، اور وحی
کا سلسلہ رُک گیا۔

ابن ہشام کی روایت ہے کہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے مجھ سے
بیان کیا کہ جابر بن عبداللہ انصاری نے سلسلۂ وحی کے منقطع ہو جانے کا
واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ نبی صلعم نے فرمایا "میں چلا جا رہا تھا کہ دفعتاً

آسمان پر سے ایک آواز سنائی دی۔ میں نے آنکھ اٹھا دی۔ کیا دیکھتا ہوں
کہ وہی فرشتہ جو غار میں میرے پاس آیا تھا آسمان و زمین کے بیچ میں ایک
کرسی پر بیٹھا ہے۔ میں اس سے مرعوب ہو گیا۔ ڈر گیا۔ میں نے گھر لوٹ کر
گھر والوں سے کہا، مجھے کمبل اڑھاؤ۔ اسی وقت خدا نے یہ وحی نازل
فرمائی "یا ایہا المدثر قم فانذر و ربک فکبر و ثیابک فطہر الخ
اس کے بعد وحی کا سلسلہ جاری ہو گیا[1]۔"

(۱) یعنی تبلیغ کے پورے بیس سال تک وحی کا سلسلہ جاری رہا۔ لیکن وہ حسب
ضرورت تھوڑی تھوڑی نازل ہوا کرتی تھی۔ کبھی کوئی پوری سورۃ ایک دفعہ نازل ہو جاتی
تھی، کبھی متفرق آیتیں نازل ہوتی تھیں۔ کبھی کچھ مدت کے لیے وحی رک جایا کرتی تھی
جیسا کہ سورۃ "والضحیٰ" کے سبب نزول میں روایت کیا گیا ہے۔ یہ روایت در مسلم کی سمجھ
میں نہیں آئی، اسی لیے گمان کر بیٹھا کہ یہ سورۃ، وحی کے رک جانے کے بعد سب سے پہلے
نازل ہوئی تھی حالانکہ احادیث میں وارد ہے کہ اس سے پہلے کئی سورتیں اتر چکی تھیں
اس سورۃ کا سبب نزول صحیحین کی روایت جندب بن سفیان میں یہ بتایا گیا ہے کہ ایک
مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کچھ ناساز ہو گئی تھی، اور آپ نے دو یا تین رات
شب بیداری نہ کی تھی (یعنی نماز و تلاوت سے معذور رہے تھے)، اس پر ایک عورت نے
آپ سے کہا "اے محمد، میں سمجھتی ہوں کہ تمہارے شیطان نے اب تمہارا پیچھا چھوڑ دیا ہے کیونکہ
میں نے اسے تمہارے پاس دو تین راتوں سے نہیں دیکھا"۔ اسی کے جواب میں یہ سورۃ نازل
ہوئی۔ جس عورت نے یہ گفتگو کی تھی وہ ابولہب کی بیوی، ام جمیل بنت ابی سفیان تھی،
جیسا کہ حاکم نے، زید بن ارقم سے روایت کیا ہے۔ یہ واقعہ سورۃ "تبت یدا ابی لہب"
کے نازل ہونے کے بعد کا ہے۔ ابن جریر نے دو مرسل طریقوں سے روایت کیا ہے کہ ایک
مرتبہ جبریل کے آنے میں دیر ہوئی تو آپ بہت ہی زیادہ بے قرار ہو گئے۔ یہ دیکھ کر حضرت
خدیجہؓ نے عرض کیا، میں دیکھتی ہوں کہ آپ کا پروردگار آپ سے ناخوش ہو گیا ہے کیونکہ
آپ اس قدر بے قرار ہو جایا کرتے ہیں، چنانچہ یہ سورۃ نازل ہوئی (اتقان صفحہ ۹، ۱۰، ج ۱)

میں کہتا ہوں کہ بخاری نے سورۂ مُدّثر کی تفسیر میں جابر کی یہ حدیث کئی طریقوں سے روایت کی ہے۔ بعض طریقوں میں آیا ہے کہ اس سورۃ کی ابتدائی آیتیں، اولیں وحی ہے، اور بعضوں میں کہا گیا ہے، جیسا کہ یہاں لکھا گیا کہ یہ وحی کے درمیان میں رک جانے کی حدیث ہوئی ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ آپ نے فرمایا" میں اس قدر ڈر گیا تھا کہ زمین پر گر پڑا"

محدثین کے نزدیک آغاز قرآن کے بارے میں یہی حدیث معتمد علیہ ہے۔ مشہور ہے کہ سورۂ مُدّثر کی اولین آیتوں کے بعد سورۂ مُزمّل پوری نازل ہو گئی تھی اور اس کے بعد سورۂ مُدّثر کی باقی آیتیں نازل ہوئیں مجاہد کہتے ہیں کہ سب سے پہلے سورۂ "والقلم" نازل ہوئی مگر یہ غلط ہے علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ سب سے پہلے سورۂ فاتحہ نازل ہوئی ہمارے شیخ (یعنی مفتی محمد عبدہ) نے بھی اسی روایت کو پسند کیا ہے۔ بلکہ اُن کے نزدیک سورۂ فاتحہ ہی کو سب سے پہلے اترنا چاہیے۔ کہا جاسکتا ہے کہ تمہیدی وحی کے بعد سب سے پہلے جو پوری سورۃ نازل ہوئی، وہ یہی سورۂ فاتحہ تھی۔ اس کے بعد نماز فرض ہوئی اور سورۂ مزمل

(باقی صفحہ ۸ اگلا)

لیکن صحیحین کی مذکورۂ بالا روایت کے مقابلہ میں اس روایت کی کوئی وقعت نہیں اگرچہ حافظ ابن حجر نے یہ کہکر دونوں میں تطبیق دینے کی کوشش کی ہے کہ حدیجہ نے یہ بات ہمدردی کی راہ سے کہی تھی اور اُمّ جمیل نے شماتت کی راہ سے۔

نازل ہوئی یا یہ دونوں سورتیں ایک وقت نازل ہوئیں۔

علماء فرنگ، وحی محمدیؐ کی کس طرح تصویر اتارتے ہیں؟

میں وہ تمام مقدمات بیان کر چکا ہوں جو اِن علماء فرنگ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ، آپ کی نفسی و عقلی کیفیت، آپ کی قوم و وطن کی حالت سے استنباط کیے ہیں۔ یہ بھی بتا چکا ہوں کہ انھوں نے آپ کے سفروں اور غار حراء میں عبادتوں سے کیا کیا قیاسات کیے ہیں۔ ساتھ ہی وحی کی صفت اور اُس کے آغاز و انتہاء، اور آپ کی تبلیغ و دعوت کی ابتداء کے بارے میں صحیح ترین حدیثیں بھی پیش کر چکا ہوں

اب میں بتاتا ہوں کہ اِن لوگوں نے کس طرح فرض کر لیا ہے کہ یہ وحی اُن کے مفروضہ اسباب سے خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل و دماغ سے پھوٹی تھی۔ اِس چیز کو میں عقل سے اِس درجہ قریب کر دکھاؤں گا کہ اِس کی نظیر میں نے کہیں اور نہیں دیکھی، اِس کے بعد عقل و نقل و تاریخ اور صحیح سیرت نبوی کے دلائل سے اِس تمام ہوائی قلعہ کو جڑ سے اکھاڑ پھینکوں گا چنانچہ کہتا ہوں:

اِن لوگوں کا قول ہے "محمد کی ہیولانی عقل نے اپنے ذاتی زور سے دیکھ لیا کہ اُن کی قوم کی بُت پرستی، باطل ہے۔ بت پرستی کا بطلان محمد

کے سوا بعض دوسرے عربوں نے بھی معلوم کر لیا تھا،،
بہت اچھا ماں لیا۔
"آپ کی پاک فطرت نے عربوں کی سودخواری اور قمار بازی کو حقیر سمجھا،،
بہت اچھا، ماں لیا۔
"آپ کی عزت اور ابو طالب کی تنگدستی نے آپ کو عربوں کی شہوت پرستی، شراب خواری، عیاشی سے بچا لیا،،
لیکن یہ قول غلط ہے۔ صحیح یہ ہے کہ آپ نے یہ چیز ناپسندیدگی کی راہ سے چھوڑی تھی نہ کہ مجبوری سے۔
"آپ بہت سوچتے رہے کہ کس طرح عربوں کو اس بُرے شرک سے نکالیں اور کس طرح ان بدکاریوں سے اُنہیں پاک کر دیں،،
خیر کچھ حرج نہیں۔
"آپ کو اپنے سفروں سے فائدہ پہنچا۔ ان سفروں میں اور خود مکہ میں کثرت عیسائیوں سے ملاقات کا موقعہ ملا اور اُن سے بنی اسرائیل کے پیغمبروں کی نسبت بہت سی معلومات آپ نے حاصل کیں جنہوں نے اسرائیلیوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی بخشی تھی،،
یہ چیز ہمارے ہاں ثابت نہیں، مگر اس سے ہمیں کوئی نقصان

بھی نہیں۔

"آپ کو عیسائیوں سے جو معلومات حاصل ہوئیں، آپ کی عقل نے اُنہیں ٹھیک نہیں سمجھا، کیونکہ مسیح اور اُن کی والدہ کی الوہیت کے ذریعہ مسیحیت بھی شرک سے آلودہ ہو چکی تھی اور اُس میں دوسری بہت سی خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں"

یہ دعویٰ پہلے دعوے پر مبنی ہے، معقول ہے مگر مسلّم نہیں۔

"آپ سن چکے تھے کہ پچھلے پیغمبروں کی طرح ایک عرب پیغمبر بھی حجاز میں پیدا ہوگا، جس کی عیسیٰ مسیح وغیرہ انبیاء نے بشارت دی سے یہ خیال آپ کے دل میں جم چکا تھا اور آپ کو امید ہو گئی تھی کہ وہ پیغمبر آپ ہی ہونگے جس کے ظہور کا وقت آچکا ہے"

یہ اوپر کے مقدمات کا ایک استنباط ہے اور اس کی قلعی آگے کھولی جائیگی۔

اِن سب باتوں کا نتیجہ یہ نکالا گیا ہے کہ آپ اپنی منزل مقصود تک اِس طرح پہنچے کہ غار حرا میں بیٹھکر اللہ کی عبادت و توجہ کی۔ اِس سے آپ کا ایمان قوی ہو گیا، ضمیر بلند ہو گیا۔ دماغ میں وسعت پیدا ہو گئی بصیرت کا نور بہت بڑھ گیا، اور آپ کی بڑی عقل، ملکۂ السّادات و الاہیں کی اُن کتابوں کی اصلیت تک پہنچ گئی جو اس تمام کائنات کی موجد اور

اس حیرت انگیز نظام کا اصلی راز ہے۔ اسی روشنی نے آپ میں قابلیت پیدا کردی کہ لوگوں کی رہنمائی کریں اور انہیں ظلمت سے نور میں لے آئیں۔ آپ برابر سوچتے اور غور کرتے رہے، بے چین و پریشان ہوتے رہتے، تکلیفوں اور آرزوؤں میں گردش کرتے رہے یہاں تک کہ یقین ہوگیا کہ آپ وہی ہیں جس کا انتظار کیا جارہا ہے اور جسے خدا انسانوں کی ہدایت کے لیے بھیجنے والا ہے۔ یہی یقین پہلے حواس میں ظاہر ہونے لگا پھر قوت حاصل کرکے یہ حالت ہوگئی کہ بیداری میں بھی معلوم ہونے لگا کہ فرشتہ وحی سنا رہا ہے۔

رہ گئے وہ معلومات جو آپ کو اس وحی سے حاصل ہوئے تو اُن کے بارے میں یہ لوگ کہتے ہیں کہ درحقیقت انہی معلومات سے ماخوذ ہیں جن کی طرف اوپر اشارہ گزر چکا ہے، پیر آپ کی عقل کو بھی اِن میں دخل تھا جو غلط و صحیح میں تمیز کرسکتی تھی۔ لیکن خود آپ اپنے ان معلومات کو آسمان ہی سے نازل ہوتے سمجھتے تھے اور یہ کہ خود خدائے عزوجل آپ سے ناموس اکبر کے ذریعہ خطاب کررہا ہے، وہ ناموس اکبر جو وحی کا فرشتہ یعنی جبرئیل ہے جو موسیٰ بن عمران اور عیسیٰ بن مریم اور دوسرے انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوا کرتا تھا۔

ایک مصری ملحد کہتا ہے کہ یونانی حکیم سولن نے اپنی قوم کے

یے ایک قانون یا شریعت بنادی تھی، لہذا عقل کے لیے یہ کوئی نئی بات نہیں کہ محمد نے بھی ایک شریعت بنادی۔ اس خیال کا فساد بھی میں عنقریب دکھادوں گا۔

مخالفین کے مزاعم کا بطلان

۱۔ جن مقدمات سے یہ نتیجہ ان لوگوں نے نکالا ہے، اُن میں سے اکثر محض خیال کی پیداوار ہیں، یا بے بنیاد دعوے ہیں، نہ کہ ثابت تاریخی واقعات، جیسا کہ ہم اوپر بتا آئے ہیں۔ اور یہ طے شدہ اصل ہے کہ جب مقدمات باطل ہو گئے تو نتیجہ بھی باطل ہے۔

مثلاً یہ لوگ کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کے عیسائیوں کی زبانی سنا تھا کہ ایرانی رومیوں پر غالب آگئے ہیں۔ ان لوگوں نے یہ اس لیے کہا ہے کہ سورۂ روم کے شروع میں رومیوں کے غلبہ کی جو پیشگوئی آئی ہے، اُسے اُنہی باتوں کا نتیجہ بتائیں جو آپ نے شامی عیسائیوں سے بقول اِن کے سنی ہو گی۔ لیکن یہ چیز تاریخ وعقل دونوں کی رو سے مردود ہے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ ایرانیوں کا رومیوں پر غلبہ سنہ ۶۱۰ء میں ہوا تھا یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری سفر شام کے چودہ برس بعد اور آغاز وحی

سے ایک سال پہلے۔ پھر تاریخ ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ اُس زمانہ میں رومی سلطنت کی حالت اس درجہ ابتر تھی کہ کسی کو امید نہیں ہو سکتی تھی کہ زبردست ایران کو مغلوب کر سکتی ہے۔ حتیٰ کہ خود مکہ والے بھی اس قرآنی پیشین گوئی پر ہنستے تھے۔ ابوبکرؓ نے اُن میں سے ایک شخص سے اسی پیشین گوئی کے بارے میں شرط باندھی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اِس شرط کی اجازت دیدی تھی اور وہ جیت گئے۔

عقل کہتی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جیسی عقل رکھنے والا ——— جس کی بڑائی پر سب متفق ہیں ——— ناممکن ہے کہ جزم و وثوق کے ساتھ اعلان کر دے کہ چند سال کے اندر رومی ضرور ایرانیوں کو شکست دیدیں گے۔ اِس قسم کی بات نہ عقل سے کہی جا سکتی ہے کہ دل کی وحی سے جو غیر معتبر حدوں پر ہی ہو۔ رومیوں کو ۶۲۳ء میں فتح نصیب ہوئی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وحیٔ تبلیغ ۶۱۴ء میں ہوئی۔ اگر فرض کیا جائے کہ سورۂ روم اِسی سال نازل ہوئی تو مطلب یہ ہوگا کہ رومی فتح اِس کے آٹھ سال بعد میں آئی اور اگر یہ سورۃ دوسرے سال نازل ہوئی ہے تو فتح سات برس بعد قرار پاتی ہے۔ تفسیر میں اِسی پر اعتماد کیا گیا ہے۔ قرآن کی پیشین گوئی میں "بضع سنین" فرمایا گیا ہے، وایسی چند سال کے اندر "بضع" کا لفظ تین سال اور نو سال کی درمیانی

مدت کے لیے بولا جاتا ہے۔ فرمایا غُلِبَتِ الرُّومُ فِي أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُمْ مِنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ فِي بِضْعِ سِنِينَ، بضع میں فرمایا۔ یہ نہیں کہا کہ سات سال یا آٹھ سال بعد۔ اور یہ اس لیے کہ معلوم ہوجائے کہ فتح اُس جنگ کا نتیجہ ہوگی جو اِس زمانے میں جاری رہے گی۔ وحی و عبرت کی پیشین گوئیاں، تاریخ کے اسلوب پر نہیں ہوا کرتیں کہ واقعات کو سنوں اور برسوں سے محدود کر دیا جائے۔ قرآن میں مسلمانوں سے فتحمندی کے کثرت وعدے کیے گئے ہیں اور جو پیشین گوئیاں کی گئی ہیں اُن میں بھی برسوں اور مہینوں کا ذکر نہیں ہے اس لیے یہ سورۂ روم کی آیت بالکل نرالی ہے۔

اُن کے مزاعم کی ایک دوسری مثال دیکھو۔ وہ کہتے ہیں کہ آپ اپنے سفرِ شام میں سرزمین مدین سے گزرے اور وہاں کے باشندوں سے باتیں کیں۔ یہ کہہ کر وہ دکھانا چاہتے ہیں کہ قرآن میں مدین کے واقعات کہاں سے آئے۔ لیکن یہ بالکل غلط ہے جیسا کہ ہم اُن کے مقدمات کے سلسلہ میں بیان کر آئے ہیں۔ اور اگر یہ دعویٰ صحیح ہو تو بھی کون عقل باور کر سکتی ہے کہ آپ نے راستہ میں نامعلوم لوگوں سے جو ناقابلِ اعتبار باتیں سنیں، انہیں اُس وحی کی بنیاد بنا سکتے ہیں جو موسیٰ اور شعیب علیہ السلام کے قصہ میں وارد ہوئی ہے۔

۲ــــ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شام میں عیسائی عالموں سے
ی سا ہوتا یا اُن کی صحبت میں بیٹھے ہوتے تو آپ کے پیرو اُس کا ذکر
ر کرتے، کیونکہ اُنہوں نے وہ سب جمع کر دیا ہے جس کا آپ سے کچھ
لگاؤ تھا، اگرچہ وہ صحیح ثابت نہ بھی ہو۔ اُنہوں نے اپنا فرض واقعات
کرنا سمجھا تھا اور اُن کی صحت کا معاملہ، اسناد پر چھوڑ دیا تھا۔

۳ــــ اگر اس قسم کی کوئی بات ہوئی ہوتی جس کا اِن لوگوں
عویٰ کیا ہے تو آپ کے گھر والے دشمن ضرور کہتے کہ تمہارا یہ وحی کا
ی فضول ہے۔ یہ سب باتیں تم نے شام میں عیسائیوں سے سیکھی
کیونکہ وہ اس سے کہیں زیادہ کمزور اور بیہودہ اعتراض کیا کرتے
چنانچہ مکہ میں ایک رومی لوہار تھا جو تلوار بنایا کرتا تھا۔ آپ
کی دوکان کے سامنے کھڑے ہو کر کبھی کبھی اُس کا کام دیکھا کرتے
۔ اتنی سی بات کو یہ دشمن لے اُڑے اور کہنا شروع کر دیا کہ آپ
وہار کے شاگرد ہیں۔ اِس کی تردید میں خدا نے فرمایا:

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ
اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ لِسَانُ الَّذِيْ
دُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا
نٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ (۱۶ : ۱۰۳)

ہم خوب جانتے ہیں کہ یہ لوگ کہتے
ہیں کہ اسے اسی کو ایک آدمی سکھایا کرتا ہے
حالانکہ جس شخص کی نسبت یہ کہا جاتا ہے، اُسکی
زبان عجمی ہے اور یہ قرآن، صاف کھلی ہوئی عربی ہے

۴۔ قرآں کی صریح نصوص کہہ رہی ہیں کہ آپ وحی سے پہلے پیمبروں کے واقعات اور قصّے بالکل نہ جانتے تھے۔ علماء فرنگ بھی ہماری طرح مانتے ہیں کہ آپ کبھی دروغ سے آلودہ نہیں ہوئے۔ پس اگر آپ نے کبھی کسی آدمی کے مقابلہ میں غلط بیانی سے کام نہیں لیا تو اللہ عزوجل کے ساتھ ایسا کیونکر کر سکتے ہیں، جیسا کہ خود آپ کے سب سے بڑے دشمن، ابوجہل نے بھی اعتراف کیا ہے۔ نیز یہ علماء فرنگ ہماری طرح یہ بھی مانتے ہیں کہ آپ کا تدبر اور اُس کی نتیجی ہوئی وحی پر ایمان بہت ہی پختہ تھا۔

آپ کو پیمبروں کے حالات معلوم نہ ہونے کی نسبت قرآں نے جابجا اشارہ کیا ہے۔ سورۂ قصص میں موسیٰ کا مدین میں حال بیان کرنے کے بعد فرماتا ہے:

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ، وَلٰكِنَّا أَنْشَأْنَا قُرُونًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ، وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِي أَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَلٰكِنَّا كُنَّا

تو کچھ طرف نہ تھا جب ہم نے موسیٰ پر رسالت اتاری تو اس واقعہ کا دیکھنے والا تھا لیکن منکروں کا معاملہ یہ ہے کہ ہم نے نسلوں پر نسلیں نکالیں تو ان پر مدت دراز ہوگئی (اور ان میں سرکشی آگئی) اور مدین میں بھی یہاں تھا کہ وہاں والوں کو ہماری آیتیں سناتا لیکن ہم

مُرْسِلِيْنَ (۲۸: ۴۴ و ۴۵) | منکروں کا انکار بے بنیاد ہے کیونکہ رسولوں کو ہم ہی بھیجتے رہے ہیں

یا سورۂ ہود میں قصۂ نوح کے بعد فرماتا ہے:

تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا فَاصْبِرْ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ (۱۱: ۴۹)	یہ غیب کی خبریں ہیں جنہیں ہم تجھ پر وحی کر رہے ہیں۔ اس سے پہلے نہ تو نہیں جانتا تھا نہ تیری قوم جانتی تھی، پس تو صبر کر، یقیناً نتیجہ میں پرہیزگار ہی کامیاب رہیں گے۔

اسی طرح سورۂ یونس میں حضرت یونس کے قصہ میں فرمایا ہے۔

۵۔ صحیح نہ ضعیف کسی حدیث میں کہیں نہیں کہا گیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو امید تھی کہ نبی منتظر وہی ہو گئے جس کی بات آپ کی بعثت کے پہلے بعض علماء یہود و نصاریٰ چرچا کیا کرتے تھے۔ اگر اس طرح کی کوئی بات ہوتی تو محدثین اُسے ضرور لکھ جاتے، جیسا کہ امیہ بن ابی الصلت کی نسبت لکھ گئے ہیں، کیونکہ وہ آپ کے بارے میں ہر بات ضرور لکھ دیا کرتے تھے۔

۶۔ آغاز وحی کی جو حدیث امام بخاری و امام مسلم اور دوسرے محدثین نے درج کی ہے، اُس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ شروع شروع

فرشتہ کو دیکھ کر جو سرد ہو گئے تھے اور یہ کہ وہ اسی مقصد حدیجہ کے پاس آپ کو اطمینان دلانے اور خود اطمینان حاصل کرنے کا اس کے سوا کوئی ذریعہ نہ تھا کہ اپنے چچا کے لڑکے، ورقہ بن نوفل سے رجوع کریں جو عرب میں اس معاملہ کو سب سے زیادہ جانتے تھے، کیونکہ عیسائی ہو چکے تھے اور یہود و نصاریٰ کی کتابیں پڑھی تھیں۔

۷۔ اگر محمدؐ کو ایسی نبوت کی امید و آرزو ہوتی، تو بقول مخالفین جب غار حرا، میں خلوت و عبادت، اور پریشاں خیالی و جوش دلی کے بعد آپ میں نبوت کی پوری قابلیت پیدا ہو گئی تھی اور آپ نے سمجھ لیا تھا کہ آپ کی یہ آرزو پوری ہو گئی ہے، اگر واقعہ یہی ہوتا، تو ضرور آپ کی ولولہ انگیز طبیعت کا جوش اور روشن دماغی کا جوہر فوراً ہی قرآن کی ایک یا کئی بلیغ ترین سورتوں میں ظاہر ہو جاتا، جس میں آپ ایمان کے اصول اسلام کی توحید، شرک کی بیخ کنی، بت پرستی کی مخالفت، کفر و طغیان کے سرداروں کی دنیا و آخرت میں رسوائی کو بیاں کر دیتے، جیسا مفصّل سورتوں، خصوصاً ق والقرآن المجید، والذاریات، الطور، النجم القمر، پھر الحاقّۃ، اَلسَّآئل میں یا متوسط سورتوں میں جو دلائل اور عبرتوں سے لبریز ہیں، جیسے سورۂ الانبیاء، الحج، المومنوں میں بیان کیا گیا ہے۔ لیکن واقعہ اس طرح پیش نہیں آیا بلکہ ہوا یہ کہ آغاز وحی کے

تین سال تک آپ اِس حال سے رہے کہ نہ کسی کو کوئی سورۃ سنائی، نہ کوئی دعوت دی۔ نہ اپنے خاندان، گھر، یا دوستوں سے اُس دینی اصلاح کے بارے میں کوئی گفتگو کی جس کا آپ پختہ ارادہ کر چکے تھے۔ نہ اُن حالات ہی کی کوئی مذمت کی جن سے آپ بیزار ہو چکے تھے کیونکہ اگر آپ نے اِس قسم کی کوئی بات کہی ہوتی یا کی ہوتی تو اس کا ذکر ضرور آجاتا۔ کوئی نہیں تو وہی لوگ اس بارے میں کچھ کہتے جو آپ سے سب سے زیادہ وابستہ تھے مثلاً آپ کے گھر میں خدیجہ، علی، زید بن حارثہ، اور دوستوں میں ابوبکر صدیق جن کا آپ سے زندگی بھر ساتھ رہا۔ سب کا یہ سکوت اِس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ علماء فرنگ نے وحی ذاتی کے لیے آپ کی طیاری، اور لوگوں سے سنائی باتوں پر آپ کے علوم کے مبنی ہونے کی نسبت جو کچھ کہا ہے، سراسر بے بنیاد ہے۔

۸۔ واقعات اور ضرورتوں کے مطابق نزول وحی کی جو ترتیب ایت کی گئی ہے، وہ ہمارے خیال کی مؤید ہے۔ چنانچہ سورۂ مدثر کے لے حصہ کے بعد چند آیتیں ولید بن مغیرہ مخزومی کے بارے میں نازل ئیں۔ ولید کا واقعہ یہ ہے کہ ابوجہل نے سنا کہ ولید نے محمد صلی اللہ ہ وسلم سے قرآن سنا اور پسند کیا ہے، چنانچہ معترض ہوا اور کہنے اب کوئی ایسی بات کہہ دو جس سے تمہاری قوم کو یقین ہو جائے کہ تم

محمد اور اُن کے قرآن کو ناپسند کرتے ہو۔ ولید نے جواب دیا میں کیا کہوں؟ خدا تم میں کوئی نہیں جو مجھ سے زیادہ شعر کو، اُس کے رجز و قصیدے کو، اور جنات کے اشعار کو پرکھ سکتا ہو، خدا محمد نے جو کچھ کہا ہے، وہ اس طرح کی کوئی چیز بھی نہیں ہے۔ خدا اُن کی یہ چیز بڑی میٹھی ہے۔ بڑی آب وتاب والی ہے۔ اُس کا اوپر بھی روشن ہے اور اُس کا نیچا بھی چمکیلا ہے۔ وہ خود غالب آجانے والی ہے۔ اُسے کوئی مغلوب نہیں کرسکتا۔ جو چیز بھی اُس کے سامنے آجائیگی، اُسے پاش پاش کرکے ڈال دے گی" ابوجہل نے کہا کچھ بھی ہو، تمہاری قوم اُس وقت تک ہرگز راضی نہیں ہوگی جب تک تم کچھ برائی نہیں کروگے۔ ولید نے کہا اچھا، ٹھہرو۔ مجھے سوچنے دو۔ پھر کہنے لگا "یہ جادو ہے جسے اس نے کسی سے سیکھا ہے"۔ اسی پر یہ آیتیں نازل ہوئیں جیساکہ حاکم نے ابن عباس سے باسنادِ صحیح، بخاری کی شرط پر روایت کیا ہے

ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ	چھوڑ دو مجھے اور اُسے جسے میں نے اکیلا
وَحِيدًا ۝ وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا	پیدا کیا، اُسے بہت سا مال دیا، حاضر باش
مَمْدُودًا ۝ وَبَنِينَ شُهُودًا	بیٹے دیے اُس کے لیے سب سامان مہیا
وَمَهَّدْتُ لَهُ تَمْهِيدًا ۝	کردیں، اس کے بعد بھی وہ لالچ کرتا ہے کہ
ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ ۝ كَلَّا إِنَّهُ	اُسے اور بھی دونگا ہرگز نہیں۔ وہ ہماری

ان لِاٰیٰتِنَا عَنِیۡدًا ، سَاُرۡهِقُهٗ صَعُوۡدًا ، اِنَّهٗ فَکَّرَ وَقَدَّرَ فَقُتِلَ کَیۡفَ قَدَّرَ ، ثُمَّ قُتِلَ کَیۡفَ قَدَّرَ ، ثُمَّ نَظَرَ ، ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ، ثُمَّ اَدۡبَرَ وَاسۡتَکۡبَرَ ، فَقَالَ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ یُّؤۡثَرُ ، اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا قَوۡلُ ... (۲۴) (۱۲ و ۱۱ ...)	ستایوں کا کٹر مخالف ہے عنقریب اُسے مصیبت میں مبتلا کروں گا اُس نے غور کیا اور اندازہ کیا، وہ مارا جائے کس طرح اُس نے اندازہ کیا، پھر مارا جائے کس طرح اندازہ کیا، پھر اُس نے نگاہ کی پھر تیوری پر ہھائی پھر منہ بسورا۔ پھر پیٹھ موڑی اور تکبر کیا، پھر کہنے لگا ضرور یہ جادو ہے جو چلا آتا ہے۔ یہ آدمی ہی کا کلام ہے۔

۹۔ مسئلہ وحی پر گفتگو کرنے والے اِن علماء فرنگ نے جو کچھ ... معلومات قرار دئے ہیں، وہ اِس قدر کم مایہ اور سطحی ہیں کہ قرآنی ... ہرگز سرچشمہ بن نہیں سکتے۔

قرآں اُس سب سے اعلیٰ، وسیع تر، اور مکمل ہے جسے بیچارے ... بدری کیا، جو سفرِ شام میں آپ کو ملے ہوں گے، بلکہ بحیرا، مسطورا، بلکہ ... لکہ تمام دنیا کے یہود و نصاریٰ جانتے تھے۔

قرآں اِس حال سے نازل ہوا ہے کہ ایک طرف اہل کتاب کی ... اظ سے تصدیق کرنے والا ہے کہ اُن کی کتابیں اصل میں موسیٰ، داؤد، سلیمان وغیرہم پیمبروں پر نازل ہوئی تھیں، اور دوسری ... ہ اُن پر نگراں و حکمراں بھی ہے جیسا کہ سورۂ مائدہ کی اِس

آیت میں فرمایا گیا ہے۔

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ الخ	ہم نے اے پیغمبر تجھ پر حق کے ساتھ کتاب اتاری ہے جو آسانی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور اُن پر حاوی و حکمراں ہے۔

اہل کتاب یعنی یہودیوں اور عیسائیوں کے خلاف قرآن نے جو فیصلے کیے ہیں، اُن میں ایک یہ ہے کہ:

فَبِمَا نَقْضِهِم مِّيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ وَنَسُوا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا بِهِ الخ	چونکہ انہوں نے اپنا عہد توڑ ڈالا اس پر ہم نے انہیں لعنت کی اور اُن کے دل سخت بنا دیے وہ لفظوں کو اُن کی جگہوں سے ہٹاتے ہیں اور جو ہدایت اُن پر آئی تھی، اُس کا ایک حصہ بھول چکے ہیں۔

قرآن نے بکثرت ایسے بڑے بڑے مسائل طے کر دیے ہیں جن میں اہل کتاب نے مخالف رائے قائم کر رکھی ہے یا باہم اختلاف کیا ہے۔ اِس ضمن میں عقائد، احکام، اور تاریخی واقعات سبھی داخل ہیں۔ ظاہر ہے قرآن کے یہ فیصلے اُن راہبوں، پادریوں، اور دوسرے عیسائیوں سے ماخوذ نہیں ہو سکتے جنہوں نے بقول علماء فرنگ

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے سفر شام کے دوران میں اپنے مذہبی معلومات سے مستفید کیا تھا، عام اس سے کہ آریوس اور اُس کے پیروں کی طرح ان راہبوں وغیرہ میں موسوی وعیسوی توحید کچھ نہ کچھ باقی ہو یا نہ ہو، یا اُن انجیلوں کا کوئی حصہ موجود ہو جنہیں چرچ نے غیر قانونی قرار دیا ہے جیسے انجیل طفولیتِ مسیح یا انجیل برناباس۔ محمد نے شام میں یا مکہ میں چرچ کی کانفرنسوں کی طرح کوئی مسیحی کانفرنس منعقد نہیں کی تھی کہ انجیلوں اور عیسوی مذہبوں کے مابین فیصلہ کریں اور ایک دوسرے پر ترجیح دیں۔

ظاہر ہے اس سفر شام میں آپ کے لیے قطعاً ناممکن تھا کہ انجیلوں اور مسیحی مذہبوں کے مابین محاکمہ کریں۔ اس بارے میں کوئی روایت بھی نہیں آئی ہے اور اس بات کا دعویٰ کرنے والے بھی خوب جانتے ہیں کہ عقلاً یہ محال ہے۔ اور فرض کرو کہ ایسا ہوا تھا سمجھ میں نہیں آتا کہ اس تھوڑی سی مہلت میں کیونکر آپ یہ محاکمہ کر سکے اور کس طرح آپ کو اپنے فیصلے کے صحیح ہونے کا یقین ہو گیا؟ حالانکہ احادیث سے ثابت ہے کہ آپ نے اپنے صحابہ کو حکم دیا تھا کہ اہل کتاب کی نہ تصدیق کریں نہ تکذیب، یعنی اُن باتوں میں جن سے قرآن نے خاموشی اختیار کی ہے، اور یہ اس لیے کہ شاید تکذیب اُس

چیز کی ہوجائے جو اصلی آسمانی کتاب میں سے محفوظ ہے یا تصدیق اُس چیز کی ہوجائے جس کی حقیقت اہل کتاب بھول چکے ہیں یا جس میں انہوں نے تحریف و تبدیل کر دی ہے۔

۱۰۔ قرآں میں ایسی باتیں کہی ہیں جو سے اور پرانے دونوں عہدناموں کے خلاف میں اور آج تک معلوم نہیں ہوا کہ کسی ایک عیسائی یا یہودی کا کبھی وہ خیال ہو جو قرآں نے پیش کیا ہے۔ مثلاً قرآں نے کتاب خروج کی مخالفت کی ہے توراۃ کہتی ہے کہ حضرت موسیٰ کو بیٹا بنانے والی فرعون کی لڑکی تھی مگر قرآں کہتا ہے کہ وہ فرعون کی بیوی تھی۔ یا یہ کہ توراۃ میں لکھا ہے کہ جس بچھڑے کی بنی اسرائیل نے پوجا کی تھی، اس کا تعلق ہارون علیہ السلام سے ہے، لیکن قرآں نے اُسے سامری کی طرف منسوب کیا ہے اور ہارون کی اُس سے بیزاری ثابت کی ہے۔

بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُس سب سے کہیں بڑھ چڑھ کر چیز لائے ہیں جو آسمانی کتابوں میں موجود ہے۔ علاوہ اِس سے کہ اُن کی صحت ثابت ہو یا نہ ہو جیسا کہ عنقریب ہم بیان کر دیں گے۔

اے ہیتاں ترارو، ہٹرو۔ تم وہ کہتے ہو جسے خود بھی نہیں جانتے۔ قرآنی وحی تمہارے زعم سے کہیں بلند ہے۔ اور تمہارے تصور و تصویر سے کہیں بڑی ہے۔ محمدؐ تمہارے مزعوم کسی علم سے کہیں کم، لیکن روح القدس

کے ذریعہ کلام اللہ قبول کرنے کے لیے تمہارے وہم سے کہیں زیادہ مستعد تھے ۔

چونکہ قرآن کی وحی، تمام پیغمبروں کی محفوظ تعلیمات سے زیادہ اعلیٰ و اکمل ہے، کیونکہ وہ سب کی "خاتم" اور اُن کی خاص اور وقتی شریعتوں کو مکمل کرنے والی ہے، اس لیے اُسے کم از کم یونانی فلسفی سولن کے قانون سے زیادہ مکمل ہونا چاہیے، جس سے ہمارے زمانہ کے ایک مصری ملحد نے محمد صلی اللہ کو تشبیہ دی ہے، حالانکہ دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے: ایک اَن پڑھ ہے جو اَن پڑھوں میں بڑھا پلا ہے اور ایک فیلسوف ہے جس نے حکمت و قانون و سلطنت و سیاست کی قوم میں پرورش پائی ہے اور قوم و سلطنت کے ہر معاملہ میں دخیل رہا ہے۔[1]

---

(۱) سولن یونان کے سات فلسفیوں میں سے ایک ہے میلاد مسیح سے سات صدی پہلے گزرا ہے۔ اس کی ماں آخری شاہ ایتھنز کوڈرس کی رشتہ دار تھی سولن، مالداروں اور خاندانی آدمیوں میں سے تھا۔ اپنے ملک میں بعض انتظامی اور جنگی عہدوں پر مامور رہا ہے ۵۹۴ ق م میں تمام پارٹیوں کی طرف سے قوم کا سردار منتخب کیا گیا اور اُسے اختیار دیا گیا کہ ملک کے نظم و نسق اور قوانین میں جو ترمیم چاہے کرے۔ چنانچہ اُس نے سابق نظام میں تبدیلی کی اور اسی سے اہل ایتھنز نے اپنے نئے نظام حکومت اور قوانین کو دس برس کے لیے منظور کر لیا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ سولن، ... تہذیب کی سب سے بڑی قوم کا قانون بنانے والا تھا اُس کی پرورش ایسی قوم میں ہوئی تھی۔ وہ فیلسوف، حاکم، سپہ سالار اور سردار تھا ایسے شخص پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قیاس کرنا کہ ناخواندہ تھے جنہوں نے کبھی کوئی ایک سطر بھی نہیں پڑھی کوئی کتاب نہیں (باقی صفحہ ۱۲۸ پر)

محمدؐ میں نبوت کی قابلیت

شروع زندگی سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت اور نبوت کے لیے آپ کی من جانب اللہ طیاری کے بارے میں تحقیقی بات یہ ہے کہ خدا نے آپ کو فطرت کے لحاظ سے کامل پیدا کیا تھا تاکہ دین فطرت کے ساتھ آپ کو مبعوث کرے۔ عقل ہیولانی کے لحاظ سے بھی کامل الاستعداد بنایا تھا کہ عقلی اور علمی نظر رکھنے والے دین کے ساتھ آپ کو بھیجے۔ اعلیٰ اخلاق سے مکمل کر دیا تھا تاکہ عمدہ اخلاق کی تکمیل کا آپ سے کام لے۔ خدا نے بت پرستی اور بت پرستوں کی تمام بیہودگیوں سے آپ کو بچپن ہی سے بیزار اور متنفر بنا دیا تھا تاکہ اِن لوگوں کی نفس پروریوں، شہوت پرستیوں، وحشیانہ خونریزیوں، کمزوروں پر اُن کی دست درازیوں، پست حوصلوں، حوریوں سے آپ دور رہیں۔ اصلاح نفوس کا خدائی نسخہ بتا سکیں، اور پاکیزگی کا نمونہ بن جائیں۔ خدا نے آپ کو انسانیت کا بہترین نمونہ بنایا

(باقی صفحہ ۱۷۱)

یکھی کسی اصطلاحی یا سیاسی عہدے پر مامور نہیں رہے، لیکن اس کے باوجود جو کچھ آپ نے دنیا کے سامنے پیش کیا، وہ نہ کوئی مقامی قانون تھا، نہ کسی اور قانون کی ترمیم شدہ شکل تھی، بلکہ عالمگیر اصلاح تھی، جو کہ تمام انسانوں کی اُن کے عقائد، آداب، احکام، اور جنگ وغیرہ میں اصلاح کر دے۔ غور کریں یہ محمد مسلمان جو اپنے دین اور اُس کے مصنف کیسے بے مایہ شبہے پیدا کرتے ہیں؟

تاکہ آپ اُس کی اعلیٰ تربیت کو نافذ کرسکیں۔ آپ کی پاکبازی کا یہ حال تھا کہ
جوانی کے پورے پچیس سال اپنی بیوی، خدیجہؓ کے ساتھ گزار دیئے جو
اپنی شادی کے آخری پندرہ برسوں میں مکمل بوڑھی اور اولاد پیدا کرنے
کی قابلیت سے محروم ہوچکی تھیں۔ خدیجہؓ نے پینسٹھ برس کی عمر میں انتقال
کیا، لیکن اس کے باوجود آپ کو اس قدر محبوب تھیں کہ اُنہیں عمر بھر یاد
کرتے اور بعد کی تمام بیویوں پر فضیلت دیتے رہے، حتیٰ کہ عائشہؓ پر بھی
جو آپ کے ساتھی اور دوست، صدیقؓ کی صاحبزادی تھیں۔ نہایت
حسین، کم سن، ذہین، اور آپ کی طرف سے تبلیغ کی بہترین صلاحیت
رکھتی تھیں۔ آپ عمر بھر خونریزی کو ناپسند کرتے رہے اگرچہ حق ہی کے
لیے کیوں نہ ہو۔ آپ حد درجہ بہادر تھے۔ دشمنانِ خدا کی زیادتیوں سے
مجبور ہوکر آپ اپنے اصحاب کی اُن کے مقابلہ میں سپہ سالاری کیا کرتے
تھے، لیکن اس کے باوجود آپ نے اپنے ہاتھ سے بجز ایک آدمی کے
کبھی کسی کو قتل نہیں کیا۔ یہ شخص، اُبی بن خلف تھا جو خود آپ کی جان
لینے پر تُلا ہوا تھا، چنانچہ سر سے پاؤں تک خود و درع میں غرق ہوکر حملہ آور
ہوا اور آپ مجبور ہوئے کہ اُس پر وار کریں، چنانچہ اُس کے خود اور
درع کے درمیان خالی جگہ پر آپ نے ضرب لگائی اور اُس کا کام تمام
ہوگیا۔ زندگی بھر آپ کا یہ حال رہا کہ مشرکوں اور یہودیوں سے بہت

کچھ مال غنیمت حاصل ہوتا تھا، مگر آپ ہمیشہ نہایت ہی سادہ زندگی پسند کرتے رہے، حالانکہ آپ کی شریعت نے طیّبات سے آسودہ ہونے کی اجازت دی ہے اور دین داری کی بنا پر انہیں چھوڑ دینے کی ممانعت کر دی ہے۔ آپ اپنے کپڑوں میں خود پیوند لگاتے تھے، اپنی جوتی خود گانٹھتے تھے، اگرچہ آپ کے دین نے زینت و آرائش کی اجازت دی ہے اور ہر عید کے موقع پر اسے برتنے کا حکم دیا ہے۔ آپ کو جو کچھ بھی مل جاتا، کھا لیتے۔ کبھی کسی کھانے کی مذمت نہ کرتے۔ البتہ صاف میٹھا پانی پیا کرتے تھے۔

اسی بنا پر ہی کے لیے خدا نے آپ کی ذاتی استعداد مکمل کر دی تھی "کہ کسی" تاکہ آپ پیغمبروں کے دین کو مکمل کر کے ایک ایسا قانون جاری کر دیں جو قیامت تک تمام انسانوں کی اصلاح کے لیے کافی اور ضامن ہو۔ خدا نے آپ کو سب پر رحمت بنا کے بھیجا، اور یہ اس طرح کہ اپنی قوم کے اکثر لوگوں کی طرح آپ بھی اُمّی تھے۔ نہ اپنے ہم قوم اُن پڑھ عربوں سے انسانوں کا کوئی علم سیکھا تھا نہ اہل کتاب سے، حتیٰ کہ خدا نے آپ کو اُن چیزوں کے اہتمام سے بھی نادر رکھا تھا جس پر آپ کی قوم کو فخر تھا، جیسے زبان کی فصاحت، بیان کی قوت، شاعری، خطابت، باہم مباہات رشک و رقابت۔ عربوں کا دستور تھا کہ موسم حج کے میلوں خصوصاً عکاظ

میں دور دور سے آکر اکٹھے ہوتے اور فصاحت و بلاغت و مہارت کا اظہار کیا کرتے تھے۔ اس چیز نے عربوں کی زبان کو بڑی ترقی دی، اور اُن کی شاعری میں دانائی پیدا ہوگئی۔ مگر یہ عجیب بات ہے کہ آپ ان تقریبوں میں اُن کے ساتھ شریک ہوتے تھے، نہ اِن کی باتوں کا ذکر اذکار کرتے تھے۔ نبوت کے بعد آپ نے کچھ اوپر سو شعر امیہ بن ابی الصلت کے سنے اور فرمایا "قریب تھا کہ اسلام لے آتا"، اور فرمایا "اُس کا شعر تو ایمان لے آیا مگر وہ خود کافر ہی رہا" اور فرمایا "کوئی کوئی بیان، جادو ہے، اور کوئی کوئی شعر دانائی ہے"۔ (مالک، احمد، بخاری، ابوداؤد، ترمذی میں حدیث ابن عمرؓ)

ہم نے کہا کہ نبوت کے لیے آپ کی قابلیت سراسر فطری تھی اور اس میں آپ کے کسب و کوشش کو دراصل نہ تھا، نہ علم کو، نہ زبان کو، نہ ذہن کی جدوجہد کو۔ امیہ بن ابی الصلت کی طرح آپ کی نسبت روایت نہیں کیا گیا کہ پیغمبر ہو جانے کی امید یا آرزو رکھتے تھے۔ البتہ حضرت خدیجہؓ کے بارے میں روایت کیا گیا ہے کہ جب انہوں نے اپنے غلام، میسرہ کی زبانی آپ کی امانت کا، خوبیوں کا، کرامتوں کا، اور بحیرا راہب کی آپ کے حق میں گفتگو کا حال سنا، تو انہیں امید ہوگئی کہ شاید آپ ہی وہ نبی ہوں جس کا انتظار اور چرچا ہو رہا ہے، لیکن یہ روائتیں بھی صحت کے اُس درجہ

تک نہیں پہنچتیں جس درجہ کی آغاز وحی والی حدیث ہے، جسے ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ ممکن ہے کہا جائے کہ حضرت خدیجہؓ کو آپ کے پیغمبر ہونے کا صرور یقین تھا ورنہ وہ پرستہ سے آپ کے ڈر جانے پر قسم کھا کر یہ کہتیں کہ خدا آپ کو رسوا نہیں کرے گا جواب یہ ہے کہ خود حضرت خدیجہ کے باقی الفاظ سے ظاہر ہے کہ انہوں نے قسم اس لیے کھائی تھی کہ آپ کی خوبیاں جانتی تھیں، چنانچہ اُن کا انہوں نے والہ بھی دے دیا مگر ساتھ ہی ضرورت سمجھی کہ اپنے چچیرے بھائی، ورقہ بن نوفل سے بھی آپ کے بارے میں دریافت کر لیں۔

رہ گئی سال وحی میں غار حراء کے اندر آپ کی خلوت و عبادت تو بلاشبہہ یہ آپ کا کسی عمل تھا اور اُس فطری استعداد کو نیز اُس مشغلۂ استعداد کو قوت بخشنے والا تھا جس نے آپ کو مشرکوں سے اور اُن کے بوجا پاٹ اور جادوؤں سے دور کر رکھا تھا لیکن یہ عمل اس غرض سے ہرگز نہ تھا کہ سوت کے لیے اپنے آپ کو طیار کریں، کیونکہ اگر واقعہ یہی ہوتا تو فرشتہ کو دیکھ لینے کے بعد آپ سمجھ جاتے کہ آرزو پوری ہو گئی ہے اور اس سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہ ہوتی۔ غار میں آپ کی گوشہ نشینی اور عبادت کی اصلی وجہ یہ تھی کہ لوگوں کی بدحالی سے آپ بہت متوحش تھے اور اُس سے بھاگ کر اللہ کی یاد سے اُنس حاصل کرتے تھے، جیسا کہ ہمارے استاد امام نے سورۂ ضحیٰ کی آیت "ووجدک ضالا فهدی" کی تفسیر میں تفصیل سے ما

کردیا ہے۔ اسی بات کو خود اللہ تعالیٰ نے سورۂ شوریٰ میں اس طرح صاف کردیا ہے:

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۚ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ۚ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۔ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ (۵۱ و ۵۲)	اسی طرح ہم نے اے پیغمبر اپنے حکم سے تجھ پر یہ قرآن کھیجا، تو نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا، لیکن ہم نے اس قرآن کو نور بنا دیا ہے جس سے ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہیں ہدایت بخشدیں اور تو بیشک سیدھی راہ کیطرف رہنمائی کرتا ہے، اللہ کی راہ کی طرف جو مالک ہے اُس سب کا جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے، ہاں، بے شک سب کا مرجع اللہ ہی طرف ہے۔

استاد امام نے رسالۂ توحید میں کچھ مختصر مگر مفید انداز سے بھی گفتگو کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں۔

"عام دستور ہے کہ آپ کا جیسا یتیم دیقیر بچہ جو کچھ دیکھتا ہے عمر بھر کے لیے اُس کے دل میں جم جاتا ہے، اور اپنی سوسائٹی میں جو کچھ سنتا ہے خصوصاً اپنے رشتہ داروں سے، تو اُس کا اثر اُس کے دماغ پر بہت ہی گہرا پڑتا ہے، خاص کر ایسی حالت میں کہ نہ کوئی کتاب اُس کی رہنمائی

کے لیے ہو، نہ کوئی استاد اُسے سبق دیتا ہو، نہ کوئی مضبوط طاقت اُس کی
پشت پناہ ہی ہو۔ اگر آپ کے معاملہ میں بھی یہ عام دستور جاری ہوا ہوتا تو
آپ بھی ضرور ایسے ہم قوموں کے عقیدے پر ہوتے۔ اُنہی کی روش اختیار
کرتے، یہاں تک کہ جب سنِ شعور کو پہنچ جاتے اور عقل و تدبر کا مادہ پیدا
ہو جاتا، تو اُن کی مخالفت کرتے اگر آپ کی سمجھ میں اُن کی گمراہی آ جاتی،
جیسا کہ اُن اکا دکا آدمیوں(1) نے کیا جو آپ کے زمانہ میں تھے۔ لیکن واقعہ
اس طرح پیش نہیں آیا بلکہ ہوا یہ کہ شروع ہی سے بت پرستی آپ کو ناپسند
تھی جس صورت کے ساتھ آپ کا عقیدہ بھی شروع ہی سے پاک تھا
اور یہ جو قرآن مجید میں ہے کہ وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ تو اس کا یہ
مطلب ہرگز نہیں کہ توحید سے پہلے آپ بت پرستی پر تھے یا معاذ اللہ
گمراہ تھے۔ جو کوئی یہ خیال کرتا ہے، بہتان باندھتا ہے۔ لیکن یہ ایک طرح
کی حیرانی اور ذہنی پریشانی ہوتی ہے جو اخلاص والوں کے دلوں کو لاحق
ہو جاتی ہے۔ وہ پریشان ہوتے ہیں کہ کس طرح اُس سچائی کو گمراہوں تک
پہنچا دیں جسے وہ پا چکے ہیں۔ اللہ نے آپ کو اپنی رسالت کے لیے چن کر
اُس طرف رہنمائی کر دی جسے آپ کی بصیرت تلاش کر رہی تھی اور اپنی
مخلوق میں سے آپ ہی کو پسند کیا کہ اُس کی شریعت کو پھیلائیں۔"

(1) جیسا کہ اُمیہ بن ابی الصلت اور عمرو بن نفیل۔

میں کہتا ہوں کہ نبوت و رسالت کے لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی استعداد یہی تھی کہ اللہ نے آپ کی شریف روح کو ایک ایسا صاف آئینہ بنا دیا تھا جس میں دنیا کی دینی رسمیں، موروثی آداب، کسی عادتیں منعکس نہیں ہوتی تھیں۔ چنانچہ اس آئینہ میں وحی الٰہی اپنے تمام معانی کے ساتھ جلوہ گر ہو گئی، تاکہ اللہ کے اُس مطلق دین کی تجدید ہو جائے جسے دیگر وہ اپنے پیامبروں کو اُن کی قوموں میں خصوصیت کے ساتھ بھیجتا تھا اور رواں کی حالت و قابلیت کے مطابق ہوا کرتا تھا، مگر اُس ذات برحق نے اپنے آخری پیغمبر کو تمام انسانیت کے لیے ہمیشہ کے واسطے بھیجا، جس کے بعد کسی اور وحی کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ آپ کی سلیم فطرت اور شریف روح، اور جو اعلیٰ معارف اُس پر نازل ہوئے، اور اللہ عزوجل کا جو نور اُس پر جلوہ گر ہوا، جس کا حال میں سورۂ شوریٰ کے اواخر کو تلاوت کر کے اے پڑھنے والے تجھ پر ظاہر کر چکا ہوں — ضرب المثل بن گیا ہے۔ وہ سورۂ نور کی یہ آیت کریمہ ہے:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	اللہ نور ہے آسمانوں کا اور زمین کا۔ اُس کے
مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ	نور کی مثال ایسی ہے جیسے طاق میں چراغ دھرا
اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ	ہے اور چراغ شیشے کے اندر ہے شیشہ ایسا ہے
كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ	جیسے چمکتا ہوا تارہ، تیل جلتا ہے مبارک زیتون

شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ	درخت کا جو نہ شرقی ہے نہ غربی قریب ہے کہ
وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ	اُس کا تیل روشن ہو جائے گو اسے آگ نہ چھوئے
وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۭ نُوْرٌ عَلٰي	روشنی پر روشنی، اللہ جسے چاہتا ہے اپنی روشنی کی طرف
نُوْرٍ ۭ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ	ہدایت بخش دیتا ہے اور اللہ لوگوں کو کہاوتیں
يَّشَاۗءُ ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ	سناتا ہے اور اللہ کو ہر چیز کا علم حاصل
لِلنَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (۳۵)	ہے۔

پس محمدی معارف کی قندیل، ایک ایسے زیتون سے جلتی ہے جو نہ شرقی ہے نہ غربی نہ یہودی ہے نہ نصرانی، بلکہ الہٰی علوی ہے!

ہم سمجھتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی استعداد ذاتی اور وہبی کسبی کے بارے میں لوگوں نے جو کچھ کہا ہے اتنا بیان اُس کی تردید کے لیے کافی ہے۔ اس کے بعد وہ چیز آتی ہے جو زیادہ زبردست ہے اور جس سے ان لوگوں کے ہوائی قلعے جڑ سے اکھڑ جاتے ہیں یعنی جو وحی کے بارے میں ان لوگوں کی بکواس کی تردید ہے وہ وحی جو آپ کی نبوت کی زندہ نشان، ہمیشہ باقی رہنے والی حجت، یعنی قرآن عظیم ہے!

اللہ کی سب سے بڑی نشانی ــــ قرآن عظیم

قرآن کریم، قرآن حکیم، قرآن مجید، کتاب عزیز جس کے پاس "باطل نہ آگے سے آتا ہے نہ پیچھے سے، وہ حکیم و حمید خدا کی طرف سے تنزیل ہے"

یہ کتاب ہے، نہ کتابوں کی طرح۔ یہ نشانی ہے، نہ نشانیوں کی طرح معجزہ ہے، نہ معجزوں کی طرح۔ نور ہے، نہ انوار کی طرح۔ سر ہے، نہ اسرار کی طرح۔ کلام ہے، نہ سب کلاموں کی طرح، یہ الحیّ و قیّوم کا کلام ہے جس سے روح القدس جبرئیل امین علیہ السلام کا اس کے سوا کوئی تعلق نہیں کہ انہوں نے اُسے اُس کے عربی لفظوں کے ساتھ اُفقِ اعلیٰ کے آسمان سے لاکر اس زمین پر پہنچا دیا، اور جس سے محمد رسول اللہ و خاتم النبیین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیٰ آلہ کا تعلق اِس کے سوا کچھ نہیں کہ آپ نے اُسے لوگوں تک پہنچا دیا کہ اُس سے ہدایت حاصل کریں۔ پس یہ قرآن اپنے لفظ، ترتیب، اسلوب، علوم، ہدایت ہر لحاظ سے تمام مخلوق کے لیے معجزہ ہے۔ خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قدرت سے باہر تھا کہ اپنی کوشش، معلومات، فصاحت، بلاغت کے زور سے اِس قرآن کی جیسی کوئی سورت پیش کر سکیں۔ آپ کا جو کچھ علم تھا، جو کچھ بلاغت تھی، وہ سب اِسی قرآن کی بدولت

تھی، بلکہ قرآن میں صریح آیتیں موجود ہیں جن میں آپ پر بعض اجتہادوں کی وجہ سے عتاب ہوا ہے، جیسا کہ بدر کے قیدیوں کو فدیہ لیکر چھوڑ دینے کا اجتہاد (دیکھو تفسیر جلد اصفحہ ۸۳، ۴۹، ۳، ۴۷۴)

سورۂ بقرہ کی جس آیت میں چیلنج کیا گیا ہے (۲: ۲۳) اُس کی تفسیر میں لفظی و معنوی اعجاز کو میں اجمال واختصار کے ساتھ بیاں کرچکا ہوں۔ یہاں میں قرآنی علوم پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں جو انسانوں کی اصلاح کا ذریعہ ہیں۔ لیکن جگہ کی کمی کے باعث صرف اسی قدر گفتگو کرونگا جس سے معلوم ہو جائے کہ تاریخ لے انبیاء و حکماء اور مُقنّنوں اور سیاسیوں کے جتنے بھی علوم محفوظ رکھے ہیں، قرآنی علوم اُن سب سے کہیں اعلیٰ و برتر ہیں۔

چنانچہ جس شخص کا بھی یہ ایمان ہے کہ اس دنیا کا کوئی علیم حکیم رحیم، صاحب ارادہ، بااختیار پروردگار ہے، اُسے لازمی طور پر یہ ایمان بھی لانا ہوگا کہ یہ قرآن بغیر کسی شک وشبہ کے اُسی پروردگار کی وحی ہے جو اُس نے اپنے سب سے آخری پیغمبر پر ازراہ رحم نازل کی تاکہ انسان اس کی رہبری سے اپنی فطرت کی تکمیل، اپنے نفوس کی پاکیزگی، مفاسد سے اپنی سوسائٹی کی اصلاح کرسکیں، بنابریں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی تمام انسانوں پر لازمی طور سے فرض ہو جاتی ہے، جیسا کہ خدا نے فرمایا:

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي | اے پیغمبر کہدیجئے کہ اے لوگو، میں تم سب کی

رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (۷ ۱۵۸)	طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول، اُس اللہ کا جس کی ملکیت میں آسمان و زمین ہیں۔ اُس ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی جلاتا اور مارتا ہے، لہٰذا ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس نبی اُمی رسول پر جو اللہ پر اور اُس کے کلمات پر ایمان رکھتا ہے تم اُس کی پیروی کرو تاکہ ہدایت پا جاؤ۔

اور جو کوئی اِس علم و حکمت والے پروردگار کا قائل نہیں ہے، اُسے بھی ضرور ماننا پڑے گا کہ اِس دنیا میں جتنے بھی ہدایت یاب اور ہدایت بخش دانے حکماء پیدا ہوئے ہیں، محمد اُن سب سے زیادہ کامل، افضل، عالم، اور دانا تھے۔ اِن منکروں سے عقل کا یہی تقاضہ ہوگا کہ محمد کو تمام انسانوں کا بے قید و شرط سردار اور پیروی کا سب سے بڑھ کر حقدار تسلیم کریں اور اِس نام سے آپ کو یاد کریں "انسانوں کے آقا اور اُن کے حکیم اعظم"۔

ہم جانتے ہیں کہ بعض منصف مزاج غیر مسلم جو سیرت محمدی کے ساتھ قرآن بھی کچھ نہ کچھ سمجھتے ہیں، اِس حقیقت کا تقریری و تحریری اعتراف کرتے رہے ہیں۔ انہی میں ایک مشہور انگریز پروفیسر مولر بھی ہے، اور انہی میں وہ فلسفی نامی ڈاکٹر بھی ہے جس نے اگرچہ روس کیتھولک مذہب میں

تربیت پائی، لیکن رسالۂ المنار میں بعض محمدی مناقب دیکھ کر ہیں ایک خط میں لکھا "آپ محمد کو نبی کی حیثیت سے دیکھتے اور عظیم سمجھتے ہیں، مگر میں محمد کو بحیثیت آدمی کے دیکھتا اور اعظم سمجھتا ہوں۔" اس کے بعد اُس نے اپنے چند اشعار درج کیے ہیں جن میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اور قرآن کی محکم آیات کی تعریف کی ہے جو ترقی کو رسم ورواج کی زنجیروں سے جکڑنے سے منع کرتیں اور اپنی دانائی واثر سے انسانوں کی اصلاح کرتی ہیں

آخری شعر یہ ہیں

مبیانہ اسانی علی اہل المعلی ولسمہ اُمحی علی العامات

(اپنے بیاں سے تمام دانشمندوں سے بڑھ گیا اور اپنی تلوار سے سروں پر متوجہ ہوا)

من دونہ الابطال من کل الوریٰ من سابق او حاضر او آت

(دنیا میں آج تک جتنے سورما اور بڑے آدمی گزرے ہیں، سب اس سے کم ہیں)

تمام قوموں میں اس حقیقت کے ماننے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، لیکن تمام جہانوں کے چلانے والے پروردگار کے منکروں کی تعداد بہت کم ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں پر کھلی حجت ہیں کیونکہ آپ کی پرورش، تربیت، آپ کی جبلی سچائی، پھر ادھیڑ ہوجانے پر آپ کا یہ علوم لانا جو ہر زمانہ میں تمام انسانوں کے جملہ معاملات کی اصلاح کرنے والے ہیں، بشرطیکہ انسان انہیں سمجھیں، اُن سے رہنمائی حاصل کریں

اور انہیں وحیِ الٰہی یقین کریں۔ اپنی انہی خصوصیتوں کی وجہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم خود خالق و حکیم پروردگار کے وجود کی حجت و برہان بن گئے ہیں، بلکہ طبیعی و عقلی حجتوں کا بھی مجموعہ ہیں۔

اب میں ان اصلاحی علوم کی چند مبادیں پیش کرتا ہوں، لیکن اس سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصر تمہید میں قرآن کے اسلوب، اور اس کے مبادی علوم کو نہایت ہی حیرت انگیز ڈھنگ سے متفرق سورتوں میں پراگندہ کر دینے کی حکمت پر بھی گفتگو کر لی جائے۔ یہ چیز میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں، مگر یہاں خود قرآنی اسلوب کی پیروی کر کے ان مطالب کو فوائد کے اضافہ اور توضیح کے ساتھ دہراتا ہوں۔

قرآن کا خاص اسلوب، اُس کی حکمت، اور اُس کا اعجاز

اگر قرآن کے عقائد کو، یعنی اللہ پر، اُس کی صفات پر، اُس کے ملائکہ پر، اُس کی کتابوں پر، یوم آخرت پر، ثواب و عذاب پر، جنت و دوزخ پر ایمان کو، اور اگر عبادات، طہارت، نماز، زکاۃ، روزہ، حج دعا، ذکر کو، فقہ کی کتابوں کی طرح قرآن کی چند سورتوں میں جمع کر دیا جاتا اور اگر آداب، حکمتیں، واجب و مستحب نیکیاں، پھر برائیاں اور حرام و مکروہ اعمال، پھر اُن کے مناسب حال ترغیب و ترہیب، وعظ و پند، خوف و رجا پیدا کرنے والی نصیحتیں، کتبِ اخلاق کی طرح چند دوسری

سورتوں میں درج کر دی جاتیں۔ اسی طرح قرآں کے قوانین، شخصی، سیاسی، جنگی، شہری احکام و تعزیرات، کتب قانون کے طریقہ پر یکجا کر دی جاتیں۔ پھر پیغمبروں کے قصے، اُن کی عبرتیں، اور قوانین قدرت کو تاریخی کتابوں کے طریقہ پر ایک ساتھ مرتب کر دیا جاتا، اگر یہ سب چیزیں اور قرآں کے دوسرے مقاصد اسی طرح علحدہ علحدہ مرتب ہوتے جیسے توراۃ کی کتابیں مرتب کی گئی ہیں جس کے مرتب کرنے والے کو کوئی نہیں جانتا، یا جس طرح فقہ، قانون، یا دوسرے علوم کی کتابیں ترتیب دی گئی ہیں، تو ایسا کرنے سے قرآں ایسے ایک اہم تریں مقصد کو کھو بیٹھتا جو اول درجہ کا مقصد ہے، اور وہ مقصد یہ ہے کہ جو اُس کی تلاوت بھی عبادت کا ذریعہ ہے، اور اُس کی چند سورتوں کا حافظ بھی ایماں، مسائل احکام اور بہت سی نصیحتوں کو حفظ کرلے سکے جو تمام سورتوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اگر مذکورہ بالا طریقہ پر قرآں کی ترتیب ہوتی، تو اُس کی ہر سورت میں ایک ہی موضوع بحث ہوتا۔ بعض سورتوں میں طلاق یا حیض ہی کے احکام ہوتے، اور تلاوت کرنے والا اُس سے ایک دو چار مرتبہ بعد ضرور اکتا جاتا لیکن موجودہ ترتیب یہ ہے کہ اُس کی ہر سورۃ حتیٰ کہ چھوٹی سے چھوٹی سورۃ میں بھی ہدایت کے کئی کئی مسائل آ گئے ہیں، مثلاً سورۂ فیل اور سورۂ قریش ہی کو دیکھ لو (یہ دونوں باہم وابستہ ہیں حتیٰ کہ اپنے

اعراف میں بھی) اس میں دو تاریخی واقعے بیان کیے گئے ہیں اور ان واقعوں کو مشرک قریشیوں کے خلاف حجت بنا دیا گیا ہے تاکہ وہ اُس اللہ کی توحید وعبادت پر آمادہ ہو جائیں جس نے خانۂ کعبہ کی حفاظت کر کے اُن پر احسان کیا ہے، وہ کعبہ جس پر اُن کی عزت، بحر و بزرگی، تجارت، زندگی کا مدار ہے ـــــــ اگر یہ ترتیب نہ ہوتی تو قرآن اپنے اعجاز کی ایک اہم صنف سے محروم ہو جاتا۔

اللہ رب العالمین اور علیم وحکیم خدا کے اتارے ہوئے اِس قرآن کی ترتیب و اسلوب میں بے شمار فوائد ہیں۔ تمام مقاصد و مطالب باہم ملا دیے گئے ہیں۔ مختلف مناسبتوں سے چھوٹی بڑی سورتوں میں پھیلا دیے گئے ہیں۔ بلیغ عبارتوں میں دُہرا دیے گئے ہیں جو دل کو موہ لینے والی، جذبات کو حرکت میں لانے والی، اور تلاوت میں دلوں کو اُکتا نے سے باز رکھنے والی ہیں۔ پھر قرآن کی تلاوت بھی ترتیل کے ساتھ رکھی گئی ہے۔ اُس کے لئے بھی خاص ہیں۔ آیتوں کے فواصل ایسے وقفوں اور طرح طرح کے لحنوں کے متحمل ہیں جن سے قلب میں خشوع پیدا ہوتا، پروردگار کی خشیت بڑھتی، اُس کی رضوان ورحمت کی امید بندھتی۔ اُس کی ناراضی سے ڈر پیدا ہوتا، اور اُس کی سنتوں سے ایسی ایسی عبرتیں حاصل ہوتی ہیں کہ کسی انسانی کلام میں، چاہے نظم ہو یا نثر،

خطابت ہو یا شعر، اُس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ اسے اِس منفرد اندازِ بیاں، اس درجہ حسین ترتیب، اور بے مثل بلاغت کی وجہ سے قرآن ایسا ہو گیا ہے جیسا کہ کہا گیا ہے "اِس قرآن کی جدّت کبھی پرانی ہوگی نہ بار بار دُہرانے سے اُس کی آب و تاب میں کمی آئیگی"۔ اِس کی حکمت اور اِس کی غرض جو دو واقعات سے معلوم ہو جائیگی جو پیش آچکے ہیں، اور جن کی مختصر تفصیل حسب ذیل ہے۔

وہ انقلاب جو قرآن نے پیدا کیا

قرآن، ایک کتاب ہے جو ایک ایسے آدمی پر نازل ہوئی جس پہلے ہی انسانی فطرت پر نشو و نما پائی تھی جس کی عقل، سلیم تھی۔ جس کا دل صاف تھا۔ اخلاق پاک تھے۔ نہ دینی رسموں نے اُس پر قبضہ کیا تھا، نہ دنیوی خواہشوں کا اُس پر تسلّط تھا۔ یہ کتاب اِس لیے نازل ہوئی کہ عرب میں پھر تمام دنیا میں ایسا زبردست انقلاب برپا کر دے جو عالم انسانیت کو شرک و بت پرستی کی تمام گندگیوں سے پاک کر دے جنہوں نے انسان کو اُس کے اُفقِ اعلیٰ سے نیچے گرا دیا ہے حتیٰ کہ وہ اپنے سے بھی کمتر مخلوق کی پرستش کرنے لگا ہے۔ اور جرح کی اُن تمام بدعتوں اور جھوٹی مذہبی پابندیوں کا قلع قمع کر ڈالے جنہوں نے انسان کی عقل کو اُڑی اور اُس کی آزادی چھین لی ہے، جنہوں نے پیغمبروں کی توحید کو شرک

بنا دیا ہے۔ اُس کے حق کو باطل کے قالب میں ڈھال دیا ہے، اور اُس کی ہدایت کو گمراہی بنا دیا ہے۔ اور ظالم بادشاہوں اور جابر و قاہر سرداروں کے استبداد کو بھی جڑ سے اکھاڑ پھینکے جس نے انسان کی مردانگی ضائع کر ڈالی ہے، خودداری برباد کر ڈالی ہے، ارادہ چھین لیا ہے غرضیکہ قرآن اِس لیے آیا کہ انسانی عقل اور انسانی ارادے کو تمام جھوٹی پابندیوں سے آزاد کر دے جو ذلت و مسکنت میں مبتلا کرنے والی ہیں، تاکہ اِس کتاب سے ہدایت حاصل کرنے والا ہر آدمی آزاد و خوددار بن جائے، ایسے پروردگار کا لاشرکت غیرے بندہ ہو جائے، اور اپنی مادّی و معنوی قوتوں کو اپنی ذات اور اپنی نوع کی تکمیل میں خرچ کر سکے۔

اِس قسم کا انسانی انقلاب صرف قرآن ہی کے اِس اصول پر برپا ہو سکتا ہے کہ

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ۔	خدا کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلے۔

اب غور کرنا چاہیے کہ قومیں اپنے عقائد، اخلاق، اور خصائل از خود کیسے بدل سکتی ہیں جو موروثی عادتوں اور راسخ عادتوں نے اُن میں پختہ کر دی ہیں؟

کیا یہ تبدیلی اِس طرح ممکن ہے کہ ایک مصلح اٹھے اور ایک

خشک تعلیمی کتاب لکھ کر لوگوں سے کہدے کہ تم سب گمراہ و فاسد ہو گمراہ کن اور مفسد ہو، ادھر آؤ، اِس کتاب کی پیروی کرو، ہدایت پاؤ گے، تمہاری اصلاح ہو جائیگی ؟ یا وہ کوئی قانون نامہ طیار کر کے اُس کے دیباچہ میں لکھ دے کہ اس قانون کو نافذ کر دو، تمہارے حقوق محفوظ ہو جائیں گے اور تمہاری قوم و ملک کو عزت و اقتدار حاصل ہو جائے گا؟ یہ کیونکر ممکن ہے جبکہ فاسد و مفسد لوگوں نے خود اپنے پیغمبروں کی کتابوں میں بھی بدنیتی سے تصرّف کر دیا ہے اور اپنے مصلح و داناؤں کے قوانین پس پشت ڈال دیئے ہیں (جیسا کہ بعد کے مسلمانوں نے بھی کیا ہے) قانون تو ان کا علاوہ منظّم و طاقتور حکومتوں کے بیسیوں ہیں جو انہیں نافذ کرنے کی قدرت رکھتی ہیں، لیکن ایسی صورت حال، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کہاں میسّر تھی جو اگرچہ حجت و براہان کے ساتھ آئے تھے، مگر تن تنہا تھے۔ نہ کوئی قوت رکھتے تھے نہ اپنی قوم میں سے کوئی مددگار؟ لیکن یہ واقعہ ہے کہ آپ سب سے زیادہ عدل پرور اصول لائے تھے جن کی بنیادوں پر آپ کی قوم مناسب حالات میں اپنی سلطنت کے قوانین بنا سکتی تھی جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا۔

نہیں، ہرگز نہیں، یہ کایا پلٹ صرف اُسی طرح ممکن تھی جس طرح پیش آئی۔ یہ صرف قرآن ہی کا عربی قوم پر گہرا اثر تھا جو تمام بدی اور

متمدّن قوموں میں ظہورِ اسلام کی سب سے زیادہ فطری صلاحیت رکھتی تھی، جیسا کہ ہم بہ تفصیل اپنی کتاب "خلاصۂ سیرتِ محمدی" میں بیان کر چکے ہیں اور جیسا کہ آیندہ بھی اشارہ کریں گے۔

اور یہ اس لیے کہ آدمی کی طبیعت کچھ اس طرح کی واقع ہوئی ہے کہ خواہشوں اور رسم و رواج کے مقابلہ میں وہ حق پر صرف یہ بتا دینے سے استوار نہیں ہو جاتا کہ یہ نیکی ہے، اسی پر چلو۔ یہ بدی ہے، اس سے بچو۔ یہ حق ہے، اس کی حمایت کرو۔ یہ باطل ہے، اسے توڑو۔ ہاں بعض افراد ایسے ضرور مل آتے ہیں، مگر جماعتیں اور قومیں ایسی نہیں ہوتیں۔ دلوں میں حق اور نیکی کے راسخ ہونے، اور عمل میں اس کے آثار ظاہر ہونے میں سنتِ الٰہی یہی ہے کہ حق اور نیکی کا ایمان ایسی صورت اختیار کرے گویا خود ضمیر کی آواز ہے اور قلب پر حاکم بن جائے۔ یہ آواز اتنی طاقتور ہو جائے کہ اپنی مخالف ہر خواہش، ترہیب، ترغیب، تکلیف، امید پر ہمیشہ بھاری رہے۔ یہ چیز بچوں میں علمی عملی تربیت سے اور والدین، رشتہ داروں اور ماحول کے نمونہ سے پیدا ہو سکتی ہے۔

لیکن عمر رسیدہ لوگوں میں حقِّ مطلق اور عام نیکی کے ایمان کو ضمیر کی آواز صرف اُسی طور سے بنایا جا سکتا ہے جس طور سے قرآن نازل ہوا ہے، کہ اُس نے آتے ہی نوجوانوں اور بوڑھوں کی طبیعتوں میں

اخلاق میں، عادات میں کُلّی انقلاب پیدا کر دیا، علم و عمل دونوں میں اُن کا رخ بالکل بدل دیا، اور اس حیرت انگیزی کے ساتھ کہ اُس کی نظیر انسانوں میں کبھی دیکھی نہیں گئی۔ اس طرح قرآن جہاں اپنی زبان اور اسلوب کے لحاظ سے معجزہ ہے، اپنے اثر کے لحاظ سے بھی معجزہ بن گیا، کیونکہ اُس نے انسانی سوسائٹی کی ایسی کایا پلٹ دی جو بالکل خارقِ عادت ہے۔

مثال کے لیے پیغمبروں کی اولاد، بنی اسرائیل کو لے لو انہوں نے مصر میں موسیٰ علیہ السلام کی کتنی نشانیاں دیکھیں، صحراءِ سینا میں سرگردانی کرتے ہوئے کتنے معجزے مشاہدہ کیے، اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ خود خدا اُن کی نگہبانی کر رہا ہے۔ خود اپنے کانوں سے اللہ کی آواز سنی جو آگ کے شعلوں سے آ رہی تھی ـــــ جیسا کہ توراۃ میں لکھا ہے، مگر ہم مسلمانوں کے ہاں بجز حضرت موسیٰ کے کسی اور سے خدا کی ہم کلامی ثابت نہیں ـــــ لیکن اس کے باوجود وہ اثر اُن کے دلوں سے دور نہ ہوا جو مصری بت پرستی، وہاں کے خرافات، وہاں کی کمینگی اور اخلاق کا اُن میں سرایت کر چکا تھا۔ اُنہوں نے موسیٰؑ کو بہت ستایا۔ بڑی بڑی تکلیفیں دیں۔ ہر حکم میں اُن سے ضد کی، حتیٰ کہ جب وہ اپنے پروردگار سے مناجات کرنے گئے تو انہوں نے سونے کے بچھڑے کو

یوجنا شروع کر دیا۔ جو خدا نے توراۃ میں انہیں موٹی اور کڑی گردن والی قوم بتایا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بہت غبی، ضدی، سخت دل، اور سرکش تھے۔ اُن کی حالت برابر یہی رہی یہاں تک کہ چالیس برس بعد وہ پوری نسل ختم ہو گئی اور نئی نسل اُن لوگوں کی آگئی جو مصر سے خروج کے وقت بچے تھے یا جو دو صحرا میں پیدا ہوئے تھے۔ یہ لوگ توحید و شریعت کو سمجھ سکے۔ اُس پر عمل کر سکے۔ اُس کے لیے جہاد کر سکے۔ مگر یہ سب موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ہوا۔

کہاں یہ سرکش بنی اسرائیل اور کہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب جنھوں نے قرآن سنے، پڑھے، اور سمجھے سے تربیت حاصل کی، جن میں ایمان پختہ ہو گیا، جنھوں نے اپنے سچے دین کی راہ میں بڑے ہی صبر کے ساتھ مشرکوں کے مظالم برداشت کیے، پھر ہجرت کے بعد اُن سے اور اُن کے مددگار، اہل کتاب (یہودیوں) سے جہاد کیا، اور عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی میں دونوں گروہوں کے کفر سے حجاز اور جزیرۃ العرب کو پاک کر دیا۔ محمدی بعثت کی پوری مدت، بیس سال ہے، یعنی یہودیوں کے زمانۂ بادیہ پیمائی کی آدھی مدت۔ اِس میں سے آدھا زمانہ، مکہ والوں کی دعوت و تبلیغ میں گزر گیا۔ باقی دس برس کے اندر ہی عربی انقلاب، اور تشریع و تنفیذ و جہاد سب کچھ پیش آیا ہے۔

پھر غور کرو کہ یہ اوّلیں مسلماں، کس طرح بے پناہ سیلاب کی طرح جزیرۃ العرب کے ہر گوشہ سے باہر نکلے۔ قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں اُلٹ ڈالیں جو اُس وقت دنیا میں سب سے بڑی تھیں۔ شرک اور ظلم کا اِن ملکوں سے قلع قمع کر ڈالا۔ توحید، حق، انصاف کو پھیلا دیا۔ قومیں جوق جوق دینِ الٰہی میں داخل ہونے لگیں، جبر و تشدد سے نہیں بلکہ اِن لوگوں کی ہدایت سے متاثر ہو کر۔ دین کے ساتھ اُنہوں نے عربی زباں بھی سیکھی، اور آدھی صدی کے اندر اندر اپنے اُستادوں کے ساتھ مل کر آدھا کرۂ زمین فتح کر ڈالا۔ یہ لوگ رحم و عدل میں ضرب المثل ہو گئے اور علماء احتیاجات اور قائدینِ امم کی حیرت کا موجب بن گئے۔

کہاں وہ قوم جسے خود خدا نے موسیٰؑ اور کڑی گردن والی قوم بتایا ہے اور کہاں محمدؐ کے پیروعن کا حال خود رب العالمین نے یوں بیان فرمایا ہے:۔

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ۖ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا۔	محمد رسول اللہ اور جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں کفار پر سخت اور باہم ہمدرد ہیں۔ تم اُنہیں رکوع اور سجود میں پاؤ گے، اللہ کے فضل و رضوان کی جستجو میں لگے رہتے ہیں۔

چنانچہ عمرؓ بن خطاب امیرالمومنین جو شروع میں بہت سخت مزاج اور سنگ دل تھے، اسلام کی ہدایت سے ایسے ہو گئے کہ رات کو اپنی بیوی کے ساتھ ایک فقیر عورت کے لیے کھانا پکاتے تھے جسے بچہ ہوا تھا۔ عورت کا شوہر بھی سامنے کھڑا تھا، مگر مدد نہیں کرتا تھا۔ اُسے معلوم نہ تھا کہ خود امیرالمومنین بیٹھے کھانا پکا رہے ہیں!

بے شک یہ کایا پلٹ صرف قرآن کے اثر سے ہوئی تھی جو اُس اسلوبِ بیان کا نتیجہ تھا جسے ہم مصحف (قرآں کی جلد) میں دیکھتے ہیں۔ اِسی قرآں سے ہی صلی اللہ علیہ وسلم مشرکوں پر جہاد کرتے تھے جیسا کہ خدا نے حکم دیا تھا:

فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا (۲۵ ۵۲)	کافروں کی اطاعت نہ کرو بلکہ قرآن کے ذریعہ اُن پر بڑا جہاد کرو۔

اِسی قرآں سے آپ نے مومنین کو تربیت دی اور انہیں پاک کیا۔ پھر اِسی قرآن کی رہنمائی اور اُس کے مبلغ صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونہ سے صحابہؓ نے قوموں کی تربیت کی اور انہیں مہذب بنا دیا۔ آج بھی جو شخص اُسی طرح قرآں پڑھے، جس طرح وہ لوگ پڑھتے تھے، تو اُس سے ہدایت پائے گا، ٹھیک اُسی طرح جس طرح اُنہوں

پھر غور کرو کہ یہ اوّلیں مسلمان، کس طرح بے پناہ سیلاب کی طرح جزیرۃ العرب کے ہر گوشہ سے باہر نکلے۔ قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں اُلٹ ڈالیں جو اُس وقت دنیا میں سب سے بڑی تھیں۔ شرک اور ظلم کا اِن ملکوں سے قلع قمع کر ڈالا۔ توحید، حق، انصاف کو پھیلا دیا۔ قومیں جوق جوق دینِ الٰہی میں داخل ہونے لگیں، جبر و تشدد سے نہیں بلکہ اِن لوگوں کی ہدایت سے متاثر ہو کر۔ دین کے ساتھ انہوں نے عربی زبان بھی سیکھی، اور آدھی صدی کے اندر اندر اپنے اُستادوں کے ساتھ مل کر آدھا کرۂ زمین فتح کر ڈالا۔ یہ لوگ رحم و عدل میں ضرب المثل ہو گئے اور علماء اجتماعیات اور قائدینِ اُمم کی حیرت کا موجب بن گئے۔

کہاں وہ قوم جسے خود خدا نے موٹی اور کڑی گردن والی قوم بتایا ہے اور کہاں محمدؐ کے پیروؤں کا حال جو ربّ العالمین نے یوں بیان فرمایا ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا۔	محمدؐ رسول اللہ اور جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں، کفار پر سخت اور باہم ہمدرد ہیں۔ تم انہیں رکوع اور سجود میں پاؤ گے، اللہ کے فضل و رضوان کی جستجو میں لگے رہتے ہیں۔

چنانچہ عمر بن خطاب امیر المومنین جو شروع میں بہت سخت مزاج اور سنگ دل تھے، اسلام کی ہدایت سے ایسے ہو گئے کہ رات کو اپنی بیوی کے ساتھ ایک فقیر عورت کے لیے کھانا پکاتے تھے جسے بچہ ہوا تھا۔ عورت کا شوہر بھی سامنے کھڑا تھا، مگر مدد نہیں کرتا تھا۔ اُسے معلوم نہ تھا کہ خود امیر المومنین بیٹھے کھانا پکا رہے ہیں!

بے شک یہ کایا پلٹ صرف قرآن کے اثر سے ہوئی تھی جو اُس اسلوب بیان کا نتیجہ تھا جسے ہم مصحف (قرآن کی جلد) میں دیکھتے ہیں۔ اسی قرآن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مشرکوں پر جہاد کرتے تھے جیسا کہ خدا نے حکم دیا تھا:

فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا (۲۵ : ۵۲)	کافروں کی اطاعت نہ کرو بلکہ قرآن کے ذریعہ اُن پر بڑا جہاد کرو۔

اسی قرآن سے آپ نے مومنین کو تربیت دی اور اُنہیں پاک کیا۔ پھر اسی قرآن کی رہنمائی اور اُس کے مبلّغ صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونہ سے صحابہؓ نے قوموں کی تربیت کی اور اُنہیں مہذب بنا دیا۔ آج بھی جو شخص اُسی طرح قرآن پڑھے، جس طرح وہ لوگ پڑھتے تھے، تو اُس سے ہدایت پائے گا، ٹھیک اُسی طرح جس طرح اُنہوں

نے ہدایت پائی تھی حالانکہ لسی، قُوی استعداد اور زمانہ میں جو ترقی ہو گیا ہے، محتاج بیان نہیں۔ اگر قرآن، علمی اور قانونی کتابوں کے اداریر ہوتا، تو ہر گز یہ اثر پیدا نہیں کر سکتا تھا جس سے عربوں کی کایا پلٹ دی اور انہوں نے عجمی قوموں میں انقلاب پیدا کر دیا اُس وقت کے مسلمان ویسے تھے جیسا کہ خود خدا نے فرمایا ہے۔

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ، وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْکِتٰبِ لَکَانَ خَیْرًا لَّهُمْ، مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَکْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ (۳ ۱۱)	اے مسلمانو تم بہترین امت ہو جو لوگوں کی ہدایت کیلئے اٹھائی گئی ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو برائی سے منع کرتے ہو، اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اگر اہل کتاب ایمان لے آئیں تو اُن کے حق میں اچھا ہے۔ اِن میں سے کچھ ہی مومن ہیں اور اکثر فسق میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

اِن اوّلیں مسلمانوں کو قوموں کی سیاست و انتظامات کا کچھ بھی علم نہ تھا۔ اُن کے سامنے صرف قرآن تھا اور اُس کے اوّلیں مبلّغ و مقنّد صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ تھا۔ مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ اگر واپس آ سکتی ہے تو صرف اُسی وقت جب وہ قرآن کی ہدایت پر واپس آ جائیں گے، اُس کے انقلاب کو از سر نو جاری کریں گے۔ اللہ کی لعنت ہو اُن لوگوں پر جو یہ کہہ کر مسلمانوں کو قرآن

سے باز رکھتے ہیں کہ ہمارے مشایخ کی کتابوں نے ہمیں قرآن پر اور اُس کے شارح علیہ السلام کی سنت پر عمل سے بے نیاز کر دیا ہے، حالانکہ یہ کتابیں ہر اُس چیز سے خالی ہیں جو ایمان کو زندہ، ہمت کو بلند روح کو پاک، اور دلوں میں عمل کا ولولہ پیدا کرتی ہے۔

عربوں میں قرآن کا اثر دو قسم کا تھا

عربوں میں قرآن نے دو قسم کا اثر و انقلاب عظیم پیدا کیا تھا: اول یہ کہ اُس نے اُنہیں اسلام کی طرف کھینچا۔ دوسرے یہ کہ اُنہیں پاک کیا، اور جہل و فساد کو بدل کر اُس کی جگہ نیکیاں پیدا کر دیں، یہاں تک کہ اِس سے وہ اصلاح رونما ہوئی جو تمام جہاں کے لیے عام ہو گئی۔ یہاں گنجایش کے موجب تفصیل دی جاتی ہے۔

ہم بارہا بتا چکے ہیں کہ خدا نے قوم عرب خصوصاً قریش اور اُن کے پڑوسیوں کو اِس عام انسانی اصلاح کے لیے طیار کر رکھا تھا جس کا وہ فیصلہ فرما چکا تھا، اور یہ اِس لیے کہ یہ لوگ سب قوموں سے زیادہ سلیم فطرت رکھتے تھے۔ سب سے زیادہ ترقی یافتہ زبان کے مالک تھے۔ اپنے عقل و ارادہ میں سب سے زیادہ خود مختار تھے، کیونکہ وہاں نہ مستبد اولیسد بادشاہ موجود تھے، نہ روحانی اقتدار رکھنے والے دینی پیشوا، جو اُن کے عقائد و خیالات سے کھیلتے اور اپنی خواہشوں پر

اُنہیں قربان کر سکتے۔

چنانچہ جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم، حق کی طرف بلانے والے اس قرآن کو لیکر مبعوث ہوئے تو وہ لوگ آپ کی دعوت قبول کرنے کی سب سے زیادہ فطری استعداد رکھتے تھے، لیکن سرداران قریش اپنی تونگری، جھوٹی بڑائی، شہوت پرستی، اور عیش پسندی میں عجمی بادشاہوں سے ملتے جلتے تھے، پھر چونکہ بیت اللہ الحرام کے مجاور تھے، وہ بیت المقدس کی تعظیم سے عربوں کے دل زمانۂ ابراہیمؑ و اسماعیلؑ سے لبریز تھے، اس لیے اُن میں دوسری قوموں کے دینی پیشواؤں کا سا ایک مذہبی اقتدار بھی پیدا ہو گیا تھا ـــــ اِن لوگوں نے دیکھا کہ یہ دین ـــ اسلام ـــ اُنہیں اُن کی اس پشتہا پشت کی بزرگی سے محروم، اور شاید ہی دستوں اور غلاموں کو اُن پر فوقیت دیدے گا پھر یہ دین اُنہیں اور اُن کے مایہ ناز بزرگوں پر کفر، جہل، ظلم، فسق کا حکم لگاتا اور اُنہیں چوپایوں سے مشابہت دیتا ہے ـــــ لہذا اُنہوں نے اپنی تمام طاقتیں اور اپنا پورا اقتدار اس بات کے لیے وقف کر دیا کہ محمدؐ کو اُن کی دعوت سے روکیں، اگرچہ یہ مقصد اسی طرح حاصل ہو کہ محمدؐ کو اپنا بادشاہ اور اپنا سب سے زیادہ تونگر آدمی ہی کیوں نہ بنالیں۔ سرداران قریش نے ابھی یہ تجویز جب آپ کے چچا ابو طالب

کے ذریعہ بیتیں کی تو آپ نے جواب میں نہایت ہی لطف فرمائے۔ کہا "میرے پیارے چچا، اگر یہ لوگ سورج کو میرے دائیں ہاتھ پر اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ پر اتار کر رکھ دیں تو بھی میں اس معاملہ کو چھوڑنے والا نہیں یہاں تک کہ خدا اسے غالب کر دے یا میں اسی راہ میں مر جاؤں!"

یہ جواب سن کر یہ لوگ ناامید ہو گئے اور فیصلہ کر لیا کہ زور دتشدد سے آپ کی دعوت کو روکیں گے۔ بازاروں، میلوں، اور خانہ کعبہ میں لوگوں کو آپ تک پہنچنے نہ دیں گے۔ آپ کی دعوت پر لبیک کہنے والوں پر ظلم کریں گے، الّا یہ کہ کسی کا کوئی طاقتور حامی موجود ہو اور یہ اُس کے ڈر سے اُسے ستا نہ سکیں۔

متکبّر سرداران قریش سب سے زیادہ اس حقیقت سے واقف تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے۔

فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَٰكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ	اے پیغمبر، وہ آپ کو نہیں جھٹلاتے ہیں بلکہ ظالم، آیات الٰہی کا جان بوجھکر انکار کرتے ہیں۔

لیکن ان لوگوں نے محض اپنی سرداری اور اپنی خواہشوں کے خیال سے حق سے سرکشی کی اور تکبر کی راہ سے اُسے چھوڑ دینا چاہا۔

حالانکہ عربوں میں سب سے زیادہ اُنہی کو قرآن کا پیام قبول کرنا تھا،

وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا۔	اُنہوں نے اللہ کی آیتوں کا ظلم و تکبر کی راہ سے انکار کیا حالانکہ اُن کے دلوں میں اُن کا یقین پیدا ہو چکا۔

اور یہ بالکل فرعون وقاروں وہاماں کی طرح۔

مشرکین عرب پر قرآن کا اثر

ہم نے کہا ہے کہ عربوں پر قرآن کا اثر دو قسم کا تھا: مشرکوں پر اُس کا اثر، اور مومنوں پر اُس کا اثر۔ پہلا اثر، قرآن کی بلاغت اور اُس کی ترتیب و اسلوب کی حیرت انگیزی کا نتیجہ تھا جو سب کو مجبور کرتی تھی کہ اُس کی دعوت کو سمجھیں اور اُس پر ایمان لائیں، کیونکہ جو کوئی بھی اُسے سمجھے گا، اُس کی خوبی کا ضرور قائل ہو جائے گا۔ تمام عربوں کی سمجھ یکساں نہ تھی۔ وہ قرآن کو اپنی اپنی سمجھ اور بلاغت اور اعلیٰ مطالب کے فہم میں اپنے مختلف درجوں ہی کے مطابق سمجھ سکتے تھے۔

قرآن کا یہی وہ بے پناہ اثر تھا جس نے ولید بن مُغیرہ مخزومی کو مجبور کیا کہ ابوجہل سے اقرار کرے کہ قرآن ایک ایسا حق ہے جو غالب رہنے والا ہے اور اُس پر کوئی اور چیز غالب نہیں ہو سکتی، اور یہ کہ قرآن ہر دوسری چیز کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دینے والا ہے۔ یہ بات اُس کی عقل کے

زور اور ضمیر کی گہرائیوں سے نکلی تھی اور حضرت ابوجہل نے بہت مجبور کیا تو وہ اپنے اس اعتراف کے خلاف جو کچھ کہہ سکا، وہ بہت ہی سوچ بچار کا نتیجہ تھا۔ ضمیر کے خلاف تھا۔ بڑی دماغی کاوش کی پیداوار تھا، جیسا کہ صفحہ ۱۲۲ میں مذکور ہو چکا۔

قرآن کا ہی وہ عجیب اثر تھا کہ قریش کے سرکش و منکر سردار ایک طرف سب کو قرآن سننے سے منع کرتے تھے اور دوسری طرف خود اپنا یہ حال تھا کہ راتوں کو چھپ چھپ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کے پاس جاتے تھے تاکہ آپ کی تلاوت سنیں، پھر واپسی میں جب ایک دوسرے کو دیکھ لیتے تھے تو آپس میں برا بھلا کہتے تھے کہ کیوں قرآن سننے گئے!

قرآن کا ہی وہ اثر تھا جس کی وجہ سے سرداران قریش نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو منع کر دیا تھا کہ رات میں مسجد حرام کے اندر نماز پڑھیں یا قرآن تلاوت کریں، کیونکہ آپ کی تلاوت اور نماز میں آپ کا گریہ، لوگوں کو اسلام کی طرف کھینچتا تھا۔ قریشی سرداروں نے اپنی اس ممانعت کا سبب یہ بتایا کہ حضرت صدیق اُن کی عورتوں اور بچوں کو گمراہی میں مبتلا کر رہے ہیں، اور یہ کہ انہیں ڈر ہے کہیں یہ عورتیں اور بچے انہیں اسلام کے معاملے میں بے بس و مغلوب کر ڈالیں۔ اِن لوگوں نے حضرت

صدیق پر اتنی سختی کی کہ آپ نے ہجرت کی ٹھان لی، چنانچہ مکہ سے نکل کھڑے ہوئے، مگر راستہ میں ابن الدغنہ سے ملاقات ہوگئی جو اپنے قبیلہ کا سردار تھا۔ اُس نے ہجرت کا سبب پوچھا۔ آپ نے تمام ماجرا کہہ دیا، یہ شخص حضرت ابوبکر کو اور اُن کی جو بیوں کو ہمیشہ سے جانتا تھا، اُس نے اُنہیں اپنی پناہ میں لے لیا اور مکہ میں لوٹا لایا۔ مکہ میں واپس آنے کے بعد آپ نے پھر تلاوت شروع کر دی اور عورتوں اور لڑکوں نے آکر اُسے سننا شروع کر دیا۔ یہ دیکھکر قریش نے ابن دغنہ کو مجبور کیا کہ حضرت ابوبکر پر دباؤ ڈالے کہ قرآن بلند آواز سے نہ پڑھیں اور اگر نہ مانیں تو اُنہیں پناہ سے خارج کر دے۔ حضرت ابوبکر کو جب پتا ہوا تو انہوں نے اُس کی پناہ کا وعدہ خود ہی واپس کر دیا کہ اللہ کی پناہ کافی ہے۔ اس واقعہ کو بخاری نے باب الہجرت میں روایت کیا ہے اور ابن کثیر نے تفصیل آیت غار کی تفسیر میں درج کر دیا ہے (صفحہ ۳۶۲ جلد ۱)

قرآن کا یہی اثر دیکھکر قریشی سردار، طاقت کے زور سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خانہ کعبہ میں، میلوں میں، مجمعوں میں تلاوت سے روکتے اور آپس میں ایک دوسرے کو ایسا ہی کرنے پر اکسایا کرتے تھے، جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے :۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا | کافروں نے کہا اس قرآن کو مت سنو

تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ۔	اور اس کے مقابلے میں شور و غل کرو تاکہ تمھیں غلبہ حاصل ہو جائے۔

ایک فرانسیسی فیلسوف نے اس بات کی اہمیت کا اندازہ کیا
ہے اور عیسائی پادریوں کا یہ قول نقل کر کے کہ محمدؐ نے موسیٰ وعیسیٰ جیسے
معجزے نہیں دکھائے، لکھا ہے "محمدؐ قرآن بڑے ہی خشوع اور آہ و زاری
کے ساتھ تلاوت کرتے تھے اور اُن کی اس تلاوت کا سننے والوں پر وہ
اثر ہوتا تھا کہ پچھلے پیغمبروں کے تمام معجزوں کا بھی نہیں ہوا تھا۔ لوگ آپ
کی تلاوت سنتے ہی ایمان کی طرف کھنچ آتے تھے،، میں کہتا ہوں کہ اگر قرآن
الوحی اور فنی کتابوں کی طرح ہوتا، تو اُس کا وہ اثر ہرگز نہ ہوتا جو موجودہ
الٰہی اسلوب کا ہو چکا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم سے صرف اس قدر چاہتے تھے
قرآن سنا کر پروردگار کا پیغام لوگوں تک پہنچا نے دیں۔ چنانچہ خدا نے
آپ کو مخاطب کر کے فرمایا ہے۔

قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ	اے پیغمبر پوچھو کہ سب بڑی گواہی کون ہے؟ کہہ دو کہ اللہ تمھارے اور میرے مابین گواہ ہے اور یہ قرآن مجھ پر وحی کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ تمھیں اور اُن

(19:6) سب کو خبردار کردوں جن تک وہ

اور سورۂ نمل کے آخر میں فرمایا

إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ
رَبَّ هَٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِي
حَرَّمَهَا وَلَهُ كُلُّ شَيْءٍ وَ
أُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ
وَأَنْ أَتْلُوَ الْقُرْآنَ فَمَنِ اهْتَدَىٰ
فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ وَ
مَنْ ضَلَّ فَقُلْ إِنَّمَا أَنَا مِنَ
الْمُنْذِرِينَ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ
سَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ فَتَعْرِفُونَهَا
وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا
تَعْمَلُونَ۔

(۲۷: ۹۱، ۹۲، ۹۳)

مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے کہ اِس
شہر کے پروردگار کی پرستش کروں جس نے
اُس کو حرمت بخشی ہے اور ہر چیز اُسی
پروردگار کی ہے، اور مجھے حکم ملا ہے کہ
فرمانبرداروں میں سے ہو جاؤں، اور
یہ کہ اس قرآن کی تلاوت کروں، پس جو کوئی
ہدایت حاصل کرے تو اپنے ہی لیے ہدایت
حاصل کرے گا، اور جو گمراہ ہو جائے تو کہہ
دو کہ میں تو بس خبردار کر دینے والا ہوں،
اور کہو کہ تمام ستائش اللہ کے لیے ہے وہ عنقریب
تمھیں اپنی نشانیاں دکھائیگا اور تم انہیں پہچان
جاؤگے تیرا پروردگار ان لوگوں کے کرتوت
سے غافل نہیں ہے۔

قریش کے سردار سب سے زیادہ جانتے تھے کہ لوگوں کو اسلام کی
طرف کتنی کشش ہے، کیونکہ وہ اس کشش کو خود اپنے دلوں میں محسوس

کرتے تھے۔ پھر یہ بھی جانتے تھے کہ انکار و مخالفت کا وسامان اُن کے پاس مہیّا ہے، دوسرے عربوں کے پاس نہیں ہے، چنانچہ آپ کے چچا ابولہب نے اُن سے شروع ہی میں کہہ دیا تھا "اس شخص کا تدارک کرو قبل اِس کے کہ عرب اِس کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں"، اور انہوں نے یہی کیا۔ پھر جب انہوں نے دیکھا کہ آپ بڑی ثابت قدمی سے اپنی دعوت پھیلا رہے ہیں اور ہر طرح کی سختیاں برداشت کرتے چلے جاتے ہیں تو آپ کو اور آپ پر ایمان لائے والوں کو زیادہ سے زیادہ تکلیفیں دینا شروع کر دیں، اور جب یہ تمام تشدّد بھی کارگر نہ ہوا تو آپ کو قتل کر ڈالنے کا فیصلہ کر لیا۔ بیچارے مسلمانوں کو بار بار ہجرت پر مجبور کیا۔ اسی قدر نہیں بلکہ اُن سے اُن کے دارِ ہجرت اور اطراف میں جنگ بھی شروع کر دی، مگر خدا کی نصرت ہمیشہ اپنے پیمبر ہی کے ساتھ رہی یہاں تک کہ کفارِ قریش مجبور ہو گئے کہ ۶ھ میں حُدیبیہ کا صلحنامہ تحریر کریں۔ اس معاہدہ کی سب سے اہم دفعہ یہ تھی کہ مؤمنین کو اجازت ہوگی کہ مشرکین سے ملیں جلیں۔ اس شرط کا نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کی اشاعت ہونے لگی اور مشرک جوق جوق دین الٰہی میں داخل ہونے لگے۔ امن وامان کے چار سال میں اسلام نے اُس سے کہیں زیادہ ترقی کی جتنی ابتدائی سولہ سال میں کی تھی۔

مومنوں پر قرآں کا اثر

ہجرت سے پہلے جو شخص اسلام میں داخل ہوتا تھا، اُسے قرآں سکھا دیا جاتا تھا تاکہ اُس کی تلاوت سے عبادت کا ثواب پائے، اور نماز بتائی جاتی تھی۔ مکہ میں نماز کے سوا دوسرے ارکان اسلام فرض نہیں ہوئے تھے، چنانچہ مسلماں انہی نمازوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہوئے قرآں تلاوت کرتے تھے۔ خود آپ پر شروع اسلام ہی سے خدا نے تہجد کی نماز فرض کر دی تھی، چنانچہ آغاز سورۂ مزمل میں فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا، نِصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا، أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا۔	اے کپڑوں میں لپٹے والے، رات کو قیام کیا کر مگر تھوڑی رات، یعنی آدھی رات یا اس سے کچھ کم کر دے، یا اس سے کچھ بڑھا دے، اور قرآں خوب صاف صاف پڑھا کر۔

اور اسی سورۃ کے آخر میں ارشاد ہوا ہے:

إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِنْ ثُلُثَيِ اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَائِفَةٌ	تیرا پروردگار جانتا ہے کہ تو اور تیرے ساتھیوں میں سے کچھ لوگ دو تہائی رات اور آدھی رات اور ایک تہائی رات

مِنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔	کے قریب قیام کیا کرتے ہیں۔ رات اور دن کا پورا اندازہ اللہ ہی کرتا ہے۔ اُسے معلوم ہے کہ تم اسے ضبط میں نہ لاسکو گے لہٰذا اُس نے تم پر عنایت کی ہے، سو تم اُتنا قرآن پڑھو جتنا آسانی سے پڑھ سکتے ہو۔

صحابۂ کرام کی نسبت مروی ہے کہ راتوں کو اُن کے گھروں سے
تلاوتِ قرآن کے سبب ویسی ہی بھنبھناہٹ سی سنائی دیتی ہے جیسی شہد
کی مکھیوں کی ہوتی ہے۔ بعض صحابہ نے عبادت و تلاوت میں اتنا مبالغہ
کردیا تھا کہ رات بھر کھڑے مارے پڑھنے لگے یہاں تک کہ اُن کی عورتوں
کو شکایت کرنا پڑی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنہیں ایسا کرنے سے
منع کردیا۔ خود آپ ہر رات تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے جن میں ایک وتر
ہوتی تھی اور باقی تمام دو دو رکعتیں ہوتی تھیں۔ آپ کی نمازیں بھی بہت
دراز ہوا کرتی تھیں حتیٰ کہ کھڑے کھڑے قدم مبارک ورم کر آتے تھے۔
اس پر خدا نے آپ کو تسلّی دینے کے لیے یہ آیت نازل کی۔

طٰهٰ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ	اے پیمبر، ہم نے تجھ پر قرآن اس لیے نہیں اُتارا کہ تکلیف میں ہو جائے۔

پس صحابہ کی یہ تربیت جس نے جاہلیت کے تمام مفاسد اُن سے دور کر دیے تھے، جس نے اُنہیں پاک کر دیا تھا، جس نے تاریخ انسانی میں بے نظیر روحانی و اجتماعی انقلاب پیدا کر دیا تھا، تو یہ تربیت دراصل نماز میں اور نماز سے باہر قرآن کی کثرت تلاوت اور اُس میں غور و فکر ہی کا نتیجہ تھا۔ حالت یہ تھی کہ بعض بعض صحابہ رات رات بھر کھڑے ایک ہی آیت کو پڑھا کرتے اور اُس کے مطالب پر غور کرتے رہتے۔ وہ لیٹے جاتے پر بھی قرآن پڑھا کرتے تھے جیسا کہ خود قرآن میں ہے،
اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِہِمْ۔
سب سے بہتر ذکر الٰہی یہ ہے کہ اُس کی کتاب کی تلاوت کی جائے جس میں اُس کے اسمائے حسنیٰ، مقدس صفات، احکام، حکمتیں، قوانین اور کائنات کے نظم میں اُس کے افعال بیان کیے گئے ہیں۔ اگر قرآن، قانون اور علوم و فنون کی کتابوں کی طرح ہوتا تو نہ طبیعتوں پر اُس کا یہ اثر ہو سکتا، نہ عادتوں کو اس طرح بدل سکتا، بلکہ اُس کی تلاوت سے دل اُکتا جاتے اور اُسے چھوڑ دیتے۔ پس قرآن کا یہ اسلوب جسے ہم بتا چکے ہیں، اُس کے لغوی اعجاز اور اُس کے روحانی اثر میں بہت بلند مقام رکھتا ہے۔ جس کسی کو اس میں شک ہو، اُسے چاہیے کہ پہلے اُس کی کسی ایک سورۃ کے مسائل دیکھے پھر اُنہیں یا ویسے ہی مسائل کو اُسی سورۃ

کے پیرایہ میں یا کسی ایسی سورۃ کے پیرایہ میں لکھ جس میں ایک ہی بات کئی طرح بیان کی گئی ہے، مثلاً پیغمبروں کے حالات سے عبرت حاصل کرا جیساکہ مفصّلات (مثلاً الذاریات، القمر، الحاقۃ) میں موجود ہے، یا اُن سے بڑی سورتوں میں (مثلاً المؤمنون، الشعراء، النمل) یا جو اُن سے بڑی ہیں (جیسے الاعراف اور الھود) یہ سب کر چکنے کے بعد دیکھے کہ کس مضحکہ خیز ناکامی سے اُسے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

موجودہ زمانہ کے بعض علمار اجتماع نے بتایا ہے کہ دینی، سیاسی اور اجتماعی دعوتوں کے بار بار اعادہ و تکرار سے ہی قوموں میں جوش پیدا ہوتا ہے۔ وہ اُن میں مہمک ہوجاتی ہیں، اُن کے لیے جانیں قربان کرنے لگتی ہیں۔ یہ راز نہ محمدؐ جانتے تھے نہ اُن کے زمانہ کا کوئی اور آدمی، لیکن خدا قوموں کا مزاج اُن تمام حکمار و علمار سے زیادہ جانتا ہے جو اس وقت موجود ہیں یا آیندہ زمانوں میں موجود ہونگے۔ قرآں اسی خدا کا کلام ہے۔ اُس میں جوکچھ بھی تکرار سے، وہ اسی لیے ہے کہ ذہنوں میں انقلاب پیدا کرے، اور عقائد و اخلاق کو بدل کر بہتر سادے۔ قرآں نے جو انداز اختیار کیا ہے اُس کے بغیر اصلاحی انقلاب ممکن ہی نہ تھا جیساکہ آیندہ تفصیل سے معلوم ہوجائیگا۔

قرآن کے مقاصد اور اُن کی تکرار

انسانی افراد اور جماعتوں اور قوموں کی اصلاح کرنے، اُنہیں

سچّے شعور میں داخل کرنے، اُن کی انسانی اخوت و وحدت کو قائم کرکے اُن کی عقلوں کو بلند، اور دلوں کو پاک کرنے کے لیے قرآن کے بعض مقاصد ایسے ہیں کہ اُنہیں ایک دو یا چند مرتبہ بیان کر دینا کافی تھا۔ بعض ایسے ہیں کہ اُنہیں بار بار دہرانے کی ضرورت تھی تاکہ دل کی گہرائیوں سے موروثی خیالات، رسم و رواج، اور بُری عادتوں کی جڑیں نکال دیں، اور اُن کی جگہ نیکی کی تخم ریزی کریں اور نیکی کے پودوں کو پرورش کریں تاکہ وہ پھولیں اور پھلیں۔ بعض مقاصد ایسے ہیں کہ انہیں پورے کا پورا تا دینا چاہیے۔ بعض ایسے ہیں کہ اُن کی تکمیل بتدریج ہی ہو سکتی ہے۔ بعض ایسے ہیں کہ مستقبل ہی میں عملی صورت پا سکتے ہیں لہٰذا اُن کے لیے چند عام اصول وضع کر دیے گئے ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ اُن کے لیے صرف اشارہ و کنایہ ہی کافی تھا۔

قرآن، صرف تعلیم ہی کی کتاب نہیں ہے بلکہ تعلیم کے ساتھ عملی تربیت کی بھی کتاب ہے۔ لہٰذا اُس کے لیے مناسب نہ تھا کہ ہر مسئلہ کو ایک مرتبہ پوری وضاحت کے ساتھ بیان کر دے جیسا کہ علوم و فنون اور قوانین کی کتابوں میں کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی چیز کو بعثت محمدی کے سلسلہ میں فرمادیا ہے۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ اللہ نے ان پڑھوں میں جو اُنہی میں

رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔	سے ایک رسول بھیجا ہے جو اُن کے سامنے اُس کی آیتیں پڑھتا ہے، اُنہیں پاک کرتا، اور کتاب وحکمت سکھاتا ہے۔

ہم یہاں قرآنی مقاصد کی مبادیں بیان کرتے ہیں، کیونکہ ہم نے اِس کا وعدہ کیا تھا جب بتایا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ اپنے ساتھ لائے ہیں وہ اُس سب سے اعلیٰ و اکمل ہے جو آپ سے پہلے انبیاء وحکماء وحکّام لا چکے ہیں، لہذا یہ اِس بات کی دلیل ہے کہ قرآن، خدا ہی کی طرف سے ہے نہ کہ آپ کی شخصی استعداد کا نتیجہ۔ ہم ان قرآنی مقاصد کو چند قسموں پر تقسیم کیے دیتے ہیں، جس میں سے ہر ایک میں قرآن کی حکمت بیان کر دیں گے۔ ہم یہاں اختصار سے کام لینے پر مجبور ہیں۔ تفصیل کی نسبت ہمارا وعدہ ہے کہ اگر خدا نے چاہا تو قرآن کے تمام مقاصد علحدہ ابواب میں بیان کریں گے اور ہر باب میں دکھائیں گے کہ اس مقصد کی انسان کو کتنی ضرورت ہے، اور یہ کہ قرآن نے اِس مقصد کو پورا کر دیا ہے۔ یہ سب ہم آیات قرآنی ہی سے ثابت کر دیں گے۔

قرآن کا پہلا مقصد

دین کے ارکان ثلاثہ کی اصلاح

دین کی وہ تین مبادی اصلیں جنہیں لے کر تمام پیغمبر آئے اور جن پر انسان کی سعادت کا دار و مدار ہے، اس آیت کریمہ میں مذکور ہیں:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِئِیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (۲: ۶۲)	جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی ہے اور نصاریٰ اور صابئین (ان میں سے) جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور عمل صالح انجام دیتا ہے، تو ایسے لوگوں کا ثواب اُن کے پروردگار کے پاس ہے، اور ان کے لیے نہ کوئی خوف ہوگا، نہ وہ غم کریں گے۔

پہلی اصل: ایمان باللہ

دین کی پہلی اور سب سے بڑی اصل ——— اللہ تعالیٰ پر ایمان ہے۔ اس بارے میں تمام قومیں گمراہ ہو چکی ہیں، حتیٰ کہ وہ بھی جو پیغمبروں کے رہنما و ہدایت سے وابستہ قرار دی گئیں، چنانچہ ہر دلیل لے

اپنی گمراہی سے خدا کو انسان جیسا بنا دیا ہے جو تھک جاتا ہے اور انسان کے پیدا کرنے پر نادم ہوتا ہے، کیونکہ اُسے معلوم نہ تھا کہ انسان خود اُسی کا سا ہوگا یا "دیوتاؤں جیسا" ہوگا۔ بعض یہودی کہتے ہیں کہ خدا، انسان کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، حتیٰ کہ اُس نے اسرائیل سے کشتی لڑی اور اسرائیل کی گرفت سے اُس وقت تک نکل نہ سکا جب تک اُسے برکت نہ دیدی! پھر یہودیوں نے بَعْل اور دوسرے بتوں کی پرستش بھی کی ہے۔ اسی طرح عیسائیوں نے قسطنطین کے زمانہ سے پرانی بت پرستی زندہ کر دی ہے۔ دنیا میں شرک کا طوفان پھیلا دیا ہے، یہاں تک کہ عیسائیوں کے گرجے، پرانی بت پرستی کے مندروں کی طرح تصویروں اور بتوں سے لبریز ہو گئے ہیں، حالانکہ عیسائیوں کی تثلیث، صلیب، اور فدیہ کا عقیدہ، ہندوؤں سے ماخوذ ہے جو اُن کا جیسا تا نوب رکھتے ہیں۔ عیسائی اپنے اِس عقیدہ کو ایک خیالی اور نامعقول فلسفہ سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، بڑے بڑے بادشاہ اُسے رواج دیتے رہے ہیں۔ اِس کی راہ میں لاکھوں کروڑوں روپیہ صرف کیا جاتا ہے۔ بچوں کی اسی پر پرورش ہوتی ہے اور اُن کے ناسمجھ دلوں میں اُسے اِس طرح بٹھا دیا جاتا ہے کہ بعد میں اُن پر کوئی دلیل و حجت اثر نہیں کرتی۔

بت پرستی کے یہ مضبوط قلعے جو دہوں اور دلوں میں بنا دیے گئے ہیں، اُنہیں توڑنے کے لیے یہ کافی نہیں ہوسکتا تھا کہ توحید الٰہی کی ایک یا کئی دلیلیں دیدی جائیں، بلکہ ضروری تھا کہ تمام شبہات کو ایک ایک کر کے توڑا جاتا۔ عقلی، علمی، فطرتی دلیلوں کو مختلف عبارتوں میں شرح بسط سے بیان کیا جاتا۔ مثالیں دی جاتیں، اور طرح طرح سے سمجھایا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں جس مسئلے کو سب سے زیادہ دُہرایا گیا ہے، وہ یہی مسئلۂ توحید ہے۔ بار بار زور دیا گیا ہے کہ صرف اُسی ذات حق کی پرستش کرنی چاہیے، اور یہ کہ اُس کے سوا کچھ ہے اگرچہ کوئی بھی ہو، اُس ذات برحق کے مقابلہ میں نہ نفع پہنچانے کی قدرت رکھتا ہے نہ نقصان کی، بلکہ خود اپنے آپ کو بھی کوئی نفع نقصان نہیں پہنچا نہیں سکتا، مگر ہاں اُن اسباب کے ذریعہ جن میں تمام مخلوقات شریک ہیں جیسا کہ ہم بار ہا بتا چکے ہیں۔ قرآن میں توحیدِ ربوبیت کو، یعنی اس بات کو کہ صرف خدا ہی خالق ہے، وہی سب کچھ کرتا ہے، وہی ساری دنیا کو چلاتا ہے، وہی قانون بناتا ہے، تو اسے قرآن نے اس لیے بار بار بیان نہیں کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت میں شرک کرنے والے بہت لوگ تھے، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ توحیدِ ربوبیت کو یاد دلا کر شرکِ عبادت کو بے بنیاد ثابت کر دیا جائے۔ شرکِ عبادت یہ ہے کہ غیر اللہ کو اس

لیے پکارا جائے کہ اُس کے ذریعہ خدا سے تقرب حاصل کیا جائے یا سفارش و شفاعت کرائی جائے۔ سب سے بڑا، سب سے گہرا، اور کمزور عقلوں میں زیادہ پایا جانے والا شرک یہی ہے کہ آدمی اپنی کوئی تکلیف دور کرنے یا نفع حاصل کرنے کے لیے قدرتی اسباب سے کام نہ لے اور خدا کو چھوڑ کر کسی اور کی طرف متوجہ ہو جائے۔ قرآن میں دعا کا ذکر ستر مرتبہ بلکہ اس سے کہیں زیادہ آیا ہے، کیونکہ دعا ہی عبادت کی روح اور مغز ہے، بلکہ دعا ہی عبادت اور سراسر دینِ فطرت ہے۔ اس کے سوا جتنی عبادتیں ہیں، وہ حکم کے ذریعہ قائم کی ہوئی ہیں۔

قرآن میں دعا کی بعض آیتیں ایسی ہیں جن میں خدا سے دعا مانگنے کا حکم دیا ہے۔ بعض میں غیر اللہ سے دعا مانگنے کی بالکل ممانعت کی ہے۔ بعض میں شرک کے ابطال یا توحید کے ثبوت کی دلیلیں ہیں۔ بعض میں مثالیں ہیں جو دونوں صورتوں کو مناسب حال موثر رنگ میں پیش کرتی ہیں۔ بعض میں بتایا گیا ہے کہ غیر اللہ کی دعا نہ مفید ہے نہ مقبول، اور یہ کہ آدمی جس ماسوا کو پکارتا ہے، اُسی کا بندہ بن جاتا ہے، اور یہ کہ افضل ترین نیک بندے مثلاً فرشتے اور پیغمبر صرف خدا ہی کو پکارتے اور اُس کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں۔ اُس کی رحمت کی آرزو رکھتے ہیں۔ اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں، اور یہ کہ قیامت کے دن وہ اُن سب

لوگوں کے شرک سے بیزاری ظاہر کریں گے جو خدا کو چھوڑ کر یا اُس کے ساتھ اُنہیں پکارا کرتے ہیں۔ اسی طرح کی اور بہت سی باتیں ہیں جن کا ذکر طوالت کا موجب ہے۔

قرآن میں ایمان الٰہی سے متعلق بہت سی آیتیں ہیں جو توحید کی پرورش کرتی، معرفت الٰہی کے مختلف ملند درجوں پر موحّدوں کی پہنچاتی، محبت الٰہی کا جوش وجذبہ پیدا کرتی، اور تنزیہ و تقدیس و تسبیح کا ولولہ پیدا کرتی ہیں۔ ان آیتوں میں خدا کے اسماء حسنیٰ کو مختلف شرعی احکام حتیٰ کہ طہارت، عورت، میراث، اور مالیات کے احکام کے ساتھ ملا کر ذکر کیا گیا ہے۔ کائنات کی تخلیق و تدبیر کی حکمتوں، اور نوامیس فطرت کو اُن کے ساتھ ملا دیا گیا ہے۔ رحمت، علم، حکمت، قدرت، مشیئت، حلم و عفو، مغفرت، محبت، رضا وغیرہ وغیرہ کے مناسب ہر اسم الٰہی کو رکھا گیا ہے۔ اُسی ذات حق پر توکل کرے، صرف اُسی سے ڈرے، صرف اُسی کی مہربانی سے آس لگائے کا حکم دیا گیا ہے۔ غرضکہ نہایت ہی عجیب ترتیب رکھی گئی ہے۔ غور کرو، اعلیٰ روحوں کو خدا کے کمال مطلق اور اُس میں فنا ہو جانے کے لیے کس کس مؤثر طریقوں سے جذب کیا گیا ہے۔ سورۂ حشر کی آخری آیتیں دیکھنے کے بعد سورۂ حدید کے آغاز

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ
هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ
وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ

تسبیح کی ہر اُس نے جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے اللہ عزت وحکمت والا ہے۔ وہ اول ہے آخر ہے ظاہر ہے۔ باطن ہے۔ اور ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔

عارف ولیوں اور ربانی اماموں نے کثرتِ ذکر و تلاوتِ کتاب سے تربیت حاصل کرنے کے بعد معرفتِ الٰہی اور اسرارِ کائنات پر اپنی کتابیں ایسی ہی آیتوں سے مطالب اخذ کر کے لکھی ہیں۔

یہ تکرارِ مطالب، جس نے قرآں کے معجز اسلوب کو دلوں کے لیے ایسا مقبول بنا دیا ہے کہ کوئی اُس سے اکتاتا نہیں، تو اسی کے ذریعہ خدا نے عرب کی عقلیں اور دل، شرک کی گندگی اور بت پرستی کے خرافات سے پاک کر دیے تھے۔ اعلیٰ اخلاق اور بلند خصلتیں پیدا کر دی تھیں صرف عرب ہی نہیں بلکہ غیر عربوں کا بھی یہی حال ہوا جب وہ اللہ پر ایمان لائے، کتاب اللہ کی زباں اچھی طرح سمجھنے لگے۔ اُس کی تلاوت میں لگے رہے۔ اُس کی آیتوں پر غور کرتے رہے۔ لیکن جب امت میں قرآں کی زباں کا جہل پھوٹا، اُس میں غور کرنا کم ہو گیا، مسلمانوں نے اپنے عقیدے سمجھنے میں علم کلام کی کتابوں پر بھروسہ کر لیا، تو توحید کمزور پڑ گئی، اور مسلمانوں نے اعتقاد، عمل، تاویل، اور رکیک حیلوں میں پچھلی قوموں کی پوری

پوری پیروی شروع کردی۔ پھر یہ ہوا کہ علم کے مدعی، توحید کی کثرت آیتوں کی اپنے پیدا کردہ شبہوں اور رجحانوں کے مطابق تاویل کرنے لگے جیسا کہ معلوم اور مشاہدہ ہے۔

ساتھ ہی بعض متکلموں اور صوفیوں نے توحید میں مبالغے سے کام لیا، یہاں تک کہ بعض نے مسببات میں اسباب کے اثر ہی سے انکار کردیا! بعض وحدۃ الوجود کے قائل ہو گئے، اور اس سب کا خاتمہ اس پر ہوا کہ جبر کی بدعت نکل آئی جس نے اپنے قائلوں کو بالکل ہی گمراہ کر ڈالا۔ اس گروہ کے متقدمین وہی کہتے تھے جس کی طرف اُن کی عقل یا نفسی ریاضت اور اُس سے پیدا ہونے والے وجدانی شعور کی رہنمائی ہوتی تھی۔ لیکن ان کے بعد وہ مقلد آئے جو نہ قرآن میں کوئی حصہ رکھتے تھے، نہ عقل میں، نہ وجدان میں، بلکہ سراسر عوام الناس کے پیچھے چلنے والے تھے اور ایسے ہی جیسے جاہل متصوفوں کے مذہب سے عوام کے لیے طرح طرح کی تاویلیں گھڑا کرتے تھے حالانکہ اگر انہوں نے توحید و تنزیہ کی سب سے چھوٹی سورۃ ـــــ سورۂ اخلاص ـــــ ہی کو کماحقہ سمجھ لیا ہوتا، تو ہرگز شرک کی رسائی اُن کے دلوں تک نہ ہو سکتی۔

مسلمین اولین کی یہی توحید الٰہی، یہی معرفت و محبت الٰہی، اور خدا پر اُن کا یہی توکل تھا جس نے اُن کے دل پاک کر دیے تھے۔

اُن کی ہمتیں بلند کر دی تھیں۔ خودداری، بہادری، حق و انصاف پر استواری کے جوہر پیدا کر کے اُنہیں مکمّل بنا دیا تھا۔ پھر یہی جیز تھی جس سے اُن کے لیے ممکن ہوا کہ ملک فتح کریں۔ قوموں پر حکمرانی کریں۔ کاہنوں، راہبوں، پروہتوں، روحی و عقلی پیشواؤں، اور ظالم بادشاہوں کے ظلم و استبداد سے انسانوں کو آزاد کر دیں۔ تہذیب کی بنیادیں استوار کریں۔ مردہ علوم و فنون کو زندہ کر کے ترقی دیں۔ اِن تمام باتوں میں اُنہیں ایسی کامیابی حاصل ہوئی جیسی ملکہ جس کے لگ بھگ بھی کسی اور قوم کو حاصل نہیں ہوئی تھی۔ اسی بنا پر مشہور اجتماعی مورخ ڈاکٹر گوسٹاف لیبان نے کہا ہے "ہر ترقی پذیر قوم میں فنون کا ملکہ تین نسلوں ہی میں جا کر پورا ہوا ہے، پہلی نسل میں تقلید ہوتی ہے۔ دوسری میں تقلید و اجتہاد ملے جلے ہوتے ہیں۔ تیسری نسل سراسر اجتہاد اور استقلال فکری کی ہوتی ہے ـــــ لیکن صرف عرب اِس قاعدے سے مستثنیٰ ہیں، اُن میں فنون کا ملکہ اُسی پہلی نسل ہی میں پورا ہو گیا تھا جس میں اُنہیں فنون سے لگاؤ پیدا ہوا۔"

میں کہتا ہوں کہ اِس کا سبب، قرآن ہے جس نے اُن میں عقلی خودمختاری پیدا کر دی تھی۔ تقلید کو اُن کی نگاہ میں حقیر بنا دیا تھا، اور اُن کے دلوں میں یہ ولولہ پیدا کر دیا تھا کہ دین و دنیا دونوں کے معاملات

میں انسانوں کی رہنمائی کریں۔ لیکن اسلامی خلافت اور عربی سیادت کے زوال اور اقتدار حکومت، عجمیوں کے ہاتھوں میں چلے جانے کے بعد یہ سب کچھ بھی غائب ہوگیا۔ یہ عجمی وہ تھے جن کے پاس اسلام میں سے صرف تقلیدی مظاہر تھے اور وہ قرآن کی ہدایت سے بہت دور تھے۔

دوسری اصل: عقیدۂ قیامت اور جزا و سزا

دین کا دوسرا رکن، یوم آخرت پر ایمان اعمال پر حساب اور جزا و سزا کا یقین ہے۔ تمام بت پرست عرب اس عقیدے کے سختی سے منکر تھے، حالانکہ اس عقیدے کے بغیر نہ اللہ پر ایمان کامل ہوسکتا ہے نہ قوم میں عمل صالح انجام دینے، بدیوں اور شرارتوں سے بچنے، ظلم و سرکشی سے دور رہنے کا جذبہ پیدا ہوسکتا ہے۔

اہل کتاب اور دوسری قومیں جو آسمانی کتابیں اور دینی دستوری قوانین رکھتی ہیں، اگر اُن کی کتابیں گم ہوگئیں، یا اُن میں تحریف کردی گئی یا اُن پر بت پرستی نے قبضہ کرلیا، تو یہ قومیں اس زندگی کے بعد بھی ایک زندگی کی اور وہاں اعمال پر جزا و سزا کی قائل ہیں، لیکن اُن کے اس ایمان میں بہت فساد پڑ گیا ہے، کیونکہ اُس کی بنا ایسی دعوتوں پر رکھی گئی ہے جس سے اُس کا اصلاحی فائدہ دور ہوگیا ہے اور جن کا سرچشمہ ہندو وغیرہ پرانی بت پرست قوموں کے عقائد میں ملتا ہے۔

چنانچہ عیسائیوں میں فدیہ ہو جانے والے نجات دہندہ کا اعتقاد پیدا ہو گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ نجات دینے والا جو فدیہ بن کر انسانوں کو اُن کے گناہوں کی سزا سے بچائے گا۔ مسیحی تالوت کا یہ دوسرا اقنوم ہے جو لعینہٖ اقنوم اوّل بھی ہے اور اقنوم سوم بھی۔ پھر یہ تینوں اقانیم باہم ایک ہی ہیں۔ ہر ایک الگ بھی ہے اور بالکل ایک بھی ہے۔ مسیح کے فدیہ ہونے وغیرہ کی نسبت عیسائی بالکل وہی کہتے ہیں جو ہندو اپنے تالوت کے بارے میں کہتے ہیں۔ الفاظ اور معانی، دونوں کے ہاں یکساں ہیں جیسا کہ بیان ہو چکا۔ فرق صرف ناموں کا ہے۔ اِن کے ہاں مسیح ہے اور وہاں کوئی دوسرا نام ہے۔

رہ گئے یہودی تو اُن کا پورا دین، قوم اسرائیل کے لیے خاص ہے اُن کا دعویٰ ہے کہ دنیا و آخرت میں خدا تمام قوموں کے مقابلہ میں قوم اسرائیل ہی کی طرفداری کرے گا۔ اسی لیے وہ خدا کا نام خدائے اسرائیل کہتے ہیں، گویا وہ صرف اُنہی کا پروردگار ہے۔ ربّ العالمین نہیں ہے۔ اِن کا دین، روحانیت سے زیادہ مادّیت سے قریب ہے۔ دین کے اس رکن کی خرابی دراصل نتیجہ ہے پہلے رکن کی خرابی کا یعنی اِن لوگوں کا اللہ تعالیٰ پر صحیح ایمان ہے۔ اُس کی صحیح معرفت ہی اُنہیں حاصل ہے، لہٰذا دین کے اِن دونوں رکنوں کی اصلاح کی ضرورت ہے۔

قرآن یہ اصلاح لیکر آیا ہے۔ سزا و جزا کے عقیدے میں اس نے پیغمبروں کے دین کو اُس کی معقول اصلیت پر استوار کر دیا ہے۔ وہ اصلیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ اختیار بخشا ہے کہ اُس کی خوش نصیبی و بدبختی کو خود اُسی کے ایمان و عمل پر موقوف کر دیا ہے۔ ایمان و عمل، انسان کا اپنا ذاتی فعل ہے، کسی دوسرے کو اُس میں دخل نہیں ہے۔ پھر پاداش گناہوں پر جو سزا ملے گی وہ تمام مخلوقات میں اللہ کے مساوی عدل کے ساتھ ہوگی۔ یہ نہیں ہوگا کہ ایک قوم کو دوسری قوم پر کوئی ترجیح دیجائیگی۔ اِسی طرح ایمان اور نیکیوں پر جو ثواب ملیگا، وہ بھی انصاف کے ساتھ ہوگا۔ نیکی کا پھل اچھا ہی ہوگا۔ ایک نیکی کا ثواب دس گنا ملے گا اور خدا چاہیگا تو اُس میں اور بھی اضافہ کر دیگا۔

اِس پورے معاملہ کی بنیاد اس آیت قرآنی میں موجود ہے

وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا ۝ فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا ۝ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا (۹۱: ۸)	قسم ہے نفس کی اور جیسا اُسے ٹھیک بنایا ہے۔ پھر اُسے بدی اور بھلے کی سمجھ دیدی۔ جس نے اُسے سنوارا، کامیاب ہوا جس نے اُسے خراب کیا، نامراد ہوگیا

یعنی خدا نے اِس نفس کو پیدا کیا ہے، عقل و شعور بخش کر اُسے مکمل کر دیا ہے، پھر فطرت و خلقت کے الہام کے ذریعہ اُس میں دلائل

قابلیتیں پیدا کر دی ہیں: فجور کی بھی جو اُسے برباد و ناپاک کرنے والا ہے، تقویٰ کی بھی جو اُسے نجات دینے اور بلند کرنے والا ہے۔ اِن دونوں صورتوں کے اختیار کرنے میں نفس کو آزادی حاصل ہے۔ اُسے اختیار ہے کہ اپنے خیال و خواہش سے جسے چاہے ترجیح دے۔ پھر خدا نے انسان کو عقل اور دین کی نعمتیں بخشی ہیں جو ہمیشہ حق اور بھلائی کی باطل و شر کے مقابلہ میں سفارش کرتی ہیں۔ پس ایمان، مکارمِ اخلاق، اور محاسن اعمال کے ذریعہ نفس جس قدر پاک ہوگا، اُسی قدر اُسے دنیا و آخرت میں ترقی ملے گی۔ لیکن اگر وہ اِس کے برعکس روش اختیار کرے گا، تو نتیجہ بھی برعکس نکلے گا۔ بنابریں جزا و سزا در حقیقت نفس و بدن کے عمل کا قدرتی نتیجہ ہی ہے جو نفس کو پاک کر دیگا یا گندہ کر ڈالے گا۔ یہی وہ حق ہے جس کا اقرار ہر وہ شخص کریگا جو انسان کی حقیقت اور خدا کی حکمت سے واقف ہے۔ مذاہب کی تعلیمات میں سے یہ بھی ایک چیز ہے جس کی قرآن نے اصلاح کر دی ہے۔

یہ حال لینے کے بعد کہ عرب کے مشرک، عقیدۂ قیامت اور سزا و جزا، کے کتنے سخت منکر تھے، اِس بارے میں اہل کتاب اور تمام ملتوں کا ایمان کتنا بگڑ چکا تھا، اور یہ کہ اِس عقیدے سے ایمان الٰہی کی تکمیل ہوتی ہے، اور یہ کہ اِسی کے پیش نظر ہونے سے آدمی، باطل سے، شر سے،

ظلم و سرکشی سے باز رہتا، اور حق، نیکی اور بھلائی کی راہ پر استوار ہوتا ہے —— یہ سب ذہن نشیں کر لینے کے بعد معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ عقیدہ کسی بڑی قوم میں پختہ اور موثر ہو ہی نہیں سکتا تھا جب تک قرآن میں اُسے بار بار دہرایا نہ جاتا، اور ایسے عجیب انداز میں جو بہترین انداز بیان نہ کیا جاتا جو دلائل و براہین سے لبریز ہے، جلد ور جو دل کو اور دل نشیں ہے، جس سے طبیعتیں کبھی اُکتا نہیں سکتیں۔

تمام دینوں میں قیامت اور جزا و سزا کا عقیدہ، دوسرا رکن ہے اور پہلے رکن یعنی ایمان باللہ کے لیے لازمی ہے، وہ اللہ جو تمام صفاتِ کمال سے متصف ہے، ایسے احکام و افعال میں کھیل کرنے سے مبرّا ہے۔ اسی لیے قرآن کی اس عقیدے کے ثبوت میں سب سے بڑی دلیلیں یہ ہیں

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ۔	کیا تم نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ ہم نے تم کو یونہی کھیلنے کو پیدا کیا ہے اور تمہیں ہمارے پاس لوٹ نہیں آنا ہے۔

اور

أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى، أَلَمْ يَكُ نُطْفَةً	کیا انسان سمجھتا ہے کہ اُسے یونہی چھوڑ دیا جائیگا کیا وہ ٹپکنے والی منی کی ایک

ںمن مَّنِيٍّ يُمْنٰى، ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً
ںلَقَ فَسَوّٰى، فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ
ںالذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى، اَلَيْسَ ذٰلِكَ
ںبِقٰدِرٍ عَلٰى اَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى؟

تھا، پھر خون کی پھٹکی ہوا، پھر خدا نے اُسے پیدا کیا اور پورا آدمی بنا دیا، پھر اُس سے جوڑا بنایا نر اور مادہ، کیا ایسا خدا اِس بات کی قدرت نہیں رکھتا کہ مردے زندہ کر دے؟

جو کوئی ایمان کے اِس رکن سے انکار کرتا ہے، تو لازم آتا ہے مخلوقات میں پروردگار کی حکمت و عدل سے۔ انسان کو احسنِ تقویم میں پیدا کرنے کے احسان سے، انسان کو اِس زمین کی مخلوقات پر فضیلت دینے کے واقعہ سے بھی انکار کر جائے۔ اِسی قدر نہیں بلکہ خود اپنے حواس و قویٰ و عقل سے جہل کا اقرار کرے، اور اِس بات سے بھی جاہل ہو نا مان لے کہ خدا نے اُسے اپنی حکمت سے ایک ایسے علم کے لیے مستعد پیدا کیا ہے جس کی کوئی حد نہیں ہے، اور جو اس امر کی دلیل ہے کہ وہ ایک ایسی زندگی کے لیے پیدا کیا گیا ہے جو کبھی ختم ہونے والی نہیں ہے — اِس انکار اور اِس جہل سے یہ بھی لازم آئے گا کہ انسان خود اپنے نفس کی بھی تحقیر کرے۔ یقین کرے کہ وہ کسی بڑی مصلحت سے نہیں بلکہ بلا فائدہ پیدا کر دیا گیا ہے، اور یہ کہ زمین پر اُس کی زندگی بس عمر کے دائرے سے محدود ہے جو فکر، مصیبت، ظلم، سرکشی، گناہ سے لبریز ہے، اور یہ کہ کسی کو اُس کے عمل کا کوئی پھل نہیں ملے گا،

نہ ظالم کو اُس کے ظلم کی سزا دیجائیگی، نہ منصف کو اُس کے انصاف کا
کوئی صلہ ملے گا، بلکہ سب کے کام یونہی بے فائدہ چلے جائیں گے حالانکہ
اس طرح کا خیال کسی ٹھیک دماغ میں آ نہیں سکتا۔ چونکہ اِس دنیا میں
ہر آدمی کو اُس کے عمل کا پھل لازمی طور پر نہیں ملتا، اِس لیے آخرت میں
جو بدلہ دیا جائیگا، وہ عام انصاف کا سب سے بڑا مظاہرہ ہوگا۔

قیامت اور اعمال کے بدلے کے بارے میں عیسائیوں کا جو عقیدہ
ہے قرآن اُس کے خلاف کہتا ہے۔ قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ آخرت کی زندگی میں
بھی انسان ویسا ہی ہوگا جیسا دنیا کی زندگی میں تھا، مگر ہاں پاک نفس اور
روح رکھنے والے، زیادہ مکمل روح اور زیادہ مکمل جسم رکھیں گے، کیونکہ
دنیا میں اپنے آپ کو پاک کر چکے ہیں، لیکن خبیث نفس اور پست روح
رکھنے والے وہاں اور بھی زیادہ پست اور خبیث ہو جائینگے، کیونکہ وہ اپنے نفسوں کو
دنیا میں گندہ کر چکے ہیں۔ قدیم مصریوں اور دوسری ایرانی قوموں کی روایات سے
ہے کہ پرانے دینوں نے بھی روح و جسم کے ساتھ دوسری زندگی کی تعلیم دی ہے۔

اگر صرف روحوں کا حشر ہو، تو ملکوتِ الٰہی میں سے یہ اچھی اور
معتبر مخلوق (انسان) کم ہو جائیگی جو روح اور جسم دونوں سے مرکب ہے۔
روحی لذتوں اور جسمانی لذتوں، دونوں سے لطف اندوز ہوتی ہے۔
روح و جسم کے بنانے میں اللہ کی حکمتوں اور رازوں کو پوری کرنے والی

ماکر ہے، اور یہ اِس طرح کہ اللہ نے حیوان و نباتات کو روحانی لذتوں سے
محروم رکھا ہے اور فرشتوں کو جسمانی لذتوں سے۔ فلسفی نظریے رکھنے
والے، صرف روحانی قیامت پر اِس لیے زور دیتے ہیں کہ جسمانی لذتوں
کو حقیر بتاتے اور اُنہیں حیوانیت قرار دیتے ہیں، حالانکہ اُن میں سے اکثر
بھی لذتوں پر ریجھے پڑے ہیں۔ انسان کے حق میں یہ چیز اُسی وقت
نقص ہے جب وہ جسمانی لذتوں ہی پر اپنی عقل و قویٰ وقف کر دے
اور علم و عرفان کی روحی و عقلی لذتوں سے بالکل کنارہ کش ہو جائے۔
افراط و تفریط، ہندوؤں سے لی گئی ہے جو جسم کی تحقیر اور اُسے تکلیف
دینے میں بہت غلو سے کام لیتے ہیں۔ اِس بارے میں بھی عیسائی راہبوں
نے ہندوؤں کی اُسی طرح پیروی کی ہے جس طرح صلیب، فدیہ، اور
تثلیث کے معاملے میں اُن کے نقش قدم پر چل چکے ہیں، حالانکہ خود ہی مسیح
علیہ السلام کی نسبت یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ آپ نے عید فسح کے
موقع پر اپنے شاگردوں کے ساتھ شراب پی اور اُن سے یہ کہہ کر رخصت
ہی "میں تم سے کہتا ہوں کہ انگور کا یہ شیرہ پھر کبھی نہ پیو نگا، اُس دن
تک کہ تمہارے ساتھ اپنے باپ کی بادشاہت میں نیا پیئوں"، (متی
۲۶: ۲۹) یہودی اِس نفس کُشی میں عیسائیوں سے برعکس روش
رکھتے تھے، مگر اسلام نے اعتدال کی راہ پیش کی۔ انسان کو اُس کے

تمام حقوق بخش دیے، اور اُس سے اُن تمام چیزوں کا مطالبہ کیا م
سے وہ اپنی انسانیت میں کامل ہو سکتا ہے۔
اِس مسئلہ کے تمام علمی و دینی پہلوؤں پر اور اُس سے متعلق
تمام شبہات پر ہم بڑی شرح وبسط سے سورۂ انعام کی تفسیر میں گفتگو
کر چکے ہیں جو قرآنی سورتوں میں ایمان باللہ، توحید، حشر، رسالت، او
تمام شبہات کی تردید میں سب سے زیادہ جامع سورۃ ہے (صفحہ
۱۸۴ جلد ۸ تفسیر)
آخرت کی زندگی کے بارے میں قرآنی آیتوں اور دوسری حدی
سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں روحانی قوتیں، جسموں پر غالب ہوں گی
اور اس طرح مختلف لطیف صورتیں اختیار کر لینے کی قدرت رکھیں
تھوڑے وقت میں لمبی لمبی مسافتیں طے کر سکیں گے، اور جنتیوں
دوزخیوں میں گفتگو بھی ہو سکے گی ــــــ ہمارے زمانہ میں انسان
علم کیمیا، بجلی کے خواص، مختلف صنعتوں، اور مشینوں میں جو ترقی کی
اُس نے اُن سب باتوں کو انسانی حواس سے قریب کر دیا ہے، حالا
مادہ پرست دہریے پہلے ان کا انکار کیا کرتے تھے۔ مثلاً قرآن میں

وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ	جنت والوں نے دوزخ والوں
أَصْحَابَ النَّارِ أَن قَدْ وَجَدْنَا	پکار کر کہا کہ ہمارے پروردگار

مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ (۷: ۴۴)	جو وعدہ کیا تھا ہم نے اُسے سچا پایا، کیا تم نے بھی اپنے پروردگار کا وعدہ سچا پایا؟ انہوں نے جواب دیا، ہاں! پھر اُن کے مابین پکارنے والا پکارا کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو!

اِس قسم کی آیتوں کو یہ محمد (محمد صلوات اللہ وسلامہ علیہ) کے تخیلات قرار دیا کرتے تھے ـــــــ لیکن آج حالت یہ ہے کہ ٹیلیفون کے ذریعہ مصر میں بیٹھ کر ہم یورپ کے پایہ تختوں سے بات چیت کرتے ہیں، ریڈیو کے ذریعہ لوگوں کی تقریریں اور گانے سنتے ہیں۔ اور عنقریب ٹیلی ویژن کے ذریعہ گفتگو کے ساتھ انہیں دیکھنے بھی لگیں گے۔

فرنگی اور غیر فرنگی علماء ارواح نے بھی صوفیوں کی طرح یہ طے کر لیا ہے کہ انسانی روحیں کائناتی مادّہ کو کام میں لا کر طرح طرح کے جسموں میں متشکل ہو سکتی ہیں۔ یہ مسائل ہم اپنی تفسیر میں شرح و بسط کے ساتھ لکھ چکے ہیں، اور یہاں انہیں اجمالاً اُن لوگوں کی تردید میں درج کرتے ہیں جو کہتے ہیں کہ قرآن، یہود و نصاریٰ کی کتابوں سے ماخوذ اور خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل اور وحی الہامات کی پیداوار ہے۔

یہاں یہ بتا دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن میں دنیا کی بربادی اور قیامت کے بارے میں جو کچھ وارد ہوا ہے، وہ نہ اہل کتاب

کے ہاں موجود ہے نہ دوسروں کے ہاں، اور نہ یہ ممکن ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے اپنی دانست یا عقل سے معلوم کر لیا ہو۔ قرآن نے اس بارے میں جو کچھ کہا ہے، اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک قارِعَہ ــــ بظاہر یہ کوئی ستارہ ہے ــــــ زمین سے ٹکرا جائیگا۔ زمین کو ہلا کر پاش پاش کر ڈالے گا، اور وہ خاک ہو کر فضا میں پھیل جائیگی۔ تب اس جیرمین حلل پڑ جائیگا جسے علماء تجاذبیت کہتے ہیں اور ستارے بکھر جائیں گے الخ یہ بات اُس وقت کے نہ علماء کوں کے ذہن میں آ سکتی تھی نہ علماء دین کے، لہذا ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے شہر کے کسی آدمی سے یا اپنے سفر میں سنی ہو۔ پھر یہ بھی گمان نہیں کیا جا سکتا کہ آپ نے اپنی رائے و عقل سے کہی ہو۔ ہمارے یہ پیش گوئی بھی قرآن کی اُن باتوں میں سے ہے جو دینی نفسی کے قائلوں کی قطعی تردید کر رہی ہیں۔ موجودہ زمانہ کے کئی علماء ہیئت نے بھی یہی کہا ہے کہ قرآن کے بتائے ہوئے اس سبب سے دنیا کی بربادی، علمی نظریوں سے قریب ترین ہے۔

تیسرا رکن، عمل صالح

پیغمبروں کے مقاصد بعثت کا تیسرا رکن، عمل صالح ہے، اور قرآن کی کثرت سورتوں میں اُسے بار بار دہرایا گیا ہے تاکہ انسانوں نے اُس میں جو خرابی پیدا کر دی ہے، دور ہو جائے۔ لوگوں نے نیکی کو بھی

تقلیدی کام بنا دیا ہے اور اس طرح وہ نہ نفس کو پاک کرتی ہے نہ اجتماعی معاملات کی اصلاح کر سکتی ہے۔ لیکن عمل صالح کو توحید الٰہی اور اُس کی تقدیس سے کم دہرایا گیا ہے، کیونکہ توحید ہی اصل ہے اور باقی سب چیزیں اُس کے پیچھے ہیں۔ اگر دلوں میں اتر جانے کے لیے اس تکرار و اعادہ کی ضرورت نہ ہوتی تو سورۂ العصر اس قدر چھوٹی ہونے کے باوجود علمی عملی اصلاح کے لیے اُسی طرح کافی تھی جس طرح سورۂ اخلاص اولین اعتقادی اصل کے لیے کافی تھی۔ یہ دونوں سورتیں ایک ایک سطر میں لکھی جا سکتی ہیں، لہٰذا قرآن کے ایجاز و ہدایت کے معجزوں میں سے ہیں۔

عمل صالح، ایمان باللہ کے لوازم میں درجہ اول رکھتا ہے، کیونکہ معرفت الٰہی کے ساتھ یہ بھی جان لیا جاتا ہے کہ وہ ذاتِ اعلیٰ، حمد، شکر، عبادت محبت، تعظیم کی مستحق ہے۔ نیز جزا و سزا پر ایمان کے لوازم سے بھی یہی ہے کہ آدمی، سزا کے خوف اور ثواب کی امید پر نیک کام کرے۔

اعمال صالحہ میں عبادتیں بھی داخل ہیں جن کے ذریعہ تقرّبِ الٰہی ہوتا ہے، اور نیکی کے وہ جملہ کام بھی داخل ہیں جن سے انسانوں کی اصلاح ہوتی ہے، مثلاً والدین سے اچھا برتاؤ۔ رشتہ کا خیال، یتیموں اور مسکینوں کا پاس۔ اس بارے میں چند اصول سورۂ اسراء کی جامع وصیتوں میں موجود ہیں، اور حسب ذیل ہیں۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا، اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا۔ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا۔ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ، اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا۔ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا۔ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا۔ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ

اور پروردگار کا فیصلہ ہے کہ اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اور والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، اور جب اُن میں سے کوئی ایک یا دونوں تمھارے آگے بوڑھے ہو جائیں تو انہیں سخت بات کہو نہ جھڑکو (بلکہ) مہربانی کی بات کہو محبت سے اُن کے آگے جھک جاؤ اور کہو خدایا اِن دونوں پر اُسی طرح رحم کر جس طرح انہوں نے چھٹپن میں مجھے پالا ہے۔ تمھارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ تمھارے دلوں میں کیا ہے، اگر تم نیکوکار ہو تو وہ توبہ کرنے والوں کے حق میں بہت بخشش کرنیوالا ہے۔ اور رشتہ دار کو اُس کا حق دو، اور مسکین و مسافر کی مدد کرو (لیکن) اسراف نہ کرو۔ اسراف کرنیوالے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا ناشکرا ہے۔ اور اگر کبھی رحمت خداوندی کی امید میں اُن سے

رَبِّكَ تَرْجُوهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا
مَّيْسُورًا۔ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ
مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا
تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ
مَلُومًا مَّحْسُورًا۔ إِنَّ رَبَّكَ
يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ
وَيَقْدِرُ، إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ
خَبِيرًا بَصِيرًا۔ وَلَا تَقْتُلُوا
أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ
نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ، إِنَّ
قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيرًا۔ وَلَا
تَقْرَبُوا الزِّنَا، إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً
وَسَاءَ سَبِيلًا۔ وَلَا تَقْتُلُوا
النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا
بِالْحَقِّ، وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا
فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا
فَلَا يُسْرِفْ فِي الْقَتْلِ، إِنَّهُ

تامل کرو، تو بھی اُن سے اچھی بات کہو
اور اپنا ہاتھ اپنی گردن سے نہ بالکل باندھ لو
اور نہ اُسے بالکل ہی چھوڑ دو (یعنی نہ بالکل
بخیل ہو نہ مسرف) کہ ملامت کھائے اور
ہارے ہوئے سے کر بیٹھنا پڑے تمہارا پروردگار
جس کے لیے چاہتا ہے رزق پھیلا دیتا
ہے اور کم کر دیتا ہے، وہ اپنے بندوں کی
خوب خبر اور پرکھ رکھتا ہے اور اپنی اولاد کو
غربت کے ڈر سے قتل نہ کرو ہم اُنہیں اور
تمہیں رزق دیتے ہیں انہیں قتل کرنا بڑی
غلطی ہے۔ اور بدکاری کے قریب نہ جاؤ
یہ بے حیائی اور بری راہ ہے۔ اور ناجائز طریقہ
پر کوئی ایسی جان نہ لو جسے مارنا خدا نے حرام قرار
دیا ہے۔ اور جو کوئی مظلوم کو قتل کرے تو ہم
نے مقتول کے وارث کو زور بخش دیا، مگر وہ
خونریزی میں اسراف نہ کرے (کیونکہ) اُسے
مدد ملی ہوئی ہے اور اچھائی کے علاوہ کسی

كَانَ مَنْصُورًا - وَلَا تَقْرَبُوا
مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ
حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ، وَأَوْفُوا
بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا - وَأَوْفُوا
الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ
الْمُسْتَقِيمِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ
تَأْوِيلًا - وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ
بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَ
الْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ
مَسْئُولًا - وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ
مَرَحًا، إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ
الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا - كُلُّ
ذَٰلِكَ مِمَّا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ
لَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَتُلْقَىٰ فِي
جَهَنَّمَ مَلُومًا مَدْحُورًا (۱۷-۳۳-۳۹)

اور طرح یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ
یہاں تک کہ وہ جوان ہو جائے۔ اور عہد
پورا کرو، کیونکہ عہد کی بات باز پرس کی جائیگی
اور جب ناپو، تو ناپ پوری کرو۔ اور سیدھی
ترازو سے تولو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے اور
اُس بات کے پیچھے نہ پڑو جس کی تمہیں خبر
نہیں ہے، کیونکہ کان، آنکھ، اور دل سب
سے اِس کے بارے میں باز پرس ہوگی، اور
اترا کر زمین پر نہ چلو کیونکہ تم نہ زمین کو پھاڑ
سکوگے، اور نہ اونچے ہو کر پہاڑوں تک پہنچ
سکوگے۔ یہ سب چیزیں تمہارے پروردگار
کی نظر میں بہت ہی بری ہیں۔ یہ ہے وہ حکمت
جو اللہ کی طرف سے اے پیغمبر تم پر وحی کی گئی
ہے، اور خدا کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بناؤ
ورنہ دوزخ میں ملامتی ہو کر ڈالے جاؤگے۔

یہ دیکھیں، توراۃ کے احکام عشرہ سے زیادہ جامع اور بلند ہیں۔
نیز سورۂ انعام کی اِن آیات کو دیکھو۔

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ
رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ
شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا
وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِّنْ إِمْلَاقٍ،
نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ وَلَا
تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ
مِنْهَا وَمَا بَطَنَ، وَلَا تَقْتُلُوا
النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا
بِالْحَقِّ، ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ
لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ. وَلَا تَقْرَبُوا
مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ
أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ
وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ
لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَإِذَا
قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ وَ
بِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا، ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ
لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ (۶: ۱۵۱، ۱۵۲)

اے پیغمبر کہہ دیجیے کہ آؤ میں تمھیں سناؤں
کہ تمھارے پروردگار نے تم پر کیا حرام کیا ہے۔
یہ کہ اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ،
اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو، اور
اپنی اولاد کو غربت کے ڈر سے قتل نہ کرو کیونکہ
ہم ہی تمھیں اور انہیں رزق دیتے ہیں، اور
ناحق کسی ایسی جان کو نہ مارو جسے خدا نے
مارنا حرام قرار دیا ہے۔ یہ ہے وہ جس کی اُس
نے تمھیں وصیت کی ہے تاکہ تم سمجھو اور یتیم کے
مال کے قریب نہ جاؤ، لیکن اچھائی کے ساتھ
یہاں تک کہ وہ جوان ہو جائے اور ناپ
تول ٹھیک ٹھیک کرو ہم کسی پر اُس کی قوت
سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے۔ اور جب تم بات
کہو تو انصاف سے کہو، اگرچہ اپنے رشتہ دار ہی
کے بارے میں کیوں نہ ہو، اور اللہ کے عہد کو
پورا کرو۔ یہ ہے وہ جس کی اُس نے تمھیں وصیت
کی ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

اسی قسم کی بے شمار آیتیں موجود ہیں جن میں اعلیٰ اخلاق اور نیکیاں اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور برائیوں اور گناہوں سے منع کیا گیا ہے جو جسم، مال، آبرو، عقل، اور دین سب کے لیے مضر ہیں، اور جن کا سب سے بڑا سبب، خواہش کی پیروی اور وسوسۂ شیطان کی اطاعت ہے۔ اس کے برعکس، تقویٰ ہے تقویٰ ایک جامع لفظ ہے، جس میں ہر وہ بات داخل ہے جو نفس کو ناپاک ہونے سے بچاتی اور دنیا و آخرت میں اُسے برباد ہونے سے محفوظ رکھتی ہے، اسی لیے یہ لفظ (تقویٰ) دینی، عائلی، جنگی، غرضکہ تمام معاملوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کی تفصیل ہم اپنی تفسیر (صفحہ ۲۴۸ جلد ۹) میں کر چکے ہیں اور یہاں قرآن سے مثالیں دیکر طوالت کی ضرورت نہیں سمجھتے۔

اعمال صالحہ کی طرف رہنمائی میں قرآن کا دستور یہ ہے کہ وہ اعمال صالحہ کے اصول اور بنیادیں بیان کر دیتا ہے اور اجمالاً انہیں بار بار یاد دلاتا رہتا ہے۔ قرآن نے عبادات میں سب سے زیادہ نماز اور زکاۃ پر زور دیا ہے، کیونکہ نماز سب سے زیادہ بلند روحانی و اجتماعی عبادت ہے، اور زکاۃ سب سے بڑی مالی و اجتماعی عبادت ہے۔ ان دونوں عبادتوں کا حکم بہت سی آیتوں میں بار بار دیا گیا ہے اور دونوں کے اہم فائدے بیان کر دیے گئے۔ مثلاً فرمایا۔

فَأُولٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ، وَالَّذِينَ هُمْ بِشَهَادَاتِهِمْ قَائِمُونَ، وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ، أُولٰئِكَ فِي جَنَّاتٍ مُكْرَمُونَ

کرتے ہیں، اور جو اپنی شہادتیں پوری ادا کرتے ہیں، اور جو اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں، تو یہ لوگ عزت والی جنتوں میں رہیں گے۔

اور فرمایا:

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا۔

اے پیغمبر ان کے مال میں سے صدقہ وصول کرو کہ اس ذریعہ انہیں پاک اور ستھرا …

قرآن میں نماز، زکاۃ، روزہ، اور حج کے وہ ارکان وآداب دہرائے نہیں گئے ہیں جو عملی ہیں اور رسول کی پیروی سے اخذ کیے جاتے ہیں۔ قرآن نے اس بارے میں صرف وہی باتیں دہرائی ہیں جن سے کوئی خاص فائدہ مترتب ہو سکتا تھا۔ چنانچہ قرآن میں روزے کے احکام صرف ایک جگہ ذکر کیے گئے ہیں۔ ہر نماز میں رکعتوں کی اور رکوع وسجود کی تعداد نہیں بتائی گئی ہے۔ نہ ہر مال میں زکاۃ کا نصاب درج کیا گیا ہے، کیونکہ یہ سب باتیں رسول سے معلوم ہو جاتی ہیں اور عمل میں آکر محفوظ رہتی ہیں۔ پچھلا بیان سے نفس کا تزکیہ ہوتا ہے، ایمان کا تغذیہ۔

انجیل پر قرآن کی برتری

میں یہاں صرف دو خوبیوں کو لکھتا ہوں جن کی بات عیسائیوں کا دعویٰ ہے کہ اُن کی انجیل میں موجود ہیں اور اسلام کی تعلیم سے افضل واکمل ہیں

۱- مسیح نے کہا ہے "اپنے دشمنوں سے بھی محبت کرو۔ اپنے لعنت کرنے والوں کے حق میں بھی دعا مانگو جو تم سے برائی کرے، اُس سے بھلائی کرو۔ جو تمہارے دائیں گال پر طمانچہ مارے، اُس کے سامنے اپنا بایاں گال بھی پیش کر دو،،

حالانکہ بداہتہً معلوم ہے کہ اس قسم کے احکام کی تعمیل، ذلیلوں اور غلاموں کے سوا دوسروں کے لیے بہت ہی مشکل ہے، بلکہ یہ چیز بہت بڑے فساد کا موجب بن سکتی ہے، اور یہ اس طرح کہ زبردستوں کو کمزوروں پر ظلم کرنے کا پورا موقعہ مل جائیگا۔ پھر دیکھو کہ ان احکام کی نافرمانی میں سب سے آگے وہی ہیں جو اپنے آپ کو عیسائی کہتے ہیں۔

اس قسم کے احکام، عالمگیر دینِ فطرت میں وارد نہیں ہوسکتے تھے، کیونکہ اُن پر عمل ممکن نہیں۔ اسی لیے خدا فرماتا ہے لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا (خدا کسی پر اُس کی قوت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا) لیکن ہاں اس بارے میں قرآں نے یہ کیا ہے کہ انصاف، نیکی، اور مصلحت

کو باہم جمع کر دیا ہے چنانچہ فرمایا:

وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا	برائی کا بدلہ اسی کے مثل برائی ہے۔ مگر جو شخص معاف
فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ لَا	کرے اور اصلاح کرے تو اس کا ثواب
يُحِبُّ الظَّالِمِينَ. وَلَمَنِ انتَصَرَ بَعْدَ	اللہ کے ذمہ ہے۔ خدا ظالموں کو پسند نہیں
ظُلْمِهِ فَأُولَٰئِكَ مَا عَلَيْهِم مِّن سَبِيلٍ	کرتا۔ ظلم ہونے کے بعد اگر کوئی اپنا بدلہ لے
إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ	تو اس پر الزام نہیں ہے۔ الزام تو صرف
وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ أُولَٰئِكَ	ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے اور
لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ. وَلَمَن صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ	ناحق دنیا میں سرکشی کیا کرتے ہیں ان
ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ	لوگوں کو دردناک عذاب دیا جائیگا اور
(۴۲ ۴۰-۴۳)	جو شخص صبر کرے اور معاف کردے تو
	بے شک بڑی ہمت کی بات ہے۔

صاحب حق زیادتی کے موقع پر عفو و درگزر ہی کر سکتا ہے جو بدلہ لینے کی قدرت رکھتا ہے۔ وہ معاف کر کے درحقیقت اپنی برتری ثابت کرتا ہے، اور اس طرح عداوت کے بدلے دوستی و محبت پیدا کر لیتا ہے۔ اسی لیے خدا نے فرمایا:

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ	نیکی اور بدی برابر نہیں برائی کا جواب
وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ	بہتر طریقہ سے دو۔ پھر یہ ہوگا کہ تجھ ا

یَاذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ۔ وَمَا یُلَقّٰہَا اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا یُلَقّٰہَا اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ (الم ۲۴، ۲۵)	دشمن بھی ایسا ہو جائے گا جیسے ماتے والا دوست۔ یہ بات انہی کو ملتی ہے جو صبر کا مادّہ رکھتے ہیں اور انہی کو ملتی ہے جو بڑے نصیبہ ور ہیں۔

دیکھو! قرآن نے کس طرح انصاف دیکی کے مراتب کمال بیان کر دیے ہیں اور مصلحت و عقل کے مطابق کس خوبی سے اسے واضح کر دیا ہے۔ کیا یہ افضل ترین پیغمبر و رہنما کی زبان سے ظاہر ہونیوالی اعلیٰ اصلاح اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ اللہ کی وحی سے جس کے ذریعہ اس نے اسے دین کو کامل کر دیا ہے؟ یقیناً واقعہ یہی ہے۔ ہم اس کی گواہی دیتے ہیں، اور اس سے انکار وہی کر سکتا ہے جو بے وقوف اور جاہل ہے!

۲۔ دوسری بات جس پر عیسائیوں کو بڑا ناز ہے، وہ دنیا سے بیزاری، اور اس سے دور رہنے میں مسیح علیہ السلام کا مبالغہ ہے، حتیٰ کہ مسیح نے سوئی کے ناکے سے اونٹ کا گذر جانا اس سے زیادہ آسان بتایا ہے کہ " مالدار آدمی جنت میں داخل ہو سکے۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ تعلیم اور اس سے پہلے کی تعلیم ایک وقتی اصلاح تھی۔ یہودیوں نے دولت کی پرستش میں بہت غلو کر رکھا تھا، جس سے

اُن کے اخلاق بگڑ گئے تھے اور دنیا کے مقابلہ میں دین کو ہیچ سمجھنے لگے تھے تو کا مقابلہ وقتی علاج سے ہو سکتا ہے۔ اسی طرح روم سلطنت نے یہودیوں کی آزادی چھین لی تھی، ظلم و سرکشی میں بہت آگے نکل گئی تھی، لہذا حضرت مسیح نے اِن دونوں فسادوں کے مقابلہ میں اُن کا توڑ پیش کر دیا جو عارضی تھا۔

لیکن اسلام تمام انسانوں کا عالمگیر دین ہے۔ اُس میں تو یہی حکم دیا جائے گا جس میں جملہ انسانوں کے دین اور دنیا کی مصلحت ہے۔ اس بارے میں اُس نے مال کے ایسے استعمال کی مذمت کی ہے جو مضر ہو، جیسے اسراف یا سرکشی کی راہ میں اُسے خرچ کیا جائے، یا ناجائز طریقہ پر اُسے کھایا جائے، یا اُس میں جو حقوق فرض کر دیے گئے ہیں، انہیں روکا جائے، یا حریصوں اور حاجتمندوں سے اُسے باز رکھا جائے ـــــ لیکن جائز طریقہ پر اُسے حاصل کرنے اور جائز طریقہ پر خرچ کرنے کی تعریف کی گئی ہے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اور اُس سے قوم کو فائدہ پہنچانا، بہترین نیکی قرار دیا گیا ہے، کیونکہ مال ہی کے ذریعہ قوم اپنی اصلیت اور آزادی کو محفوظ رکھ سکتی ہے ـــــ یہی وہ باتیں ہیں جن سے خدا نے اپنے دین کی تکمیل کی ہے، اور انہیں اپنے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری بڑی کتاب میں وحی کیا ہے۔

ظاہر ہے قرآں کے ذریعہ آسمانی کتابوں کی یہ اصلاح، جن پر کروروں آدمی ایماں رکھتے ہیں، نہ کسی اَن پڑھ سے ممکن ہو سکتی تھی نہ تعلیم یافتہ سے۔ صرف آسمانی کتابوں ہی کی نہیں بلکہ قرآں نے حکیموں اور فلسفیوں کی کتابوں کی بھی اصلاح کر دی ہے۔ اب غور کرو کہ عقل، قرآں کو اللہ عزّوجل کی وحی قرار دیتی ہے یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مَن گھڑت ایجاد؟

فلسفیوں کا ذکر آ گیا ہے، اس لیے کہتا ہوں کہ اُن کے بعض مقلّدوں نے نیکیوں پر اور دیں کی ٹھہرائی ہوئی بھلائیوں پر ایک شبہہ وارد کیا ہے، اگرچہ یہ شبہہ صرف زبان ہی سے ظاہر کرتے ہیں اور اُن کے دل و دماغ اُس کی حقیقت تک پہنچے سے قاصر ہیں۔

یہ لوگ کہتے ہیں کہ نیکی صرف اِس وجہ سے کرنی چاہیے کہ نیکی ہے۔ اُن کے خیال میں یہ بہت بڑی بُرائی ہے کہ نیکی، آخرت کے ثواب کی امید یا عذاب کے خوف سے کی جائے۔ اِس کا مطلب یہ ہوا —— اگر وہ اِس مطلب کو سمجھتے ہوں —— کہ اسلام کی تعلیم کے مطابق نیکی کر کے آدمی کا یہ امید باندھنا کہ اعلیٰ کمال کے مالک، اللہ کی خوشنودی حاصل ہوگی اور اُس ذات برتر کے جوار میں مقام حاصل ہوگا تو یہ امید باندھنا نقص و عیب ہے۔ اور یہ کہ آدمی، کامل اِس طرح ہو سکتا ہے کہ اپنی فطرت سے دور ہو جائے اور نیکی صرف اِس لیے کرے کہ دوسروں کو نفع پہنچائے،

گرا ہے نفس کو اس نفع سے اور رضوان الٰہی سے محروم رکھے! لیکن وہ کون ہے جو اس قسم کی نیکی کی سرحدیں مقرر کر سکے اور انسانوں کو اس پر آمادہ کر سکے؟

بہرحال اس گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ دین کے تینوں بنیادی ارکان تمام قدیم قوموں سے مروی ہیں، اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تمام دینوں کا سرچشمہ ایک ہی ہے اور وہ سرچشمہ، وحی الٰہی اور انبیاء کی ہدایت ہے، اور یہ کہ ان تمام دینوں میں جو کہ بت پرستی کی بدعتوں سے فساد پیدا ہو گیا تھا اس لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس قرآن کو لیکر آئے اور اس تمام فساد کو دور کر دیا جس نے دین الٰہی کو انسانوں کی حرص نفسی اور سلائی سے دور کر رکھا تھا۔ توحید کو شرک سے آلودہ کر دیا تھا۔ خدا کو مخلوق کی طرح بنا دیا تھا اعمال کی سزا و جزا کا دار و مدار حق و انصاف پر نہیں، بلکہ طرفداری اور فدیہ پر کر دیا تھا عبادتوں کو تقلید کی راہ سے لہو و لعب بنا دیا تھا، جس سے روح کو پاکیزگی حاصل ہوتی تھی، نہ وہ عقل ہی کی ترازو میں پوری اترتی تھیں۔ برخلاف اس کے اسلام کی لائی ہوئی عبادتیں اور اس کے آداب، تمام کے تمام معقول اور انسانی فطرت کی تکمیل کرنے والے ہیں۔

اب ہم بتاتے ہیں کہ موت اور پیغمبروں کے فرائض کے بارے

میں انسانوں کو جو گمراہی اور جہالت لاحق ہو گئی تھی، اُسے قرآن نے کس طرح نمایاں اور صاف کر دیا ہے۔ اس کے بعد ہم بتائیں گے کہ قرآن میں انسانوں کی دائمی اور عام اصلاح کے کون اصول بتائے گئے ہیں جو اس بات کا قطعی ثبوت ہیں کہ قرآن، اللہ ہی کی طرف سے ہے نہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم و معارف کا نتیجہ جیسا کہ بعض گمراہوں نے سمجھ رکھا ہے

قرآن کا دوسرا مقصد

نبوت، رسالت، اور پیغمبروں کے فرائض

عرب، وحی و رسالت کے منکر تھے۔ ملا شبہ دین حنیفی کے جو چند ملنے والے حجاز وغیرہ میں اور وہ عرب جو یہودیت یا عیسائیت قبول کر چکے تھے، اس کے قائل ضرور رہے، مگر اُن کی تعداد بہت کم تھی۔

مشرکین عرب کا وحی کے بارے میں شبہ یہ تھا کہ اُن کے خیال میں یہ بات کسی طرح نہ آتی تھی کہ تمام آدمیوں کے مقابلہ میں چند لوگوں کو خدا پیغمبری کی فضیلت بخش سکتا ہے، حالانکہ اُن کے زعم میں تمام انسان بشری صفتوں میں برابر ہیں۔

یہودیوں کا خیال بھی عرب بت پرستوں سے قریب تھا۔ یہودی کہتے تھے کہ خدا اپنی پیغمبری کے لیے اپنے جس بندے کو چاہے،

منصب نہیں کرسکتا، بلکہ یہ منصب ہمیشہ کے لیے بنی اسرائیل ہی کے لیے خاص کردیا گیا ہے، گویا باقی انسان اُس رحمت و فضل کے مستحق ہی نہ تھے جو خدا نے اپنی پیغمبری کے ذریعہ یہودیوں کو بخش رکھی تھی لیکن نفس سوت کے قائل ہونے کے باوجود یہ لوگ، انبیاء کو خدا کے مقابلہ میں بھی جھوٹ، دھوکے، اور فریب سے بھی آلودہ بتاتے تھے اکہتے تھے خدا نے پیغمبروں سے کشتی لڑی اور پیغمبروں نے کبیرہ گناہ بھی کیے، جیساکہ اس بحث کے پہلے حصہ میں ہم بیان کرچکے ہیں۔

یہودیوں کی طرح عیسائیوں کا بھی یہی خیال تھا اور آج تک ہے کہ نبوت صرف بنی اسرائیل میں محدود رہے پھر انہوں نے پیغمبروں کے علاوہ مسیحؑ کے حواریوں اور دوسرے لوگوں کو بھی معصوم قرار دیا اور اُن کی بھی پرستش کرنے لگے۔ ساتھ ہی اُن کا بیان یہ بھی ہے کہ مسیحؑ کے بعض خاص الخاص حواریوں تک نے معیت کے وقت مسیحؑ سے انکار کیا اور معصول نے انہیں دشمنوں کے حوالہ کردیا۔ خود مسیح علیہ السلام کی بابت کہتے ہیں کہ آپ نے اپنے حواریوں سے پیش گوئی کردی تھی کہ تم سب آج رات مجھ سے منکر جاؤ گے،،

پھر یہودیوں اور عیسائیوں، دونوں نے اپنے احبار و رہبان اور پیشواؤں کو اللہ تعالیٰ سے ہٹ کر پروردگار بنالیا تھا، اور یہ اس

طرح کہ انہیں دینی تشریع، یعنی عبادتیں مقرر کرنے اور اپنے دل سے حلال و حرام کا فیصلہ کرنے کا حق دیدیا تھا (دیکھو تفسیر جلد ا صفحہ ۲۶۳) حالانکہ یہ سب اللہ سے کفر ہے۔ اُس کے انصاف سے انکار ہے۔ اُس کی رحمت و فضل کی عالمگیری سے روگردانی ہے۔ نوع انسان کے لیے فساد کا سرچشمہ ہے۔ چند آدمیوں کی غلامی میں تمام آدمیوں کو دیدینے کا سبب ہے۔

مگر خدا نے اپنے خاتم النبیین پر کتاب نازل فرماکر اس تمام فساد کا ازالہ کر دیا، اور اعلان کر دیا کہ تمام قوموں میں اُس نے اپنے پیغمبر بھیجے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ	ہم نے ہر قوم میں رسول بھیجا کہ اللہ کی
رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا	عبادت کرو اور طاغوت سے بچو۔ ان
الطَّاغُوتَ فَمِنْهُم مَّنْ هَدَى اللَّهُ	میں سے بعض کو خدا نے ہدایت بخشی اور
وَمِنْهُم مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ (۱۶: ۳۶)	بعض گمراہی کا شکار ہوگئے۔

اور فرمایا:

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ	اے پیغمبر، ہم نے آپ کو بشیر و نذیر بنا کر
بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ	حق کے ساتھ بھیجا ہے، کوئی قوم نہیں جس
إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ (۳۵: ۲۴)	میں کوئی ڈرانے والا گزر نہ چکا ہو۔

اور انسان کی اِس طرح عزت افزائی کی کہ دینی تشریع کا حق صرف اللہ ہی کے لیے خاص بتایا اور کہہ دیا کہ پیغمبروں کا کام صرف اِس قدر ہے کہ اُس کا پیام پہنچاتے ہیں، مگر قوموں پر حکمراں نہیں ہیں، اور یہ کہ پیغمبروں کی اطاعت، خدا کی اطاعت کے لیے ہے۔ اس طرح قرآن نے دینی قانون سازی کے حق سے محروم کرکے پیغمبروں کی ربوبیت کا خاتمہ کر دیا اور اُن کی پرستش کے ساتھ دوسروں کی پرستش کا بھی قلع قمع کر ڈالا۔ اِس طرح قرآن کی بدولت انسان، روحانی اور عقلی غلامی سے آزاد ہو گیا جس کا شکار متمدن قومیں خصوصًا عیسائی ہو چکے تھے۔

چونکہ اس بارے میں تمام قومیں اور ملتیں گمراہ ہو چکی تھیں، اِس لیے اس اصلاح کو بھی بہت سی سورتوں میں بار بار دہرایا گیا ہے اور صاف لفظوں میں فرما دیا گیا ہے کہ پیغمبر بھی سب آدمیوں کی طرح آدمی ہی ہیں، مگر ہاں اُن پر وحی نازل ہوتی ہے، اور یہ کہ اُن کا کام صرف اس قدر ہے کہ خدا کا پیام، انسانوں کو پہنچا دیتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاتم النبیین اور تمام پیغمبروں کے دین کو مکمل کرنے والے پیغمبر کو مخاطب کرکے فرمایا ہے۔

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ	اے پیغمبر کہہ دیجیے کہ میں بھی تمہارا ہی سا
يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ	ایک آدمی ہوں (البتہ) مجھ پر وحی آتی ہے

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا (۱۸: ۱۱۰)	کہ تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے۔ پس جو شخص اپنے پروردگار سے ملنا چاہتا ہے، اُسے چاہیے کہ نیک عمل انجام دے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے

اور اسی طرح سورۃ کے وسط میں تمام پیغمبروں کی نسبت فرمایا،

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ (۵۶)	ہم نہیں بھیجتے رسول مگر بشارت دینے والے اور ڈرانے والے۔

اِسی طرح سورۂ انعام میں ارشاد ہوا ہے،

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ فَمَنْ آمَنَ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (۶: ۴۸)	ہم نہیں بھیجتے رسول مگر بشارت دینے والے اور ڈرانے والے پس جو لوگ ایمان لائے اور اصلاح پر رہے نہ ان کے لیے کوئی خوف ہے نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔

اِسی کے ہم معنی بہت سی آیتیں ہیں، جن میں صاف بتا دیا گیا ہے کہ خدا نے پیغمبروں کو اس لیے بھیجا ہے کہ قول، عمل، اور تبلیغ کے ذریعہ بشارت دیں اور ڈرائیں، اور یہ کہ وہ خود اپنے آپ کو بھی نہ نفع پہنچانے کی قدرت رکھتے ہیں نہ نقصان کی، نہ ہدایت کی نہ شریعت اور سنن الٰہی

سے روگردانی کرکے عذاب الٰہی سے بچ جائے گی۔ اس کی تشریح ہم نے آیات ذیل کی تفسیر میں کوئی کردی ہے:

قُل لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ وَلَوْ كُنتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ۔ (۱۸۷ ۷)	اے پیغمبر کہہ دیجیے کہ میں اپنی ذات کے لیے بھی کسی نفع کی قدرت رکھتا ہوں نہ نقصان کی مگر اس کے جو خدا چاہے اگر میں غیب جانتا تو بہت سا نفع حاصل کرلیتا اور مجھے نقصان نہ پہنچتا میں اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایمان لانیوالوں کو ڈرانے اور بشارت دینے والا ہوں۔

عنقریب یہی مطالب اسی سورۃ کی آیت ۴۹ میں آئیں گے اور ہم اُس کی تفسیر بیان کردیں گے۔ پھر خود ہی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اقوال، اعمال، اخلاق، عبودیت خاکساری میں یہی بات اتنی صفائی سے ظاہر کردی ہے کہ قرآنی آیات کی کوئی اور تاویل کی ہی نہیں جاسکتی حتیٰ کہ بعض آزاد خیال علماء فرنگ نے بھی یہ حقیقت محسوس کرلی اور کہہ دیا کہ محمدؐ نے جب دیکھا کہ عیسائیوں نے ایسے ہی کو خدا سا کر اور اُس کی عبادت کرکے اپنے آپ کو پستی میں ڈال دیا ہے، تو محمدؐ نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا کہ اپنا لقب "رسول اللہ" قرار دیا بلکہ مسلمانوں کو یہ کہنے کا بھی حکم دیا کہ

"أشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله"
(میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد اُس کے بندے اور رسول ہیں)

اسی طرح عرب بت پرستوں کا خیال تھا کہ دنیا میں نفع حاصل کرنے کے لیے اُن کے معبود خدا کے ہاں اُن کی شفاعت یا سفارش کرتے ہیں۔ اور یہود و نصاریٰ قائل تھے کہ دنیا اور آخرت دونوں میں اُن کے پیغمبر اور پیشوا، شفاعت کرتے ہیں لیکن قرآن نے اس خیال کی تردید کردی اور صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ شفاعت کا معاملہ سراسر اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے اور یہ کہ اُس کی اجازت کے بغیر کوئی بھی شفاعت کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ چنانچہ فرمایا۔

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ وَهُم مِّنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ وَمَن يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّي إِلَٰهٌ مِّن دُونِهِ فَذَٰلِكَ نَجْزِيهِ جَهَنَّمَ ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ (۲۱: ۲۸، ۲۹)	خدا اُن کے آگے پیچھے سب کا علم رکھتا ہے، وہ شفاعت نہیں کریں گے، مگر جس کے لیے وہ راضی ہو اور وہ اُس کی خشیت سے ڈرتے ہوں گے اور جو کوئی یہ کہے کہ خدا نہیں میں معبود ہوں تو ہم اُسے جہنم کی سزا دیں گے اور ہم اسی طرح ظالموں کو سزا دیا کرتے ہیں۔

اس کی تفصیل ہم سورۂ بقرہ وغیرہ کی تفسیر میں بیان کرچکے ہیں،

اور اُس میں یہ بھی وضاحت کر دی گئی ہے کہ احادیث میں جس شفاعت کو بتایا گیا ہے، وہ اُس شفاعت سے مختلف ہے جس کی قرآں میں تردید کی گئی ہے۔ اس مسئلہ کی قرآں نے پہلے مسئلہ سے کم تکرار کی ہے، کیونکہ یہ اُسی کی ایک شاخ ہے اور اِس کو قائل کر دینا آساں ہے۔

اب تم غور کر سکتے ہو کہ قرآں نے اِس شفاعت کے معاملہ کی بھی اصلی حقیقت بیاں کر دی ہے، حالانکہ اس معاملے کی وجہ سے کروڑوں انساں گمراہ ہو چکے تھے اور خدا کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک بنانے لگے تھے جو نفع پہنچا سکتی ہیں نہ نقصاں۔ اب انصاف سے کہو کہ کیا یہ ہدایت، محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب کے علماء سے حاصل کی تھی کیونکر تصور کیا جا سکتا ہے کہ اُنہوں نے یہ حقیقت آپ کو تو بتا دی ہو اور اپنی قوم سے مخفی رکھی ہو؟ اگر یہ نہیں تو پھر کیا یہ چیز آپ کے ذہن کی پیداوار تھی؟ اگر آپ کے ذہن کی پیداوار تھی تو اس کے معنیٰ یہ ہوئے کہ اہل کتاب کے دعوے کے موجب آپ کا ذہن، وحیِ الٰہی سے بھی برتر تھا۔ نہیں، ہرگز نہیں، بلکہ آپ کی لائی ہوئی ہدایت سراسر اللہ تعالیٰ کی وحی تھی۔

تمام پیغمبروں پر ایمان

قرآں نے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام پیغمبروں پر ایماں لانا

فرض ہے اور اُن کے ایمان میں فرق کرنا جائز نہیں ہے۔ نیز تصریح کر دی ہے کہ بعض پیغمبروں پر ایمان لانا اور بعض سے کفر کرنا، تمام پیغمبروں سے کفر کرنا ہے، کیونکہ سب کے سب، اللہ ہی کی طرف سے ہیں اور سب کا فرض ایک ہی ہے یعنی خدا کا پیغام پہنچانا، لہذا سب کو ماننا چاہیے نہ یہ کہ ایک کو یا چند کو مانا جائے اور باقی سے انکار کیا جائے چنانچہ سورۂ بقرہ کے آخر میں فرمایا:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ	جو کچھ پروردگار سے آتا ہے رسول اس پر ایمان لایا ہے اور مومن لوگ سب ایمان لائے ہیں اللہ پر، اُس کے ملائکہ پر اُس کی کتابوں پر اُس کے رسولوں پر (اور کہتے ہیں کہ) ہم اُس کے رسولوں کے مابین تفریق نہیں کرتے۔

اور سورۂ نساء میں واضح طور پر فرمایا گیا ہے کہ ایمان میں اُن کے مابین فرق کرنا، اصلی کفر ہے، اور یہ کہ بغیر کسی تفریق کے سب پر ایمان لانا اصلی اور سچا ایمان ہے چنانچہ ارشاد ہوا ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ	جو اللہ سے اور اُس کے رسولوں سے کفر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اُس کے رسولوں کے مابین تفریق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم

وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيدُونَ اَنْ يَّتَّخِذُوا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُونَ حَقًّا وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا وَالَّذِينَ اٰمَنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ اُجُورَهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَّحِيمًا (م۔ ۵ ۱۵۲ا)	بعض پر ایمان رکھتے ہیں اور بعض سے کفر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کے (کفر و ایمان) بیچ کا راستہ اختیار کریں تو یہی لوگ اصلی کافر ہیں، اور کافروں کے لیے ہم نے اہانت والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور اُن میں سے کسی کے مابین تفریق نہیں کی، تو اُنہیں خدا عنقریب اُن کے ثواب عطا کریگا اور خدا غفور و رحیم ہے۔

اور اس کی بنیاد اس ایمان پر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دین جسے دیکر اُس نے اپنے تمام پیغمبروں کو بھیجا، ایک ہی ہے، اور انسانوں کی ہدایت اصلاح، اور دنیا و آخرت میں فلاح و کامیابی کے لیے اُنہیں تیار کرنے کے مقصد میں تمام پیغمبروں کے دین ایک ہی ہیں۔ ہاں زمان و مکاں کے اختلاف اور قوموں کی قابلیت کے تفاوت سے عبادتوں اور شریعتوں کی صورتیں مختلف ہوتی رہی ہیں۔ ما بریں بعض پیغمبروں پر ایمان لانا اور بعض سے انکار کرنا، خواہش کی پیروی اور دین کی حقیقت سے جہل ہے، اسی لیے اس قسم کا ایمان معتبر نہیں، بلکہ یہ کفر ہے۔

اِس حقیقتِ عادلہ کے مالک صرف مسلمان ہی ہیں کہ اہل کتاب جو صرف اپنے باپ دادا، اسرائیلی پیغمبروں ہی کو مانتے ہیں، حالانکہ مدترین عیوب اور دواحق سے بھی اُنہیں متہم کرنے سے باز نہیں رہتے ا لیکن مسلمانوں کا ایمان یہ ہے کہ ربُّ العالمین نے تمام قوموں میں ہدایت یاب اور ہدایت کی طرف بلانے والے پیغمبر بھیجے ہیں۔ چنانچہ مسلمان تمام پیغمبروں پر اجمالاً اور قرآن نے جن کا حال بیان کیا ہے، اُن پر تفصیلاً ایمان رکھتے ہیں۔ درحقیقت وہ اسلام ہی ہے جس نے اِس عقیدے کے ذریعہ نوعِ انسانی کو اعزاز بخشا، اور اس طرح عالمگیر محبت اور انسانی اخوت کے لیے زمین ہموار کردی ہے، جیسا کہ ہم آگے چل کر بیان کریںگے۔

بالکل صاف ظاہر ہے اور قرآن سے بھی ثابت ہے کہ پیغمبروں کے مرتبے مختلف ہیں۔ عیب کسی میں کچھ نہیں ہے، لیکن اُن میں بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے۔ فضیلت کا سبب یہی ہے کہ جو پیغمبر بندوں کے لیے زیادہ مفید ہوا اور جسے خدا نے زیادہ خصوصیت بخشی، وہ دوسروں سے بلند تر ہوگیا اور معلوم ہے کہ اِس بارے میں ان کے درجے بہت زیادہ کم و بیش ہیں، چنانچہ خود خدا ارشاد فرماتا ہے:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ مِّنْهُم مَّن	بعض پیغمبروں کو ہم نے بعض پر فضیلت دی ہے۔ بعض سے خدا نے کلام کیا اور بعض کے

كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ، وَآتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (۲ : ۲۵۳)	درجے بلند کر دیے، اور عیسیٰ ابن مریم کو ہم نے نشانیاں دیں اور روح القدس سے اس کی تائید کی۔

پھر عقلی و نقلی دلائل سے معلوم ہے کہ خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم جن کے ذریعہ اللہ نے اپنا دین مکمل کیا، اور جنہیں تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا، تمام پیغمبروں سے افضل ہیں۔ اللہ نے انہیں سب سے بلند درجے بخشے ہیں، جیسا کہ ہم اس آیت کی تفسیر میں اشارہ کر چکے ہیں اور یہاں اس بحث میں اس کی کم از کم تفصیل کی ہے۔

لیکن اس فضیلت اور مقام بلند کے باوجود آپ کا یہ حال تھا کہ آپ پیروؤں سے فرماتے تھے "پیغمبروں کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو" آپ نے یہ اُس وقت فرمایا تھا جب ایک مسلمان اور ایک یہودی کا باہم جھگڑا ہو گیا تھا۔ یہودی نے کہا قسم اُس خدا کی جس نے موسیٰ کو تمام انسانوں میں سے برگزیدہ کیا ہے۔ مسلمان اس پر خفا ہو گیا اور یہودی کو طمانچہ مار دیا۔ یہودی نے آکر حکایت کی تو آپ اُس مسلمان پر برہم ہوئے اور یہ لفظ ارشاد کیے۔ پھر آخرت میں موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت بیان کر کے فرمایا "مگر میں نہیں کہتا کہ یونس بن متی سے کوئی زیادہ افضل ہے"۔ یہ حدیث، بخاری اور مسلم نے روایت کی ہے۔

بخاری کی دوسری روایتوں میں ہے کہ فرمایا "پیغمبروں کو ان کے مابین ترجیح نہ دو" بعض روایتوں میں ہے کہ "مجھے موسیٰ پر فوقیت نہ دو"، اس سب سے غرض یہ ہے کہ مسلمان، انبیاء علیہم السلام میں سے کسی کی تنقیص نہ کریں، اُن کے نام پر باہم زیادتی نہ کریں، اور خود آپ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملے میں غلو و مبالغہ سے کام نہ لیں، ورنہ خود اپنی زبان مبارک سے فرما چکے ہیں "بخدا اگر موسیٰ اس وقت زندہ ہوتے تو اُن کے لیے بھی اس کے سوا کچھ جائز نہ ہوتا کہ میری پیروی کریں" (ابو یعلیٰ حدیث جابرؓ)

وہ نشانیاں جن سے خدا نے پیغمبروں کی تائید کی

اس بحث کے پہلے حصہ میں ہم پیغمبروں کی اُن نشانیوں پر گفتگو کر چکے ہیں جو عیسائیوں کی بول چال میں "عجائب" کہی جاتی ہیں اور ہمارے علماء کلام کی اصطلاح میں اُن کا نام "معجزات" ہے، اور خوارقِ عادت کی کئی قسموں میں سے انہیں ایک قسم قرار دیتے ہیں۔ یہاں ہم بتانا چاہتے ہیں کہ ان معجزوں کے بارے میں انسانوں کو جو گمراہی لاحق ہو گئی تھی، اُس کی اسلام نے کہاں تک اصلاح کر دی ہے، اور کس طرح انسانوں کو ایمان کے اُس بلند مرتبہ پر پہنچا دیا ہے جو پختہ عقلی اور نوامیس فطرت کے علم کے شایاں شان ہے، وہ علم جو انہیں محمد خاتم النبیین علیہ الصلاۃ والسلام کی رسالت کی بدولت ہی حاصل ہوا ہے۔

خدائی نشانیاں، دو قسم کی ہیں

خدا کی نشانیاں دو قسم کی ہیں۔

۱۔ ایسی نشانیاں جو تخلیق و تکوین کی سُنتوں کے مطابق ہیں۔ اس طرح کی نشانیاں، سب سے زیادہ ہیں۔ سب سے زیادہ روشن ہیں۔ اللہ کے کمالِ قدرت، ارادے، علم، حکمت، وسیع فضل و رحمت پر سب سے زیادہ گواہی دینے والی ہیں۔

۲۔ ایسی نشانیاں جو انسانوں کے ہاں معلوم الٰہی سُنتوں کے برخلاف واقع ہوتی ہیں۔ اُن کی تعداد کم ہوتی ہے، اور شاید اکثر لوگ انہی کو دیکھکر یقین کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ایسی موجودہ مخلوقات اور آیندہ مخلوقات میں پورا پورا اختیار حاصل ہے، اور یہ کہ اُس کی قدرت و مشیئت کائناتی قوانین کے ماتحت نہیں ہے جن پر یہ پورا نظامِ عالم قائم ہے۔ یہ قوانین اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس کی حکمت اور خلقت میں اُس کے کمال کا لازمی نتیجہ ہیں۔ لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اُس کی نامعلوم اور ان گنت حکمتوں میں سے کسی حکمت کی وجہ سے ایسے واقعات پیش آجاتے ہیں جو معلوم و مقرر قوانینِ قدرت کے خلاف ہوتے ہیں۔ اگر اس طرح کا معاملہ پیش نہ آیا کرتا تو یہ عالم گویا بھی ویسی ہی ایک مشین کی طرح ہوتا جو نہایت دقیق نظام کے موجب چلتی ہے اگرچہ خود وہ کوئی علم رکھتی ہے نہ ارادہ۔"

خواختیار، جیسے وہ چھوٹی سی مثتیں (گھڑی) جس سے شب وروز کے اوقات معلوم کیے جاتے ہیں، اور جیسے جہازوں اور کارخانوں کی بڑی بڑی مشینیں خالق کے منکر، مادّی لوگ اور فلاسفہ لعینہ اسی خالق کو اپنی بول چال میں وجود کی علّتِ فاعلہ کہتے ہیں اور اس نظامِ کائنات کو "مکانکی" نظریہ بتاتے ہیں۔ پھر وہ ہر اُس بات کو جو معلوم قوانینِ قدرت کے خلاف پیش آجاتی ہے، طرح طرح کی علّتوں اور سببوں کا نتیجہ بتاتے ہیں اور اس قسم کی غیر معمولی باتوں کا نام "فلتاتِ طبیعة" رکھتے ہیں۔ جن باتوں کا انہیں سبب نہیں معلوم ہے، انہیں اُن باتوں پر قیاس کر لیتے ہیں جن کا سبب معلوم ہو چکا ہے، اگرچہ یہ بے دلیل ہی کیوں نہ ہو، اور کہتے ہیں گو آج ہمیں سبب معلوم نہیں ہے، مگر کل ضرور معلوم ہو جائیگا، نہیں نہیں تو ہماری آیندہ نسلوں پر ضرور ہی ظاہر ہو جائے گا۔

عالم غیب وشہادة میں اللہ کی سنتیں

مگر ہم لوگ جو عالم غیب پر اور اُس کے ملائکہ پر ایمان رکھتے ہیں، وہ ملائکہ جو خدا کی سب سے بڑی روح ہیں اور جو خدا کے حکم سے عالم شہادة میں موثر ہوتے اور اُسے چلاتے ہیں، تو ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ اُس عالم غیب کے نظام میں خدا کی سنتیں، اُن سنتوں سے الگ ہیں جو اس مادّی عالم سے خاص ہیں، اور یہ کہ انسان وہ درمیانی کڑی ہے جو دونوں عالموں

کو جوڑتی ہے۔ چنانچہ اُس کا جسم اور اُس کے ضروری فرائض، عالم شہادت سے تعلق رکھتے ہیں۔ مگر اُس کی روح، عالم غیب سے تعلق رکھتی ہے، اور یہ کہ انسان جب تک اپنے مادّی جسم میں ہے۔ اُس کے تمام حواس مادّے ہی سے گھرے رہتے اور مادّی قوانین کے تابع ہوتے ہیں اُس کی تمام شخصی اور حسی ضرورتیں بھی مادّی ہی ہوتی ہیں جو اُسے غیب کے روحانی عالم سے محجوب رکھتی ہیں، حتیٰ کہ خود اُس کی اپنی روح سے بھی جو اُس کی حقیقت کی تکمیل کرنے والی ہے۔ لیکن ہاں جسم پر روح کو غلبہ واقتدار، آخرت کی زندگی میں حاصل ہوگا۔ مگر اُن لوگوں پر روحانیت کا یہ غلبہ نہیں، جو تاجنہیں خدا اپنی پیامبری کے لیے چن لیتا ہے اور اپنے فضل ورحمت سے اُن میں یہ صلاحیت پیدا کر دیتا ہے کہ اُس کے فرشتوں سے لگاؤ رکھ سکیں اور اُن سے علم حاصل کر سکیں، پھر خدا اپنے چنے ہوئے بندوں پر اپنے غیب میں سے جتنا چاہتا ہے، ظاہر کر دیتا ہے تاکہ اُس کے حکم کے مطابق بندوں کو تبلیغ کریں۔

غیب کی قسمیں

غیب وہ ہے جس کا علم آدمیوں سے غائب ہے، اور اُس کی دو قسمیں ہیں: حقیقی غیب جسے خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اضافی یا نسبتی غیب جو فطری و کسبی استعداد کی بنا پر مختلف اسباب سے بعض

لوگوں سے او جھل ہوتا ہے اور بعض کو معلوم ہوتا ہے۔ خدا نے اپنے پیغمبروں پر متاعِ غیب ظاہر کیا، اُس میں اُن کے کسب و اختیار کو دخل نہ تھا۔ یہ چیز بھی خصوصیاتِ نبوت میں سے ہے جو کسب و کوشش سے حاصل نہیں کی جا سکتیں۔[1]

پیغمبروں کے بعد اُن کے وہ خاص پیرو ہیں جن کی آنکھوں پر سے بعض پردے اٹھا دیے جاتے ہیں اور وہ اُس عالمِ غیب کو کسی قدر دیکھ لیتے ہیں۔ وہ اُن انوار میں سے کوئی کوئی نور مشاہدہ کر لیتے ہیں جن پر اپنے پیغمبروں کی وجہ سے اُن کا ایمان، دلیل و عقل والوں سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ چنانچہ امیر المومنین علی کرّم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا "اگر پردہ اُٹھ جائے تو بھی میرے یقین میں کچھ اضافہ نہ ہو"

اِن لوگوں کے بعد وہ لوگ ہیں جو فطرتِ سلیم کی وجہ سے یا قسم قسم کی ریاضتوں کے ذریعہ نفس کی اصلاح سے، یا اِس لیے کہ اُنہیں کوئی بیماری لاحق ہو جاتی ہے جو نفسی قوی کو جسم کی خواہشوں کے اہتمام سے بے پروا کر دیتی ہے، یا کوئی زبردست قوتِ ارادہ، کمزور قوتِ ارادہ کو قبضہ میں کر لیتی ہے، اور اُسے احساس سے الگ کر کے اپنی خواہش

(۱) اس موضوع کی مفصل تحقیق کے لیے تفسیر کی ساتویں جلد کے صفحہ [illegible] دیکھو۔

(۲) دیکھو، اور اس کا خلاصہ تفسیر کی دسویں جلد صفحہ ۱۳۵ میں موجود ہے۔

کے بموجب دوسری طرف لگا دیتی ہے۔ غرضکہ مختلف اسباب کی بنا پر بعض حالات میں اُن لوگوں کو ایسی روحانی قوت حاصل ہو جاتی ہے جس سے وہ دُور کے بعض اشخاص اور دُور کی بعض چیزوں کا ادراک کر لیتے ہیں، اور اُن کی نگاہ کے سامنے بعض واقعات، پیش آنے سے پہلے ہی آجاتے ہیں۔ وہ اُن کی خبر دیتے ہیں اور اُن کے بیان کے بموجب وہ واقع ہو جاتے ہیں۔

حقیقی اور ظاہری خوارق عادات

ایسے واقعات جو بظاہر معلوم قوانین قدرت سے باہر پیش آتے ہیں، یا جاں لوگوں کی عادتوں کے خلاف واقع ہوتے ہیں، بحیثیت مجموعی تمام زمانوں میں تمام قوموں سے تواتر کے ساتھ نقل و روایت ہوتے چلے آئے ہیں۔ یہ تمام واقعات حقیقی خوارق عادت نہیں ہوتے کیونکہ اُن میں بعض ایسے ہوتے ہیں جن کے اسباب عام لوگوں کو معلوم نہیں ہوتے۔ بعض کا تعلق ہنر سے ہوتا ہے جو سیکھا اور سکھایا جاتا ہے۔ بعض نفسی قوتوں کے زیر اثر پیش آتے ہیں یا قوی ارادے والے کمزور ارادے والوں پر اپنا اثر ڈال دیتے ہیں۔ انہی دونوں صورتوں میں بعض معاملات سے متعلق مکاشفہ ہے، مسمریزم ہے، اور بعض بیماروں کو اچھا کر دینا ہے، خصوصًا ایسے بیماروں کو جو اعتقاد و وہم پر اثر ڈالنے والی عصبی بیماریوں

میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ انہی بیماریوں میں نابینائی اور فالج کی دو قسمیں ہیں، چنانچہ بعض لوگ صرف اس وجہ سے اندھے ہو جاتے ہیں کہ اُن کی آنکھوں کے اعصاب بیمار ہو جاتے ہیں، کوئی نقص آنکھیں اچھی ہوتی ہیں۔ یا آنکھ کی پُتلی پر سفیدی عارضی طور پر پھاجاتی ہے، اگرچہ خود پُتلی اپنی جگہ ٹھیک ہوتی ہے۔ لیکن اس قسم میں وہ اندھے داخل نہیں ہیں جن کی آنکھیں بہہ جاتی ہیں، جیسے وہ اندھا جسے حضرت مسیح علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے اچھا کر دیا تھا۔

ہم نے خوارقِ عادت کی ظاہری صورتیں، سورۂ اعراف کی تفسیر میں سحر پر بحث کرتے ہوئے بیان کر دی ہیں۔ اور اُن مضامین میں بھی پوری تفصیل موجود ہے جو "المنار" کی جلد دوم اور جلد ششم میں کرامات، اُس کی قسموں، اور اُس کے اسباب کی بحث میں پیش کی ہے۔

ہر قوم کے وہ عوام جو تاریخ اقوام سے ناواقف ہیں اور جنہیں نہیں معلوم کہ اِس قسم کے عجیب واقعات تمام قوموں میں پیش آ چکے ہیں اور آتے رہتے ہیں، اور یہ کہ اِس سلسلہ میں علماء نے کیا کیا تصنیف سے دریافت کیے ہیں، تو ایسے ناواقف لوگ اس قسم کے واقعات اپنے ہاں دیکھ کر ناز سے پھول جاتے اور سمجھ لیتے ہیں کہ اُن کے سوا کسی اور قوم میں یہ باتیں موجود ہی نہیں ہیں پھر اُن تمام دقائق اور مشہدہ مازدں کے سامنے

چونکہ جایا کرتے تھے جن کے ہاتھوں اس طرح کی کوئی بات پیش آجاتی ہے۔ اس کے لئے انہیں موقعہ دیدیتے ہیں کہ اُن کا مال جس طرح چاہیں لوٹیں، اُن کی آبرو جس طرح چاہیں خراب کریں، خصوصاً جب کہ اس قسم کی چیزوں کو ولیوں کی کرامات کے طور پر قبول کر لیتے ہیں۔ لیکن جن قوموں میں تاریخ کی تعلیم عام ہو جاتی ہے اور اُن کے افراد کو اس قسم کے واقعات کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے، تو وہ نہ اُن پر زیادہ یقین کرتے ہیں نہ شعبدہ بازوں کے دعوے کو زیادہ سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ چیز آج بھی یورپ اور امریکا کے تمام ملکوں میں بہت عام ہے، اگرچہ مشرقی ملکوں خصوصاً دیہاتیوں اور وحشی رنگیوں وغیرہم سے کم ہے۔

لیکن اللہ کی حقیقی نشانیاں جنہیں ہم معجزے کہتے ہیں، اس قسم کے شعبدوں اور سیکھے سکھائے کاموں سے کہیں بلند و بالا ہیں اور اُن میں کسی انسان کے بھی کسب یا کوشش کو دخل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ خدا نے اپنے پیغمبروں کی تائید جن نشانیوں سے کی، اُن میں اُن کے کسب، عمل اور راتر کا کوئی دخل نہ تھا، حتیٰ کہ اُن نشانیوں میں بھی نہیں جو خدا کے حکم کے بموجب خود اُن کی ارادی حرکت سے پیش آتی تھیں۔ کیا تم نے نہیں پڑھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کس طرح ڈر گئے تھے جب اُن کی لاٹھی، زندہ سانپ بن گئی تھی، چنانچہ بھاگ نکلے اور جب تک

خدا نے اُن کے دل سے ڈر دور نہیں کر دیا، واپس نہ ہو سکے ؟ کیا تم نے قرآن میں نہیں دیکھا کہ خدا نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے:
وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (اے پیمبر تو نے تیر نہیں چلایا مگر خدا نے چلایا) اور کیا تم نے غور نہیں کیا کہ خدا نے آپ کو اُن لوگوں کے مقابلہ میں کیا جواب دینے کا حکم دیا ہے جو آپ سے نشانیوں کا مطالبہ کرتے تھے۔ چنانچہ فرمایا:

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا	اے پیمبر کہہ دیجئے کہ پاک ہے میرا پروردگار میں اس کے سوا کیا ہوں کہ انسان پیام بر ہوں۔

اور فرمایا:

قُلْ اِنَّمَا الْاٰيَاتُ عِنْدَ اللّٰهِ وغیرہ وغیرہ آیات۔	کہہ دیجیے کہ نشانیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں۔

عقائد اسلام کی اس محکم اصل سے جہل کی وجہ سے قبروں وغیرہ کے پجاری مدعیان علم، اس دھوکے میں پڑ گئے کہ معجزے اور کرامتیں بھی دوسرے ہنروں کی طرح کسبی چیزیں ہیں، اور یہ کہ انبیاء و صالحین جیتے جی اور مرنے کے پیچھے جب چاہیں اُنہیں دکھا سکتے ہیں، چنانچہ اسی وہم کی بنا پر جہلاء کو ورغلا کر بزرگوں کی قبروں پر دعا و مدد حاصل کرنے کے لیے

ملاتے ہیں۔ جب لوگوں پر کوئی مصیبت پڑتی ہے اور وہ اُسے اپنے ہنر اور کسی طریقوں سے دور نہیں کر سکتے تو یہ قبر پرست اُنہیں قبروں پر جانے اور اُسی طرح منتیں ماننے اور نیاز پیش کرنے کی دعوت دیتے ہیں جس طرح مشرک اپنے بتوں کی منتیں مانا کرتے اور بھینٹیں چڑھایا کرتے ہیں۔

درحقیقت یہ لوگ خدا کے بندوں کو گمراہ کرکے حرام کی کمائی کھاتے ہیں۔ یہ اُن سے کہتے ہیں کہ خود دین الٰہی کا بھی حکم یہی ہے کہ ان مرحوم بزرگوں کو اپنا حاجت روا تسلیم کریں، بلکہ اُن میں سے بعضوں نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ یہ بزرگ اپنی قبروں سے اپنے جسموں کے ساتھ نکل آتے ہیں اور حاجتمندوں کی حاجتیں پوری کر دیتے ہیں حالانکہ اگر واقعہ یہی ہوتا تو پھر یہ خارق عادت بھی نہ ہوتا۔ بعضوں نے چھپی ہوئی کتابوں میں یہ لکھ کر اور بھی ستم ڈھایا ہے کہ فلاں قطب زندہ کرتا اور موت دیتا ہے۔ غریب کرتا اور امیر بناتا ہے۔ خوش قسمتی بخشتا اور بدبختی نازل کر دیتا ہے۔

معجزے اور کرامت میں فرق

خدا نے اپنے پیغمبروں کو معجزے صرف اس لیے دیے تھے کہ اُن کی قوموں پر حجت تمام ہو۔ ہدایت قبول کرنے کی جن لوگوں میں

صلاحیت ہو۔ معجزے دیکھ کر ہدایت قبول کریں، اور جو انہیں دیکھ لینے کے بعد بھی جان بوجھ کر سرکشی کریں، اُن پر عذاب نازل ہو جائے عذاب اُسی وقت نازل ہوتا تھا جب حجت پوری ہو جاتی تھی، اور حجت انبیٰ معجزوں کے ذریعہ پوری ہوا کرتی تھی، لہذا اُن کا ظاہر ہونا تبلیغ دعوت کی تکمیل کے لیے ضروری تھا جس کے لیے وہ بھیجے گئے تھے۔ انبیاء علیہم السلام کا دستور تھا کہ اپنی رسالت کی حجت کے سوا اور کسی خارق کے لیے خدا سے دعا نہ کرتے تھے، الّا یہ کہ قحط سالی میں باران رحمت یا ایسی ہی کوئی ضرورت پیش آجائے۔ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے حضور سب پیغمبروں سے زیادہ عزیز تھے، لیکن اس کے باوجود آپ اور آپ کے اصحاب و اہل بیت، بیماریوں اور فقر و فاقہ کی مصیبتوں میں مبتلا ہوا کرتے تھے مگر اُن کے رفعیہ کے لیے آپ شاذ و نادر ہی خدا سے دعا کرتے تھے۔ ایک مرگی زدہ عورت نے دعا کی درخواست کی تو فرمایا کہ مصیبت پر صبر کرنا تیرے لیے زیادہ بہتر ہے۔ اُس نے عرض کیا، جب دورہ ہوتا ہے تو میں برہنہ ہو جایا کرتی ہوں۔ دعا کیجیے کہ برہنہ نہ ہوا کروں۔ آپ نے دعا فرمائی اور خدا نے قبول کرلی۔

کرامت کے معاملہ میں اصل یہ ہے کہ وہ پوشیدہ رہے، کیونکہ اُس کے ظاہر ہو جانے سے لوگ اکثر فتنہ میں پڑ جاتے ہیں۔ اہل کرامات

ایسی کرامتوں کو کسی ضروری شی سے ظاہر ہونے دیتے ہیں بلکہ اور صوفیہ نے بھی کہا ہے اور عوام کے خیال کے خلاف اسی پر اُن کا اتفاق ہو چکا ہے۔
تاج سبکی نے "مقامات سامیہ" میں کرامات کے سیکروں کی دلیلیں بیان کرتے ہوئے کہا ہے

"منکر کہتے ہیں کہ اگر کرامت بھی کوئی چیز ہوتی تو معجزے سے مشابہ ہو جاتی، اور اس کے بعد معجزہ، نبوت کی دلیل نہ رہتا۔ جواب یہ ہے کہ معجزہ، نبوت کے دعوے کے ساتھ پیش آیا کرتا ہے، برخلاف اس کے کرامت، ولی کی طرف سے نبی کی پیروی میں کمال کا نتیجہ ہوا کرتی ہے۔ پھر معجزے کے لیے ضروری ہے کہ اُس کا اظہار و اعلان ہو، لیکن کرامت ہمیشہ پوشیدہ ہوتی ہے اور شاذ و نادر یا کسی خاص ضرورت ہی سے ظاہر کی جاتی ہے۔ پھر معجزے کے معاملے میں جائز ہے کہ تمام خوارق عادت باتوں کے ساتھ پیش آئے، مگر کرامت میں بعض خارق عادت باتیں ہی پیش آتی ہیں"

محقق صوفیوں کا فیصلہ ہے کہ کرامتیں نہ لگاتار ظاہر ہوتی ہیں نہ انہیں شہرت ہی دی جاتی ہے۔ شیخ محی الدین بن عربی کہتے ہیں کہ جو بات بار بار پیش آئے، کرامت نہیں ہے، کیونکہ وہ معمولی اور عادی چیز بن جاتی ہے۔ کرامت وہی ہے جو خوارق عادت میں سے ہو۔ شیخ احمد

رفائی کہتے ہیں کہ اولیاء اللہ اپنی کراموں کو اُسی طرح چھپاتے ہیں جس طرح عورت اپنے ایّام کو چھپاتی ہے۔

کہاں یہ اقوال اور کہاں قبوری دجّالوں کا یہ دعویٰ کہ ایک ہی کرامت، زندہ اور مردہ بہت سے ولیوں کو بار بار ملتی ہے اور بار بار ظاہر ہوا کرتی ہے، اس طرح ظاہر ہوتی ہے کہ ہر کس و ناکس اُسے جاننے لگتا ہے، بلکہ وہ ایک ایسا سر بن جاتی ہے جو دودھاری گائے کی طرح دولت و ثروت بھی اپنے ساتھ لے آتا ہے!

آیاتِ الٰہی کے منکر

آیات الٰہی کے منکر دو قسم کے ہیں: ایک وہ جو تمام نشانیوں کا انکار کرتے اور کسی کو بھی نہیں مانتے۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو ان نشانیوں میں خدا کے سوا غیر اللہ کو بھی شریک کر دیتے ہیں۔ یہ لوگ غیر اللہ میں وہ قوتیں تسلیم کرتے ہیں جو صرف خدا ہی میں ہیں اور کہتے ہیں کہ غیر اللہ سے دعا کرنی چاہیے۔ مدد مانگنی چاہیے، کیونکہ اُن کے زعم میں خدا نے اِن کے ٹھہرائے ہوئے معبودوں کو اُن کی بزرگی، محبت، اور رتبہ کی وجہ سے اِس قسم کی غیبی قوتیں بخش دی ہیں۔ اُن کے اِس دعوے کے معنیٰ یہ ہوئے کہ خود خدا نے اِن بزرگوں کو یہ اختیار دیکر اپنا شریک بنایا ہے۔ یہ لوگ، عبادت، شرک، تخلیق وغیرہ الفاظ بولنے سے تو

احتیاط کرتے ہیں مگر ان الفاظ کے موافق ہی اُن کے معنی تلاش کرتے ہیں۔
اس طرح یہ لوگ الہام اور لوگوں پر جھوٹ بولتے ہیں جس کی
تائید و تردید الہامی آسمانی کتاب۔ اور الہام کے بھیجے ہوئے
نبی کی [illegible] صاف صاف ہوتی ہے۔ یہ لوگ کتاب الٰہی کی
تردید کرتے اور اُن سے اپنے نفس کی خواہش کی پیروی کرتے ہیں۔
کہتے ہیں بعد اس کے جیسا اسلام کو یہ حساب کے ملحق [illegible]
اس [illegible] میں جو مریم کے کسی حمل کو دخل نہ تھا اور کوئی نہیں جانتا کہ
[illegible] کے پاس کیسے پہنچا تھا۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ
مریم کو اس طرح پہنچا تھا۔ اُس کے [illegible] کے لیے بعض لوگوں کو
[illegible] اس [illegible] حضرت مسیح کی والدہ کی [illegible]
[illegible] کیونکہ اس [illegible] کو کوئی
[illegible] کہا گیا ہے کہ وہ نہ [illegible] ہے۔
یہ [illegible] لوگ، انسان سے لیے اُن کے دین [illegible]
میں اس سے کہیں زیادہ فساد برپا کرتے ہیں جتنا اُن لوگوں نے پیدا کیا
[illegible] کی تاویلوں کے مقدمہ میں بلکہ ان لوگوں کا [illegible]
[illegible] سب سے [illegible] لوگ ہی ہیں کیونکہ ان کو [illegible]
[illegible] اُن کے بعد [illegible] میں بہت سی [illegible] کیا کرتے ہیں۔

جو تو اس قدرت کے خلاف ہے یا اُنہیں بدل ڈالنے والا ہے، یا انہیں اُن کی منا سے ہٹا ڈالنے والا ہے۔ اسی قدر نہیں بلکہ مزید ستم یہ ڈھاتے ہیں کہ اپنے اسی باطل اعتقاد کو اللہ کا حکم اور اُس کے دین کی بنیاد بتاتے ہیں۔ اس طرح یہ لوگ دین کی بنیاد ہی کی تکذیب کر رہے ہیں، اور اس طرح اُن کے نتیجے میں منکرین آیاتِ الٰہی کے دونوں گروہوں کی گمراہیاں جمع ہو گئی ہیں، اُن کی بھی جو سراسر آیات کے منکر ہیں اور اُن کی بھی جو اُن میں ماسوا اللہ کو شریک کر دیتے ہیں۔ مزید برآں اُن کا یہ قول، اللہ کی جناب میں بغیر علم کے گفتگو ہے، اُس ذات حق پر جھوٹا بہتان ہے، کیونکہ جس چیز کو اُس نے دین نہیں قرار دیا اُسے یہ لوگ اُس کا دین بتاتے ہیں، اور معلوم ہے کہ یہ حرکت، سب سے زیادہ سخت کفر ہے، کیونکہ اس سے باطل اعتقاد پیدا ہوتا اور غیر مشروع باطل عبادت قائم ہوتی ہے۔ (اس مسئلہ کی تحقیق کے لیے تفسیر جلد ۹ صفحہ ۳۹۷-۴۰۱ دیکھو)

اس خرافات کا علاج

جو لوگ اللہ کی نشانیوں سے جہل کی وجہ سے عبادت الٰہی میں شرک کرتے اور خرافات میں اپنے ہی جیسے جاہلوں کی تقلید کرتے ہیں، اُن کا علاج یہ ہے کہ اُنہیں علم کلام کے نظریوں سے دور رکھ کر صرف قرآن مجید سے توحید ربوبیت و الوہیت کی تعلیم دی جائے۔

بتایا جائے کہ پیغمبروں کے فرائض کیا تھے، اور یہ کہ وہ بھی آدمی ہی تھے
مگر خدا نے اپنی وحی سے انہیں خصوصیت بخشی تھی، تاکہ اُس کے بندوں کو
یہ پیغام پہنچائیں کہ اُس مالک نے اُن کے لیے کون دین پسند فرمایا ہے
اور اُس سے کس طرح کا قول و عمل چاہتا ہے، اور یہ کہ پیغمبروں کا فرض
یہی تھا کہ تعلیم دیں، رہنمائی کریں، بشارت سنائیں، خوفِ خدا کی تلقین
کریں، اُس کی شریعت کے احکام، انصاف و مساوات کے ساتھ نافذ
کریں، اور یہ کہ خدا نے پیغمبروں کو کائنات میں تصرف کرنے کی کوئی ذاتی
قوت نہیں بخشی تھی کہ جو چاہیں کر ڈالیں یا اپنے قریبی رشتہ داروں کو اپنے
اختیار سے ہدایت کی راہ پر لے آئیں۔ حتیٰ کہ اپنے باپ، بیٹے، بیوی تک
کو ہدایت بخش دینے کی قدرت نہیں رکھتے تھے، چنانچہ ابراہیم خلیل اللہ
کا باپ، کافر ہی جیا، کافر ہی مرا، اللہ کا بھی دشمن تھا، اللہ کے رسول خلیل
کا بھی دشمن۔ سب سے پہلے رسول، نوح علیہ السلام کا بیٹا، کافر مرا
حتیٰ کہ خدا نے یہ اجازت بھی نہ دی کہ کشتی پر سوار کر لیا جائے، بیٹا
ڈوبنے والے کافروں کے ساتھ ڈوب گیا۔ ابولہب، اللہ کے رسول ا
حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا تھا مگر آپ کا سب سے بڑا دشمن،
سب سے زیادہ تکلیف پہنچاتا تھا۔ چنانچہ خدا نے اُس کی مذمت
وعید میں قرآن کی ایک سورۃ نازل کی جسے مومن، قیامت تک

بطورعبادت تلاوت کرتے رہیں گے، اور جیسی سورۃ کسی اور دشمن خدا یا رسول کے حق میں نازل نہیں ہوئی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی کمال حکمت کو دیکھو کہ آپ کے دوسرے چچا (ابو طالب) جو آپ کے کفیل تھے اور جنھوں نے مشرکوں کے مقابلہ میں آپ کی حمایت کی، وہ بھی آپ پر ایمان نہ لائے آپ نے اُن سے یہاں تک کہا کہ صرف کلمۂ لا الٰہ الّا اللہ کہہ دیں تاکہ قیامت کے دن اُن کے حق میں شہادت دی جا سکے، مگر انہوں نے یہ بھی منظور نہ کیا۔ اُنہی کے بارے میں خدا فرماتا ہے، جیسا کہ مسلم نے روایت کیا ہے:

اِنَّکَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ	جسے تم محبوب رکھتے ہو اُسے ہدایت نہیں دو گے، لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت بخش دیتا ہے۔

اِس مسئلہ کی تفصیل ہم نے آیت "واذ قال ابراھیم لابیہ آدر" کی تفسیر میں بیان کر دی ہے۔ اِسی سورۂ انعام کے خلاصہ میں ہم نے انبیاء علیہم السلام کے فرائض بیان کر دیے ہیں اور یہ بحث قابل دید ہے (تفسیر جلد ۸ صفحہ ۲۷۵-۲۸۵) پس جب کہ انبیاء کو بھی کائنات میں تصرّف کی قدرت نہیں دی گئی، تو اولیاء وغیرہم کو کیونکر مل سکتی ہے؟

معجزات اور کسبی خوارق

جو لوگ معجزوں کے منکر ہیں، اُن پر قرآن ہی سے حجت قائم ہو سکتی ہے، کیونکہ یہود و نصاریٰ، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ وغیرہ پیغمبروں کے جن معجزوں کا حال بیان کرتے ہیں، اُن پر یہ لوگ یقین نہیں کرتے بلکہ ان کی روایتوں کو بھی اُسی طرح کے افسانے خیال کرتے ہیں جیسے ہر زمانہ کے عوام الناس اپنے بزرگوں کی نسبت مشہور کر دیا کرتے ہیں اور جن کی بنیاد سراسر وہم اور دھوکے پر ہوتی ہے۔ اپنے اس خیال کی دلیل میں وہ کہتے ہیں کہ یوسیفوس مؤرخ، حضرت عیسیٰ کا معاصر تھا لیکن اُس نے آپ کے اُن معجزوں میں سے کسی ایک کا بھی ذکر نہیں کیا جنہیں انجیلیں بیان کرتی ہیں، حالانکہ یہ انجیلیں مسیح علیہ السلام کے بہت بعد لکھی گئی ہیں۔ اور اگر روایتیں صحیح ثابت ہو جائیں تو بھی لوگ معجزوں کی ویسی ہی تعلیل کرتے ہیں جیسی اُن ظاہری خوارق کی جو ہر زمانہ میں دکھائی دیتے ہیں۔ اور اگر اُن کا کوئی سبب سمجھ میں نہیں آتا تو کہہ دیتے ہیں کہ ضرور اُن کا بھی کوئی کسبی سبب ہوگا جو آج نہیں تو کل معلوم ہو جائے گا یا اس سبب کا اقرار خود وہ شخص کرے گا جس کے ہاتھوں خوارق ظہور میں آئے ہیں، جیسا کہ ہندو فقیروں کے معاملہ میں پیش آچکا ہے جو ہوا میں اڑتے تھے اور جن کے عجائبات، معجزوں سے بھی زیادہ حیرت

تھے۔

ایک مصری اخبار نے اِن دنوں ہندوستان کے ایک یورپین سیاح کے حالات شایع کیے ہیں۔ اس سیاح نے ایک ہندو فقیر، سرخو ہر داس کا واقعہ لکھا ہے جو ۱۸۳۷ء میں پیش آیا تھا۔

تفصیل یہ ہے کہ یہ ہندو فقیر، پنجاب کے بادشاہ، مہاراجہ رنجیت سنگھ کے محل میں حاضر ہوا اور مہاراجہ سے کہنے لگا کہ میں اپنی بعض کرامتیں دکھانا چاہتا ہوں۔ مہاراجہ فقیروں کا قائل نہ تھا۔ اُس نے پوچھا تو کیا کرامت دکھانا چاہتا ہے؟ فقیر نے کہا، مجھے چالیس دن تک دفن کر دیجیے اس کے بعد بھی میں زندہ رہوں گا۔

مہاراجہ نے یہ کرامت دیکھنی منظور کر لی۔ چنانچہ انگریز اور فرانسیسی ڈاکٹروں کو، نیز پنجاب کے بہت سے معززوں کو جمع کیا۔ فقیر سب کے سامنے اکڑوں بیٹھ گیا۔ اُس کے کہنے کے موجب روئی اور موم اُس کی ناک اور کانوں میں بھر دیا گیا۔ پھر اُسے کفنایا گیا۔ کفن ہر طرف سے سی کر فقیر کو ایک مضبوط چوبی صندوق میں بٹھا دیا گیا۔ پھر صندوق کو ہر طرف سے آہنی کیلوں سے جڑ دیا گیا۔ تو مہاراجہ نے اپنے ہاتھ سے اپنی مُہر، صندوق پر لگا دی۔ اس کے بعد صندوق کو باغ کے ایک تہ خانہ کی کوٹھری میں رکھ کر دروازہ مقفل کر دیا گیا اور مہاراجہ کی مُہر قفل پر لگا دی گئی۔ پھر مہاراجہ نے اپنے

دو معتمد علیہ سپاہیوں کو حکم دیا کہ سب دروازے کی نگرانی کرتے رہیں
اسی قدر نہیں بلکہ اور بہت سی فوج بھی حفاظت کے لیے مقرر کر دی گئی۔
یہ تمام کارروائی خود مہاراجہ اور بہت سے انگریز اور فرانسیسی ڈاکٹروں
اور بہائی معززوں کی موجودگی میں پیش آئی تھی۔
چالیس دن کے بعد یہ سب لوگ پھر مہاراجہ کے محل میں جمع ہوئے
دیکھا کہ مُہر ٹھیک ہے۔ تہ خانے کے سامنے کی گھاس پر کسی انسان کے
نشان بھی دکھائی نہیں دیتے ہیں۔ پھر تہ خانے کی کوٹھری کھولی گئی صندوق
پر بھی مُہریں بدستور تھیں۔ پھر صندوق کھولا گیا اور فقیر کو اندر سے نکالا
گیا تو ایک شاہد عینی انگریز کے بیان کے بموجب اُس کی حالت حسب ذیل
تھی؛

"فقیر کو جب باہر نکالا گیا تو میں نے اُس کے دونوں ہاتھ اور پیر
اکڑے ہوئے پائے۔ سر ایک طرف جھکا ہوا تھا۔ میں سمجھا کہ یہ مردہ لاش
ہے اور مدت ہوئی کہ زندگی اس سے رخصت ہو چکی ہے۔ میں نے اپنے
ڈاکٹر کو حکم دیا کہ اُس کا معائنہ کرے۔ ڈاکٹر نے اُس کے بازوؤں، کنپٹیوں
اور دل کا معائنہ کیا اور کہنے لگا کہ نبض کی حرکت کا کہیں پتہ نہیں لیکن
دماغ کے دائرے میں کچھ حرارت کا شبہ ہوتا ہے۔

"پھر سادھو کی ہدایت کے بموجب اُس کا جسم گرم پانی سے دھو

گیا اور جوڑ بتدریج نرم پڑنے لگے۔ روئی اور موم کو کانوں اور ناک پر سے ہٹا دیا گیا۔ سر پر گرم پانی کے بجائے چڑھا دیے گئے، اور کیا دیکھتے ہیں کہ مردہ لاش میں زندگی دوڑنا شروع ہو گئی! رگ پٹھے اور اعضاء سکڑ گئے، پھر اُن میں کپکپی سی پڑ گئی۔ پھر پسینہ چھوٹنے لگا، اور اعضاء اپنی پہلی حالت پر آ گئے۔ چند منٹ بعد آنکھیں بھی کھل گئیں اور اصلی رنگ اُن پر دوڑ گیا۔ اب سادھو زندہ ہو چکا تھا۔ اُس نے دیکھا کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ اُسے بڑی حیرت سے دیکھ رہے ہیں تو کہنے لگا "میرے مالک، آپ نے دیکھا کہ میں سچ کہتا تھا یا جھوٹ!" آدھ گھنٹہ بعد سادھو تابوت کے اندر سے نکل آیا اور حاضرین سے میٹھی میٹھی باتیں کرنے لگا!"

یہ واقعہ بھی اللہ کی ایک نشانی ہے جو کسی ریاست سے ظاہر ہوئی ہے۔ سادھو کا یہ واقعہ، انجیل کے اُس واقعہ سے زیادہ عجیب ہے جس میں لیعازر کا مرنا پھر چار دن بعد مسیح کی دعا سے اُس کا زندہ ہو جانا بتایا گیا ہے، جیسا کہ پچھلے صفحوں میں ہم بیان کر آئے ہیں بلکہ سادھو کا یہ واقعہ بعض وجوہ سے جو اصحابِ کہف کے واقعہ سے بھی زیادہ عجیب ہے۔ کیونکہ ہندوستانی سادھو کی ناک بھی بند کر دی گئی تھی جس کے بعد عادتاً کوئی زندہ نہیں رہ سکتا۔ برخلاف اس کے اصحابِ کہف، ایک کشادہ غار میں سو گئے تھے، جس کا منہ، ہوا کے رخ، شمال کی طرف تھا، پھر دھوپ

بھی غار کے منہ پر صبح شام پڑتی اور ہوا کو سونے والوں کے لیے لطیف بنا جاتی تھی۔ اصحاب کہف کے معاملے میں جو کچھ عجیب بات ہے، وہ ان کی طویل نیند میں ہے۔ یہ نیند بہت ہی دراز تھی جیسا کہ قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے۔ اس بارے میں مسیحادی ریبیرہ مسمرزم نے قیل وقال کی ہے، لیکن اللہ کی نشانیوں کے راز کو کوئی جان نہیں سکتا۔ موجودہ زمانے میں بھی بعض لوگوں کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ مرض خواب میں مبتلا ہو کر مہینوں پڑے سوتے رہے۔

لیکن ہندوستانی سادھوکا معاملہ، زندگی کے عام قوانین کے خلاف ہے۔ اور اگر ثابت ہوجائے کہ یہ واقعہ ان سادھوؤں کے کسی ایسے کسبی طریقہ ریاضت سے پیش آیا ہے جو زندگی کو، اتنی طویل مدت تک ایسے مخالف حالات میں بھی باقی رکھ سکتا ہے، جبکہ دورِ دوراں اور تنفس ممکن ہیں، تو ایسی صورت میں کسی متشدد کے لیے روا نہیں رہتا کہ عام قوانین قدرت کے خلاف پیش آنے والے ہر واقعہ کا انکار بطور قاعدۂ کلیہ کے قرار دے دے، کیونکہ اس پر دخل ہیں تو یہ تو اس بھی ماننے ہیں۔ وہی اپنی قدرت سے ہر چیز کا خالق ہے، اسی نے اپنی مشیئت سے اسباب مقرر کیے ہیں۔ خوارقِ عادت کے اکثر منکر، خدا پر ایمان رکھتے ہیں، مگر اس کی سنتوں کے مخالف کسی چیز کا وقوع تسلیم نہیں کرتے، کیونکہ

اُن کے خیال میں ایسا ہونا، اُس کی حکمت کے منافی ہے۔ لیکن اُس علیم و حکیم کی سنتوں اور حکمتوں کا کون احاطہ کرسکتا ہے؟ ہاں عقل کا یہ تقاضا ضرور ہے کہ عام اسباب کی جو دائمی و سرمدی سنتیں معلوم چلی آتی ہیں اُن کے خلاف کسی بات کے پیش آنے کا اُس وقت تک یقین نہ کرتے جب تک اُس کا کوئی ایسا قطعی ثبوت نہ مل جائے جس کی تاویل نہیں ہوسکتی۔ مُسَلّم محققین، علماء مادیات، اور علماء نفسیات وغیرہم کا معتمد علیہ مسلک یہی ہے۔ موجودہ زمانہ میں الیکٹرک (بجلی) وغیرہ کے ایسے عجائبات ظہور میں آئے ہیں کہ اگر پچھلے زمانہ کے علماء و حکماء سے اُن کا ممکن ہونا کہا جاتا، تو ایسے آدمی کو ضرور مجنوں یقین کرتے۔

کسبی اور حقیقی خوارق میں فرق

غرضیکہ اِس کائنات کے رازوں کا احاطہ، خالق سبحانہ وتعالیٰ کے سوا کوئی نہیں کرسکتا۔ ہر زمانہ میں ایسے عجیب واقعات پیش آتے رہے ہیں جو الٰہی رازوں میں شمار ہوسکتے ہیں، وہ راز جو مخلوق میں قوانین الٰہی کے ضابطہ کے خلاف معلوم ہوتے ہیں ایسے واقعات میں بعض محض جھوٹ ہیں، لیکن عجائب پرست عوام اُنہیں بیان کیا کرتے ہیں۔ بعض کے علمی یا صناعی مخفی اسباب ہیں، مگر اکثر لوگ اُن سے بے خبر ہیں۔ بعض سرے سے خوارق ہی نہیں ہیں اگرچہ لوگ اُنہیں خوارق

سکتے ہیں، مثلاً وہ واقعات جن کی بنیاد وہم پر ہوتی ہے، جیسے بعض امراض میں وہم سے شفا مل جانا، یا وہ واقعات جو نظر بندی کے ذریعہ واقع ہوتے ہیں اور جس میں شعبدہ باز کامل ہوا کرتے ہیں، چنانچہ فرعون کے ساحروں نے جو کچھ کیا تھا، وہ نظر بندی ہی تھی جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے "فَإِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ" (ان کی رسیاں اور لاٹھیاں حضرت موسیٰ کو ان کے سحر سے ایسی معلوم ہوئیں کہ چل رہی ہیں) اسی قبیل سے پیٹ بولوں کا دھوکہ کھایا جاتا ہے، چنانچہ بعض لوگ اپنی آواز بدل کر رات کو نہایت عجیب آوازیں بولتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ جنات بول رہے ہیں، بلکہ دل میں بھی جو منہ ہلائے بغیر اپنے پیٹ سے طرح طرح کی آوازیں نکال سکتے ہیں ظاہر ہے ایسے لوگوں کی کسی بات پر یقین نہیں کرنا چاہیے۔ ان مدعیان کے جھوٹے ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ وہ اپنے عجیب کرتبوں ہی سے روٹی کماتے ہیں۔ اگر یہ لوگ سچے ہوتے تو بادشاہ اور علماء ان کی صحبت اور ان سے فائدہ حاصل کرنے میں باہم پیش قدمی کرتے۔

معجزات کی قسمیں

تمام معجزے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور ان میں بشمول قرآن پیغمبروں کے کسب کو کوئی دخل نہیں، لیکن اپنے مظاہر کے لحاظ سے ان کی

دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ ایسے معجزے جو کسی سنت الٰہی کے مطابق واقع نہیں ہوتے یہ اُن خاص احکام و قوانین (آرڈیننس) کی طرح ہیں جو حکومتیں یا بادشاہ خاص خاص مصلحتوں سے جاری کرتے ہیں ـــــ لیکن اس سب سے بلند ہے ــ اور ایسے معجزے جو مادّی تو نہیں لیکن روحانی سنت الٰہی کے تحت واقع ہوتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی جتنی نشانیاں قرآن سے ثابت ہیں، مثلاً وہ نو نشانیاں جو مصر میں پیش آئی تھیں، تو یہ تمام تر پہلی قسم کے معجزے ہیں اور ان میں حضرت موسیٰ کے ارادے اور کسب کو کوئی دخل نہ تھا۔ اسی طرح اُن کی وہ نشانیاں جو بنی اسرائیل کے خروج کے وقت اور صحراء سینا میں پیش آئیں، تو یہ تمام کی تمام خدا کی طرف سے تھیں اور ان میں خود حضرت کو کوئی دخل نہ تھا، بجز اس کے کہ خدا کے حکم سے اُنہوں نے سمندر پر اور پتھر پر اپنی لاٹھی ماری تھی۔ کسی اور پیمبر کو اس طرح کی نشانیاں نہیں دی گئیں، اور ان نشانیوں کی نسبت خیال بھی نہیں کیا جا سکتا کہ اُن اسباب میں سے کسی سبب سے پیش آسکتی ہیں جو روحانی ریاضت یا مادّے کی قوتوں کے ذریعہ دکھائی جا سکتی ہیں۔

لیکن مسیح علیہ السلام کی نشانیاں جن سے خدا نے آپ کی تائید کی تھی، تو وہ اگرچہ کسبی عادات اور معلوم سُنَنِ خداوندی کے خلاف واقع

ہوئی تھیں، مگر ان میں سے اکثر یا سب کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ عالم ارواح یں حداد مدی سنتوں کے مطابق پیش آئی تھیں۔ چنانچہ آپ کی پیدائش بھی ایسی سنتوں کے مطابق ہوئی تھی۔ روح الہیٰ — یعنی جبریل علیہ السلام — کی پھونک کے ذریعہ آپ شکم مادر میں آگئے تھے۔ اسی روح کے اثر سے حضرت مریم کے رحم میں وہ کیفیت پیدا ہو گئی تھی جو مرد کے نطفہ سے پیدا ہوجاتی ہے اور یہ محض قدرت الہیٰ کا ایک کرشمہ تھا۔

چونکہ آپ کی پیدائش سراسر روحانی طریقہ پر ہوئی تھی، اس لیے تعجب نہیں کرنا چاہیے اگر آپ کی نشانیاں بھی تمام روحانیوں، پیغمبروں اور ولیوں کی نشانیوں سے بڑھ چڑھ کر ہوئیں، مثلاً کشف کے واقعات اور برص والوں کا اچھا کر دینا وغیرہ وغیرہ امور۔ لیکن حضرت مسیح اور ہندوستانی سادھوؤں اور مسلمان صوفیوں میں فرق یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی نشانیاں زیادہ قوی اور زیادہ مکمل تھیں، اور یہ کہ آپ کی نشانیاں سراسر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھیں، جن میں آپ کے کسب و عمل کو دخل نہ تھا۔ آپ کی نشانیاں بھی اسی طرح اللہ کی طرف سے تھیں جس طرح خود آپ کی پیدائش تھی۔ فرمایا:

وَالَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا	اور وہ جو عفت مآب تھی (یعنی مریم) تو ہم
فَنَفَخْنَا فِیْهَا مِنْ رُّوْحِنَا	نے اُس میں اپنی روح میں سے کچھ پھونکا اور

وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (۲۱: ۹۱)	اُسے (مریم) اور اُس کے بیٹے کو سب کے لیے نشانی کر دیا۔

اور فرمایا:

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً (۲۳: ۵۰)	ہم نے ابن مریم اور اُس کی ماں کو نشانی بنا دیا ہے۔

حضرت عیسیٰ اور اُن کی والدہ، نشانی اِس لیے ہوئیں کہ حضرت روح الٰہی کی پھونک سے ماں کے پیٹ میں آ گئے اور پیدا ہو گئے، نہ کہ انسانی مادّے کی تلقیح سے جیسا کہ عام طور پر سب آدمی پیدا ہوتے ہیں۔ حضرت کی پیدائش سراسر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہوئی نہ کہ حضرت مریم کے رحم میں نر اور مادہ کے مادّوں کی موجودگی کی وجہ سے جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔

حضرت عیسیٰ کا سب سے بڑا روحانی معجزہ وہ ہے جسے قرآن نے بیان کیا ہے، اگرچہ چاروں انجیلوں کے مؤلفوں نے روایت نہیں کیا (کہا جاتا ہے کہ یہ معجزہ "انجیل طفولیت" میں موجود تھا جسے چرچ نے مسترد کر دیا اور وہ بعثت محمدی سے پہلے ہی دنیا سے مفقود ہو گئی) اور وہ معجزہ یہ ہے کہ آپ گیلی مٹی لیتے اور اُس سے چڑیا کا پتلا بناتے پھر اُس میں اپنی سانس پھونکتے اور وہ حکمِ خدا سے چڑیا بن جاتا تھا۔

روایت کیا گیا ہے کہ یہ مٹی کی چڑیا کچھ دُور اُڑتی تھی پھر مرکر گر پڑتی تھی۔
صحیح و سالم جسم والے مُردے کو جو حال ہی میں مرا ہو، زندہ کر دینا چڑیا والے معجزے سے کم ہے کیونکہ ایسے مُردے میں حضرت کا اپنا روحانی دھارا چھوڑنا پھر اللہ عزوجل کی طرف اپنے پورے دل سے متوجہ ہو کر دعا کرنا، اُس میں حکم خدا سے زندگی لوٹ آنے کا روحانی سبب ہوتا تھا ٹھیک اُسی طرح جس طرح بجھے ہوئے چراغ سے آگ قریب ہوتی ہے تو فوراً جل اٹھتا ہے، یا جس طرح بجلی کی ایکا ایکی لہر سلتی لہر سے ملتے ہی، روشنی پیدا کر دیتی ہے۔ خود اس زمانہ میں بعض طبیبوں نے موت کے بعد ہی جراحی عمل یا قلب کے علاج سے مُردوں میں زندگی پیدا کر دی ہے۔
اس سے گھٹ کر بعض بیماریوں کو اچھا کر دینے کا معجزہ ہے، خصوصاً عصبی بیماریوں کو، عام اس سے کہ انجیل کے بقول وہ شیطان کی تحریک سے پیدا ہوئی ہوں یا کسی اور سبب سے، اور یہ اس لیے کہ شیطان، خبیث روح ہے جو پاک روح کی توجہ کے ساتھ باقی نہیں رہ سکتی، وہ پاک روح جو روح القدس جبریل علیہ السلام کی طرف سے متعلق ہے۔ اس قسم کے واقعات شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور دوسرے روحانیوں کے ذریعہ بھی پیش آ چکے ہیں۔ عصبی اور دوسری بیماریاں اس کے سوا کچھ نہیں کہ زندگی کی کمزوری کا نتیجہ ہیں اور اس

روح کے اتصال سے اُن کا دور ہوجانا سزاوار ہے، کیونکہ یہ روح، زندگی و قوت کا سب سے بڑا سبب ہے۔

اس سے اُتر کر مکاشفات ہیں جنہیں خود حضرت عیسیٰ کے قول کے طور پر قرآں میں اس طرح بتایا گیا ہے وَأُنَبِّئُكُم بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ (میں تمہیں بتا دوں گا کہ تم کیا کھاتے ہو اور اپنے گھروں میں کیا جمع کرتے ہو) دوسرے اسرائیلی پیغمبر غیر مستقل کی اس سے کہیں زیادہ مہتم بالشان باتیں بتا دیا کرتے تھے۔ پیغمبروں کے علاوہ روحانی لوگوں خصوصاً امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صالحین نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ لیکن اس بارے میں درجے کم و بیش ہیں۔ یہ کمی بیشی، قوت و کمزوری میں، مدت کی درازی میں، حاضر و غائب کے ادراک میں، جزئیات و غیر جزئیات میں فرقِ مراتب کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ کوئی شخص صرف گزشتہ ہی کی خبر دے سکتا ہے۔ کوئی آیندہ کی بھی باتیں بتا دیتا ہے سب سے اعلیٰ درجہ پیغمبروں کے لیے خاص ہے پیغمبروں کے علاوہ نہ کوئی آدمی ہوا ہے نہ ہوگا جو کشف سے قدیم ترین زمانوں کے حالات بیاں کر سکے، جیسا کہ قرآں نے پرانے نبیوں اور اُن کی قوموں کے واقعات بیاں کیے ہیں، یا مستقبل کے بارے میں یقین کے ساتھ کہہ سکے کہ آیندہ اتنے برس کے اندر فلاں بات پیش آنے والی ہے،

جیسا کہ قرآن نے بتایا ہے کہ چند سال میں رومیوں کو ایرانیوں پر فتح حاصل ہو جائیگی، یا جیسا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے حق میں پیشین گوئی کردی تھی کہ وہ بڑے بڑے ملک فتح کرے گی اور قومیں اُس کی پیروی کرنے لگیں گی، پھر ایک وقت آئے گا کہ قومیں اِس اُمت پر ٹوٹ پڑینگی۔ اس زمانہ میں بھی مکاشفات کا ثبوت ملتا ہے اسی چیز کو آج کل خیالات کا پڑھنا کہتے ہیں۔ ہم نے اس طرح کی چیزیں دیکھی ہیں۔ اسی قبیل سے وہ چیز بھی ہے جسے خیالات کا منتقل کرنا کہتے ہیں۔

اِس تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السلام کو جو نشانیاں ملی تھیں، وہ محض قدرتِ خدا سے تھیں اور خدا کی روحی قوتوں کی کسی ظاہری سنّت کے مطابق پیش نہیں آئی تھیں، اور یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام کو جو نشانیاں دی گئی تھیں، وہ اِس سے مختلف ہیں۔ پہلی قسم کی نشانیں انسانوں کی نظر میں اللہ کی قدرت و مشیئت اور مختارِ کل ہونے کی زیادہ صاف دلیلیں ہیں کیونکہ اسباب و مسببات کے نظام سے زیادہ دور ہوتی ہیں، اُس نظام سے جس کے موجب اُن کی زندگیاں بسر ہوتی ہیں۔

موسیٰ کو چھوڑ کر مسیح اور ولیوں کی عبادت کا سبب

بہت لوگوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی پرستش کی ہے اور اُنہیں خدا بنا لیا ہے، مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہ برتاؤ نہیں کیا، حالانکہ موسیٰ کی نشانیاں زیادہ جلیل القدر ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اِن آدمیوں کے علم میں یہ بات نہیں آئی کہ عیسیٰ علیہ السلام کے معجزے عام روحی سنتوں کے موجب پیش آئے ہیں جن میں اُن کے ساتھ دوسرے لوگ بھی شریک ہو سکتے ہیں، لہٰذا اُنہوں نے طے کر لیا کہ حضرت عیسیٰ کی نشانیاں خود اُن کی اپنی قدرت سے پیش آئی ہیں، اور یہ کہ اُنکی قدرت عین قدرتِ الٰہی ہے، کیونکہ اِن نادانوں کے بقول خدا، حضرت مسیح میں حلول کر گیا اور اُس سے متحد ہو کر ایک تن گیا ہے، اور یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کی نشانیاں سراسر قدرتِ خدا سے پیش آئی تھیں لیکن ان لوگوں کو یاد نہ رہا کہ حضرت عیسیٰ نے بھی حضرت موسیٰ ہی کی شریعت (توراۃ) کی پیروی کی ہے، بجز چند باتوں کے جنہیں خدا نے آپ کی زبان سے منسوخ کرا دیا، جیسے بعض ایسی چیزوں کا حلال کر دینا جو یہودیوں پر اُن کی سرکشی کی وجہ سے بطور سزا کے حرام کر دی گئی تھیں، اور جیسے دولت اور خواہشوں کی پرستش میں اُن کے غلو کو حرام کر دیا ہے۔

اس بارے میں عیسائیوں کا معاملہ اُن مسلمانوں کا سا ہے

جو اپنی مصیبتوں میں صالحین سے دعا کرکے اُن کی عبادت کرتے ہیں۔ اِن لوگوں کا اعتقاد یہ ہے کہ یہ بزرگ اپنے غیبی تصرّف کے ذریعہ اُن سے تکلیف دور کر دیتے اور اُنہیں نفع پہنچاتے ہیں۔ اسباب و مسبّبات سے الگ یہ تصرّف اِن لوگوں کی بول چال میں کرامت ہے، حالانکہ اِس قسم کا تصرّف و اختیار صرف اللہ تعالیٰ ہی سے خاص ہے، لیکن یہ لوگ اپنے اِن معبودوں کو پروردگار، معبود، خدا، خالق نہیں کہتے، مگر ناموں کا یہ اختلاف اس بارے میں کوئی اہمیت نہیں رکھتا، کیونکہ لفظ اور نام اصطلاحی ہیں۔

خالق اور مخلوق، رَبّ اور مربوب میں فرق یہ ہے کہ پروردگار جسے چاہے نفع پہنچائے اور جسے چاہے نقصان پہنچائے۔ خدا، اسباب و مسببات کا پابند نہیں ہے، بلکہ جب چاہے اپنے پیدا کیے ہوئے اسباب سے کام لے اور جب چاہے اُن کے بغیر ہی کام کرے۔ لیکن مخلوق کی یہ حالت نہیں ہے۔ وہ سراسر اسباب و مسببات کی پابند ہے جو سب کے لیے یکساں طور پر مسخّر کر دیے گئے ہیں، لیکن لوگ ان کے علم و عمل میں اُتنے ہی متفاوت درجے رکھتے ہیں جتنا عقل و حواس و اعضاء کے لحاظ سے اُن کی اِستعداد میں تفاوت ہے۔

کسی علم و عمل کے ذریعہ انسان، نفع حاصل کرے اور نقصان

دور کرے میں اُس مقام تک پہنچ گیا ہے جو پہلے کسی مخلوق کو نصیب نہیں ہوا حتیٰ کہ پیغمبر بھی اُس تک پہنچ نہ سکے، اور یہ اس لیے کہ پیغمبر اِس معاملے کے لیے سرے سے بھیجے ہی نہ گئے تھے بلکہ اُن کی بعثت کی غرض صرف یہ تھی کہ لوگوں کو معرفت وعبادت الٰہی کی راہ دکھائیں اور اُن کے اخلاق درست کردیں۔

ماریں دنیا کے منافع، انبیاء سے طلب نہیں کرنا چاہیے، نہ اُن کے جیتے جی نہ اُن کی وفات کے بعد، بلکہ اُن وسائل واسباب کے ذریعہ طلب کرنا چاہیے جن سے وہ حاصل کیے جاسکتے ہیں، اسباب کے پرے خدا کے سوا کسی اور کو قدرت نہیں ہے۔ ظالموں نے بعض انبیاء و اولیاء کو طرح طرح کی آزمائشوں میں مبتلا کیا، یہاں تک کہ قتل بھی کر ڈالا، اِس پر بھی یہ انبیاء و اولیاء اپنی ذات سے تکلیف ومصیبت دور نہ کرسکے۔ اِسی لیے قرآن حکیم میں بار بار اس کی تردید کردی گئی ہے کہ جن چیزوں یا آدمیوں کی لوگوں نے پرستش اختیار کر رکھی ہے، وہ نہ خود کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں نہ خدا کے ہاں شفاعت وسفارش کے ذریعہ اس کی قدرت رکھتے ہیں۔ فرمایا:

وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ	خدا کو چھوڑ کر ایسوں کی پرستش کرتے ہیں جو انہیں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع،

وَيَقُولُونَ هٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ (الج ۱ ۱۸)	اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ خدا کے ہاں ہمارے شفیع ہیں۔

اسی کے ہم معنی اور بہت سی آیتیں ہیں۔ پھر خدا نے اپنے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حکم دیا کہ دوسرے پیغمبروں کی طرح وہ بھی لوگوں کو اس حقیقت سے آگاہ کر دیں۔ چنانچہ فرمایا:

قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (۷ ۱۸۸)	کہہ دیجئے کہ میں اپنی ذات کے لیے نہ کسی نفع کی قدرت رکھتا ہوں نہ کسی نقصان کی الا اس کے جو خدا چاہے، اور اگر میں غیب کو جانتا تو اپنے لیے بہت سی بھلائی حاصل کر لیتا اور مجھے تکلیف نہ پہنچتی۔ میں اس کے سوا کچھ نہیں کہ ڈرانے والا اور ایمان لانے والوں کو بشارت دینے والا ہوں۔

اور فرمایا

قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا	کہہ دیجئے کہ میں تمہارے لیے نہ کسی نقصان کی قدرت رکھتا ہوں نہ کسی ہدایت کی۔

اس مسئلہ کو ہم بارہا تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔ یہاں حسب دفعات ذیل اُس کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پورے کمال کے ساتھ پیدا کیا، اور اُسے ایسے نظام اور دستور سے جوڑ دیا ہے جس میں نہ کمی بیشی ہو سکتی ہے نہ خلل پڑ سکتا ہے۔ اللہ کے قوانین مقرر ہیں اور تمام اسباب و مسببات اُنہی سے وابستہ ہیں۔ اُس کی جملہ علوی اور سفلی مخلوقات، اُسی کے اسماء و صفات کی مظہر ہیں۔ اسی لیے حجۃ الاسلام غزالی نے کہا ہے "جو کچھ موجود ہے اُس سے بہتر ہونا ناممکن ہے"، کائنات میں یہ جاری و ساری نظام، جو حواس، عقل، اور نصوص قرآن سے ثابت ہے، خالق السّماوات والارض کی وحدانیت کی سب سے بڑی دلیل ہے لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا " (اگر آسمان اور زمین میں خدا کے سوا دوسرے دیوتا ہوتے تو آسمان اور زمین میں خرابی پڑ جاتی)

۲۔ آفرینش میں مت نئی بوقلمونیوں، اور حرکت و سکون، تحلیل و ترکیب میں اللہ تعالیٰ کی سنتوں کا پورا پورا علم اُس ذاتِ اعزّ و اجل کے سوا کسی کو نہیں۔ اِس چیز میں آدمیوں کا غور و فکر، تجربہ و تدبّر جتنا زیادہ بڑھتا جاتا ہے، اُس کے اسرار و عجائب و منافع اتنے ہی زیادہ اُن پر کھلتے جاتے ہیں، وہ اسرار و عجائب و منافع جن کا اُنہیں نہ علم تھا نہ وہم و گمان۔ خود ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ تجارتی اور جنگی ہوائی جہاز، فضا میں اُڑ رہے ہیں اور قریب ہے کہ منطقۂ ہوا سے بھی اوپر نکل جائیں۔

بحری کشتیاں، سمندروں کے سینے چل رہی ہیں۔ ایک برّاعظم کے آدمی دوسرے برّاعظم کے آدمیوں سے باتیں کرنے لگے ہیں جس طرح قرآن مجید نے بتایا ہے کہ جنت کے لوگ دوزخ کے لوگوں سے باتیں کریں گے۔ حالت یہ ہوگئی ہے کہ مشرق کے باشندے مغرب کے باشندوں کی، شمال کے باشندے، جنوب کے باشندوں کی آوازیں، تقریریں، اور گانے سُن رہے ہیں۔ معاملہ اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ برّاعظم یورپ میں کوئی آدمی ایک بٹن دبا دیتا ہے اور دوسرے برّاعظم میں بڑی بڑی بستیاں جلنا شروع ہو جاتی ہیں، حالانکہ دونوں سرزمینوں کے مابین بے شمار دوری ہے، ریگستان اور بیاباں ہیں، سربفلک پہاڑ اور بڑے بڑے سمندر ہیں جو لوگ اللہ کی اِن سنّتوں اور قدرت کے قانونوں سے ناواقف ہیں، نفع کی تلاش اور نقصان سے گریز کرنے میں اسباب کو چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کرتے ہیں کیونکہ جہل نے اُن پر اسباب کی راہ بند کر دی ہے لہٰذا مشہور یا مجہول بزرگوں کی قبروں پر دوڑ دوڑ کر جاتے ہیں اور اُن سے طرح طرح کی منّتیں اور مرادیں طلب کرتے ہیں، حالانکہ اگر ان قبروں کو یا اُن کے بسنے والوں کو کچھ بھی اختیار ہوتا تو اجنبی فاتحوں کو مسلمانوں کے ملکوں سے نکال دیتے جنہوں نے مسلمانوں کو غلام بنا ڈالا ہے اور اُن کی دولت چھین لی

۳۔ دنیا میں جو کچھ بھی پیش آتا ہے، اُس میں اصل یہی ہے کہ اسباب ومسببات کے نظام کے موجب پیش آئے۔ اللہ کی سنتیں جو علم سے معلوم ہو چکی ہیں، اور جن کی دی ہے ہیں خبر دیدی ہے، اُن میں کبھی تغیّر و تبدّل واقع نہیں ہوتا۔ ہماری اِس نظام اور اِن سنتوں کے خلاف پیش آنے والے ہر واقعہ کی خبر صریح درحقیقت جھوٹی ہے۔ یا تو خود خبر دینے والے نے اپنے دل سے گھڑی ہے یا اُسے اپنے مشاہدے میں دھوکہ ہوگیا ہے، یا فریب دیا گیا ہے۔ لیکن اگر واقعی کوئی ایسا واقعہ پیش ہی آیا ہے، تو ضرور اُس کا کوئی مخفی سبب ہوگا جس سے خبر دینے والا ناواقف ہے، جیسا کہ علماء اصول نے خبر کے بارے میں طے کر دیا ہے۔

۴۔ اللہ کی وہ نشانیاں جو خدا کی حکیمانہ سنتوں سے ہٹ کر پیش آتی ہیں، اُن کا علم، قطعی دلیل کے سوا اور کسی طرح ممکن نہیں۔ اللہ کی حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ اپنے بعض پیمبروں کو اِس قسم کی کچھ نشانیاں بخش دے تاکہ مخالفوں پر حجت قائم ہو اور تخویف کا موجب ہے، لیکن اِس قسم کی نشانیوں کا سلسلہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت و رسالت کے ختم ہو جانے کے ساتھ منقطع ہو چکا ہے، اور یہ اس لیے کہ خدا نے جو وحی آپ پر نازل کی ہے، وہ دائمی نشانی ہے اور تمام انسانوں کے لیے عام ہدایت جب تک وہ اِس دنیا میں زندہ موجود ہیں، چنانچہ فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ

الّا رحمۃً للعالمین (اے پیغمبر، ہم نے تمھیں تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے) کیونکہ خدا کے علم میں یہ بات موجود ہے کہ انسانوں کو اس وحی کے بعد کسی وحی کی ضرورت باقی رہے گی نہ اس نشانی کے اللہ کی طرف سے ہونے پر اس قرآن کے سوا کسی اور دلیل کی حاجت ہوگی، اور ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ قرآن کے من عند اللہ ہونے کا کیا ثبوت ہے۔

ختم نبوت سے خوارق کا انقطاع اور کرامت کے معنی

۵۔ اگر قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی انسانوں کو نشانیوں کی ضرورت باقی رہتی، جیسا کہ کرامتوں اور نئے نئے فرقوں اور دینوں سے فتنہ میں پڑے ہوئے لوگوں کا خیال ہے، تو ختم نبوت کے کوئی معنی ہی نہ ہوتے۔ یہی سبب ہے کہ بہائی اور قادیانی ختم نبوت اور انقطاع وحی کے منکر ہیں، اور بہاء اور غلام احمد، اور اُن کے جانشینوں کے حق میں ان دونوں چیزوں کو ثابت کرتے ہیں، یہاں تک کہ اب حالت یہ ہو گئی ہے کہ معمولی لوگوں نے بھی نبوت کو کمائی کا ایک ذریعہ بنا لیا ہے۔

ہمارے شیخ، استاذ امام، شیخ محمد عبدہ نے اپنے "رسالۃ التوحید" میں بیان کر دیا ہے کہ جس طرح افراد، طفولیت سے شباب، اور پھر کہولت تک پہنچتے ہیں، یہاں تک کہ اُن کی عقل پکی ہو جاتی ہے، اُسی طرح قوموں

نے بھی عقل وادراک میں بتدریج ترقی کی ہے اور اس ترقی کے ساتھ اُس کے دینی قانون بھی ترقی کرتے گئے ہیں، یہاں تک کہ عقل انسانی نے اِس حد تک ترقی کرلی کہ وہ اِس بلند ترین عقلی ہدایت (قرآن) کو سمجھنے لگی، حالانکہ پہلے اُسے وحی کا یقین دلانے کے لیے اِس کے سوا کوئی ذریعہ نہ تھا کہ ایسی نشانیاں ظاہر کی جائیں جو اُسے حیرت میں ڈال دیں اور جن کے سامنے اُس کی عقل کُند اور ششدر ہو کر رہ جائے۔

رسالت کی ضرورت پر گفتگو کرتے ہوئے استاد امام نے ظاہر کیا ہے کہ "انسانی عقل کی بلندی اور کائنات کے قویٰ پر اُس کا عظیم اقتدار انسان کو اِس بات سے روکتا ہے کہ وہ ان میں سے کسی چیز کے آگے بھی جھکے۔ انسان صرف اُسی چیز سے مرعوب ہوتا اور اُسی کے آگے جھکتا ہے جس کا سبب و اصلیت سمجھنے سے اُس کی عقل عاجز ہوتی ہے۔ وہ خیال کرنے لگتا ہے یہ چیز ضرور اُسی اعلیٰ غیبی قوت کا کرشمہ ہے جو عالمِ کون کی چلانے والی اور اُس میں اسباب کو مسخر کرنے والی ہے۔ لہٰذا یہ اللہ تعالیٰ کی انسان پر بڑی ہی رحمت تھی کہ اُس نے انسان کے سب سے زیادہ کمزور پہلو ہی کو اُس کی رہنمائی کے لیے چنا۔ چنانچہ اُسی کے گروہ میں سے رہبر و ہادی اٹھائے۔ اُن میں ایسی خصوصیتیں رکھ دیں جن میں اُن کا کوئی شریک نہیں، پھر لوگوں کو مزید یقین دلانے کے لیے اِن رہبروں کو ایسی حیرت انگیز

نشانیاں دیں جو دلوں پر قبضہ کر لینے والی، عقلوں پر چھا جانے والی تھیں، جن کے سامنے سرکش جھک گئے۔ ہٹ دھرم اپنی ضد سے ہار گئے۔ عقل نے اُن سے تصادم کیا اور اپنی کجی سے لوٹ آئی۔ جاہلوں کی نگاہیں اُنہیں دیکھ کر خیرہ ہو گئیں اور سچائی کو دیکھنے لگیں"

پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بارے میں فرمایا "ایسا پیغمبر جس نے اگلے پیغمبروں کی تصدیق کی، لیکن اپنی رسالت کا یقین دلانے کے لیے نہ آنکھوں کو خیرہ کیا، نہ حواس کو حیرت میں ڈالا، نہ کچھ اور کیا، لیکن ہاں یہ کیا کہ ہر قوت سے اُس عمل کا مطالبہ کیا جس کے لیے وہ بنائی گئی ہے۔ خصوصیت سے عقل کو مخاطب کیا، اور حق و باطل کا اُسی کو حکم بنا دیا۔ پھر گویائی کی قوت، بلاغت کے اقتدار، اور دلیل کی متانت کو حجت کا منبع اور حق کی نشانی بنا دیا، وہ حق جس کی نسبت فرمایا، لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ،

انبیاء کے معجزے، قرآن ہی سے ثابت ہو سکتے ہیں

۶۔ موجودہ زمانہ میں قرآن کے علاوہ اور کوئی ایسی حجت موجود نہیں ہے جس سے انبیاء کے معجزے ثابت کیے جائیں اور عقل والے اُسے مسترد نہ کر سکیں۔ اسلام سے پہلے ادیان کی کتابوں میں جتنے معجزے

بیاں کیے گئے ہیں، خود اِن کتابوں کے جاننے والے علماء نے اِن کا انکار کر دیا ہے، کیونکہ اُن کا حقیقی خارق عادت ہونا مشتبہ ہے۔ اِن لوگوں کی حجت یہ ہے کہ جس تواتر سے علم قطعی حاصل ہوتا ہے، وہ یہاں اِن معجزوں کی روایت میں موجود نہیں ہے۔ اِس تواتر کے لیے ضروری ہے کہ اتنے بہت سے لوگ کوئی بات بیاں کریں کہ جھوٹ پر اِن سب کا متفق ہونا خیال نہ کیا جا سکے۔ جس بات کی یہ لوگ خبر دیں، اُسے اُنہوں نے اپنے حواس سے معلوم کیا ہو، اور نسلاً بعد نسلٍ و بطناً بعد بطنٍ اُسے بے شمار آدمی اُن سے روایت کرتے چلے آئیں۔ جھوٹ پر اِن لوگوں کا متفق نہ ہو سکنا، جیسے باتوں سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ خبر کا مضمون ایسا ہو جس کی طرفداری کا شک اِن پر نہ ہو سکے اور وہ اُس میں ایک دوسرے کی تقلید نہ کرتے ہوں۔ اس تواتر کے صحیح ہونے کی نشانی یہ ہے کہ اُس کی موجودگی میں علم قطعی حاصل ہو جائے۔ دل مطمئن ہو جائیں۔ اعتقاد ضمیر اُسے مسترد نہ کر سکے، اور معلوم ہے پرانے پیغمبروں کے معجزوں کا یہ حال نہیں ہے۔

رہ گیا قرآں کا معجزہ تو یہ قرآں کے ساتھ قیامت تک باقی رہنے والا ہے۔ اسلامی تاریخ سے ہر واقف جانتا ہے کہ قرآن متواتر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے آج تک اُس کا تواتر کبھی ٹوٹا نہیں۔

اس حقیقت کو سب تسلیم کرتے ہیں۔ ہاں قرآن کے بارے میں تو چیز بہت سے یورپین لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی، وہ اُس کے مُعجز ہونے کے دعوے ہیں۔ اِس بحث میں ہم نے اُن کا شبہہ تفصیل سے بیان کر کے اُس کا بُطلان بھی ظاہر کر دیا ہے۔ اور جب کہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ قرآن وحی الٰہی ہے، تو قرآن میں جو کچھ بھی وارد ہوا ہے، اُس پر ایمان لانا واجب ہے، عام اِس سے پیغمبروں کی نشانیاں ہوں یا کچھ اور جس طرح اِن سب باتوں پر ایمان لانا ہر مومن کے لیے ضروری ہے، اُسی طرح یہ ایمان بھی رکھنا ضروری ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہونے کے ساتھ پیغمبروں کے معجزے بھی ختم ہو گئے۔

کسی مسلمان پر یہ عقیدہ رکھنا واجب نہیں کہ محمد خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی کائناتی خارقِ عادت کرامت واقع ہوئی ہے، اس لیے دوسرے علماء و حکماء کی طرح یہ تسلیم کرنے سے اُس کے دین کو نقصان نہیں پہنچ سکتا کہ تمام قوموں میں معجزوں اور کرامتوں کے جو دعوے کیے جاتے ہیں، اُن میں سے اکثر جھوٹے ہیں۔ بعض علمی طریقہ پر پیش آئے ہیں یا شعبدہ بازی کا نتیجہ ہیں، اور اُن میں بہت کم ایسے ہیں جو بلند انسانی روحوں کے خواص سے تعلق رکھتے ہیں۔

۔ سوم: قرآن سے پیغمبروں کے جو معجزے ثابت ہیں، اُن

کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ اِن میں سے جن نصوص کی دلالت قطعی ہے، اُن کی ایسی تاویل کرنا جو عربی زبان کے خلاف ہو یا شریعت کے کسی قطعی قاعدے کو شکست کرنے والی ہو، اسلام سے خروج ہے۔ لیکن جو نصوص قطعی نہیں ہیں، اُنہیں اُن کے ظاہری الفاظ ہی پر رکھنا چاہیے اگر کوئی اور دلیل یا اُس سے قوی ترمعنی محال پڑے، تو ایسی صورت میں دونوں کے مابین معلوم دلائل کی بنا پر ترجیح دیا جانا چاہیے۔ اِس اصل سے خروج بدعت ہے۔

خلاصۂ خلاصہ

ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنی قدرت وارادہ، اختیار وحکمت سے ہر چیز کا خالق ہے جیسا کہ سورۂ الم سجدہ میں فرمایا کہ اُس نے ہر چیز کو کمال حسن سے پیدا کیا ہے "اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَہٗ"، اور جیسا کہ سورۂ نمل میں ارشاد ہوا ہے کہ ہر چیز کمال سے بنانے والے خدا کی صناعی ہے "صُنْعَ اللّٰہِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ کُلَّ شَیْءٍ"، اور یہ کہ اُس کی خلق میں نہ تفاوت ہے نہ خرابی، جیسا کہ سورۂ ملک میں فرمادیا ہے، اور یہ کہ اُس نے جو کچھ پیدا کیا ہے، پورے نظام وانداز سے پیدا کیا ہے، یونہی بے سوچے سمجھے اور اٹکل پچو پیدا نہیں کر دیا ہے، جیسا کہ سورۂ قمر میں فرمایا "اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰہُ بِقَدَرٍ"، اور سورۂ فرقان میں فرمایا "وَخَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ

وَقَدَّرَہٗ تَقْدِیْرًا اور سورۂ حجر میں فرمایا وَاَنْبَتْنَا فِیْہَا مِنْ کُلِّ شَیْءٍ مَّوْزُوْنٍ، وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُہٗ وَمَا نُنَزِّلُہٗ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ،،

اور ہمارا ایمان ہے کہ تکوین و آفرینش میں اور نظام اجتماع میں جن کی طرف خدائے انسان کی رہنمائی کی ہے، اللہ کی سنتیں اور قانون مقرر و پائیدار ہیں جن میں مسببات سے اسباب ملتے ہیں یہ سنتیں کسی آدمی کی خاطر بدلتی نہیں، بلکہ عالم اجسام اور عالم ارواح میں عام ہیں اور جاری وساری ان سنتوں کا اسی لفظ کے ساتھ کئی سورتوں میں ذکر آیا ہے

اور ہمارا ایمان ہے کہ خلق میں اللہ تعالیٰ کی روشن نشانیاں ہیں اور ان نشانیوں میں اُس کی کھلی یا چھپی حکمتیں ہیں۔ ہمیں اُس نے جو عقل و شریعت دی ہے، دونوں کا تقاضا یہی ہے کہ ہم مذکورۂ بالا محکم نظام اور خدائی قوانین کے خلاف کسی واقعہ کا پیش آنا قبول نہ کریں، مگر اس وقت جب کوئی قطعی دلیل شہادت دے رہی ہو جس کے ثبوت و تحقیق میں عقل کے ساتھ حواس بھی شریک ہوں، پھر یہ بھی ضروری ہے کہ ایسے واقعہ میں خدا کی کوئی بڑی حکمت ضرور ہو گی، کیونکہ نظام کائنات میں کسی خلل کی وجہ سے یا یوں ہی بے فائدہ کوئی واقعہ پیش نہیں آسکتا۔ اور یہ کہ

خدا کی بہت سی حکمتیں ہم سے اسی طرح پوشیدہ ہیں جس طرح خالقِ کائنات کے بہت سے معاملات ہماری سمجھ میں نہیں آتے۔ جو کچھ ہمیں معلوم نہیں ہے، اُسے معلوم کرنے کی کوشش کرنا چاہیے تاکہ ہمارا علم بڑھے اور ہمارا نفس کمال حاصل کرے۔ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ اپنے جہل کو کفر و انکار کا سبب و عذر بنالیں۔ ہم میں جو سب سے بڑے عالم ہیں، وہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ اس کائنات کا ہمیں جتنا علم حاصل ہے، جہل اُس سے کہیں زیادہ ہے۔ یعنی ہمیں اس کا علم بہت ہی کم ہے، اور یہ ناممکن ہے کہ انسان اس کے علم کا پورا پورا احاطہ کر سکے۔

اور ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر اپنے پیغمبر بھیج کر بڑا احسان کیا ہے۔ ان پیغمبروں نے خدائی کتابوں کے ذریعہ ہماری رہنمائی کی اور ہم حواس اور ذہن کے ابتدائی ادراک کے تنگ دائرے سے نکل کر عالمِ غیب کے وسیع دائرے تک پہنچ سکے۔ اگر پیغمبروں کی ہدایت نہ ہوتی تو انسان لاکھوں برس اُن تمام چیزوں کا انکار کرتے رہتے جنہیں اپنے حواس سے معلوم نہیں کرتے ہیں۔

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اللہ پر، انبیاء کی نشانیوں پر، روزِ آخرت پر، اور اعمال کی سزا و جزا پر ایمان ہی نے انسانی عقل کو آمادہ کیا کہ کائنات کے رازوں کی جستجو کرے۔ اسی جستجو کا نتیجہ ہے یہ تمام ترقی جو

انسان نے علوم وفنون، اور صنعتوں میں کی ہے۔ غیب پر ایمان نہ رکھنے والوں کا اس ترقی میں کوئی حصہ نہیں ہے غیب کے تینوں رکنوں پر ایمان ہی نے انسان پر اُن علوم و اعمال کے دروازے کھولے ہیں جنہیں منکرین غیب، غیب ہی کی طرح بالکل ناممکن سمجھتے تھے۔ اب تک جتنی ترقیاں ہو چکی ہیں، اُن کے بعد غیب کی کوئی خبر بھی عقل سے بعید نہیں رہی۔

اِس تمام تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ انبیاء کی نشانیوں یا معجزوں سے انسان کو تین فائدے حاصل ہوئے ہیں جو اِن نشانیوں کے قائم کرنے میں منجملہ الٰہی حکمتوں کے ہیں۔

۱۔ یہ نشانیاں اِس بات کی محسوس دلیل بن گئیں کہ خدا اپنے سب کاموں میں بااختیار ہے، اور یہ کہ کائنات کا نظام اُس کے ماتحت ہے نہ کہ اُس پر حکمراں اور اُس کے ارادے کو پابند کرنے والا

۲۔ یہ نشانیاں اِس بات کی دلیل ہوئیں کہ خدا کے پیغمبروں نے اُس کی وحی کی بنا پر جو کچھ فرمایا ہے، بالکل سچ ہے اور خود پیغمبر بھی سچے ہیں، کیونکہ اگر یہ نشانیاں ایسی نہ ہوتیں جنہیں دوسرے انسان بھی اپنے کسب سے یا روحانی استعداد سے پیش کر سکتے، تو پھر یہ پیغمبروں کی سچائی کا ثبوت نہ بن سکتیں۔

۳۔ اِن نشانیوں کو دیکھکر انسانی عقل نے سمجھا کہ ممکنات کا دائرہ بہت ہی وسیع ہے اور معقولات میں محال کا دائرہ بہت ہی تنگ ہے، اور یہ کہ کسی چیز کے معمولی اسباب اور معلوم قوانین قدرت سے دور ہونے سے لازم نہیں آتا کہ وہ محال ہے اور ہو نہیں سکتی، اور یہ کہ اُس کی خبر سنانے والے کو جھٹلا نہیں دیا جا سکے حالانکہ اُس کی سچائی کا ثبوت موجود ہے۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ کہنا چاہیے کہ اِس بارے میں اصل یہی ہے کہ ایسی خبر کو بات نہیں سمجھا جا سکتا جب تک صحیح دلیل سے اُس کا ثبوت نہ مل جائے۔ موجودہ زمانہ کے علماءِ کائنات کا بھی یہی اصول ہے۔ اُن کے علم کی تکمیل میں صرف یہی نقص رہ گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی ایسی نشانی ثابت ہو جائے جس کی کوئی علّت، معلوم قوانین قدرت میں بظاہر موجود نہ ہو۔

لیکن اب معاملہ برعکس ہو گیا ہے۔ بہت سے لوگ جنہوں نے وہ علوم سیکھ لیے ہیں جو انبیاء کے معجزوں اور ایمان بالغیب سے متعلق اُن کی دعوت کو عقل سے قریب کرنے والے ہیں، تو بجائے اس کے کہ یہ لوگ اُسے مانتے، اِنہی علوم کی وجہ سے اُس کا انکار کرنے لگے ہیں۔ یعنی جو چیز اِن علوم کا سبب بنی اور جس نے انسان کی اُن تک رہنمائی کی، اب اُسی سے انکار کیا جا رہا ہے، اُس کے امکان کا انکار نہیں بلکہ

اُس کے وقوع کا انکار۔ چنانچہ یہ علما انکار کرتے ہیں کہ خدا نے اپنے عجائبات دکھائے ہوں جیسے یہ لوگ خود اُس کی سمجھی ہوئی توجیہ سے دکھا سکتے ہیں، حالانکہ انہیں چاہیے تھا کہ ایسی اس مقدرت کو خدائی نشانیوں کی دلیل اور اُس کی حقیقت کا بیان سمجھتے، جیسا کہ خدا فرماتا ہے

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ۔

عنقریب ہم اپنی نشانیاں انہیں گردوپیش میں اور خود اُن کی ذات میں بھی دکھائیں گے یہاں تک کہ اُن پر ظاہر ہو جائے کہ قرآن حق ہے

لیکن خدا جب انہیں ایسی کوئی روحانی نشانی جو دل کے اپنے اندر یا کائناتی نشانی، آفاق میں دکھاتا ہے تو یہ لوگ معلوم پر نامعلوم کو قیاس کر کے کسی نہ کسی قانونِ قدرت کو اُس کا سبب قرار دیدیتے ہیں۔ اس طرح نشانی کو محض قدرتِ الٰہی کا کرشمہ تسلیم نہیں کرتے اور بدستور شک و شبہ میں پڑے رہتے ہیں، ٹھیک اُن لوگوں کی طرح جنہوں نے مطالبہ کیا تھا کہ ہم اُس وقت تک نہیں مانیں گے جب تک کوئی فرشتہ پیغمبر بنا کر نہ بھیجا جائے گا۔ فرمایا:

وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَجَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَا يَلْبِسُونَ (۶: ۹)

اگر ہم اِسے رسول کو فرشتہ بناتے تو فرشتے کو بھی آدمی ہی کی صورت میں کر دیتے اور یہ لوگ بدستور شک میں پڑ جاتے۔

اور یہ اس لیے کہ آدمی، فرشتہ کو دیکھ نہیں سکتے اور نہ اُس سے تعلیم حاصل کر سکتے ہیں جب تک اُنہی کی طرح آدمی کی صورت میں وہ نہ ہو، لیکن یہی آدمی کی صورت وہ چیز ہے جس کی وجہ سے یہ لوگ انکار کرتے ہیں کہ بھلا ہمارا ہی جیسا آدمی، پیغمبر کیونکر ہو سکتا ہے؟ لہٰذا اگر خدا، فرشتہ کو بھی پیغمبر بنا کر آدمی کی صورت میں اتار دیتا تو اِس حالت میں بھی اِنہیں وہی شک پیدا ہوجاتا جس میں انسانی پیغمبر کی وجہ سے مبتلا ہیں۔

ٹھیک یہی حالت اِس زمانہ میں ہے۔ آج کل مکاشفہ کے ذریعہ اور مادّے میں تاثیر کی صورت میں متعدد روحانی نشانیاں ظاہر ہوچکی ہیں، مگر لوگ اُنہیں، بجلی کے ذریعہ گفتگو وغیرہ امور سے مشابہت دے رہے ہیں تاکہ یہ ماننا نہ پڑے کہ خالق سبحانہ کی پیدا کردہ نشانیاں ہیں حواس کے علم کے ماتحت نہیں آتیں۔

دین کے بغیر علم کی ترقی کا خطرہ

چونکہ یہ علماء اِس طرح کی الٰہی نشانیوں پر ایمان نہیں رکھتے اِس لیے انسان کو موجودہ زمانہ کی عجیب علمی ترقیوں کا پھل یہ ملا ہے کہ اُس کی بدبختیوں میں اضافہ ہوگیا ہے، اور اب اُس کی تہذیب کے لیے یہ خطرہ لاحق ہوگیا ہے کہ اِنہی علمی و صناعی ترقیوں کے ہاتھوں

کہیں برباد نہ ہو جائے۔ تمام مسلم علماء و حکماء و مدبر حیران ہیں کہ کس طرح اس خطرے کو دور کریں، حالانکہ یہ دور ہی نہیں ہو سکتا جب تک دین اور علم کو ایک ساتھ جمع نہیں کر دیا جائے گا یہی وہ چیز ہے جسے لیکر محمد خاتم النبیین تشریف لائے اور اسی کے لیے کتاب اللہ میں مثالوں کو بیان کیا گیا ہے، کیونکہ انسان صرف اُسی چیز کے آگے جھکتا ہے جو اُس کی قوت سے بالا ہوتی ہے، اور وہ مان لیتا ہے کہ یہ چیز خدا کی علمی قوت ہی کا کرشمہ ہے جو سب قوتوں سے بڑھکر ہے علم اور دین کی اس یکجائی پر ہم آگے گفتگو کریں گے۔

قرآن کا تیسرا مقصد

(اسلام، فطرت عقل، علم، حریت ضمیر، آزادی کا دین ہے)

انسان پر وہ دور گزر چکا ہے جب دین کی نسبت اُس کا علم صرف اس قدر تھا کہ وہ ایسی تعلیمات کا نام ہے جو عقل سے بالکل خارج ہیں اور یہ کہ انسان کو ان تعلیمات کا پابند صرف اس لیے بنا دیا گیا ہے کہ اُس کی فطرت کو کچلا جائے۔ اُس کے نفس کو تکلیف میں ڈالا جائے۔ اُس کی عقل و بصیرت کا خون کیا جائے، اور یہ کہ سب کو دینی پیشواؤں کی فرمانبرداری کرنی چاہیے۔ وہ جو کچھ بھی بتا دیں، اُسے بے چون چرا

مان لینا چاہیے۔ اُن کی پوری پوری تابعداری میں کامیابی ہے اور سرِ مو جو سر تابی اور ان سے مخالفت کی گئی تو بربادی یقینی ہے۔

یہی حالت تھی کہ اللہ نے محمد خاتم النبیین کو مبعوث کیا۔ آپ نے انسانوں کے سامنے آیات الٰہی تلاوت کیں۔ کتاب و حکمت کی انہیں تعلیم دی، اور اُس تمام گمراہی سے پاک کر دیا جس میں وہ پڑے ہوئے تھے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انسانوں کو بتا دیا کہ اسلام، فطرت کا، عقل و فکر کا، علم و حکمت کا، برہان و حجت کا، ضمیر و وجدان کا، آزادی و خود مختاری کا دین ہے اور یہ کہ خلق خدا میں کوئی نہیں جس کا کچھ بھی اقتدار، انسان کی روح پر، یا عقل پر، یا ضمیر پر ہو۔ پیغمبر بھی اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ رہنمائی و رہبری کرتے ہیں۔ بشارت سناتے اور قہر الٰہی سے ڈراتے ہیں، جیسا کہ پچھلے مبحث میں بیان ہو چکا۔ اب ہم اسلام کی یہ خصوصیتیں، قرآن کی شہادتوں سے اختصار کے ساتھ دکھاتے ہیں:

۲۔ اسلام، عقل کا دین ہے

کتاب مقدس (توراۃ) کی پوری لغت پڑھ جاؤ، اُس میں کہیں "عقل" یا اُس کا ہم معنی کوئی لفظ نہیں پاؤ گے، حالانکہ عقل ہی کی بنا پر خدا نے نوعِ انسانی کو تمام زندہ مخلوقات پر فضیلت بخشی ہے۔ نیز غور و فکر یا اُس کے ہم معنی الفاظ بھی نہ پاؤ گے، حالانکہ عقل انسانی کا اصلی کام یہی

یہ بھی کہیں نظر آئے گا کہ دین الٰہی کا خطاب اعتقل ہی سے ہے
ل ہی پر وہ قائم کیا گیا ہے۔ حالانکہ قرآن حکیم میں عقل اور اُس کے
و افعال کا ذکر تقریباً پچاس مرتبہ ہوا ہے۔ عقلمندوں کا ذکر تیس چالیس
توں میں آیا ہے۔

قرآن میں عقل کا ذکر بصورت فعل زیادہ تر وہیں ہوا ہے جہاں
ت الٰہی بیان کی گئی ہیں اور فرمایا گیا ہے کہ خدا کی اِن نشانیوں کے لحاظ
کے سمجھنے والے، اور اُن سے ہدایت پانے والے، عقلمند ہی لوگ ہیں۔
نشانیوں سے بھی زیادہ تر مراد وہی نشانیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے علم،
یت، حکمت، رحمت پر دلالت کرتی ہیں، جیسا کہ فرمایا:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ	بے شک آسمانوں اور زمین کی آفرینش میں
ہِ الْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ	رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آنے میں
نَّـھَارِ وَالْفُلْکِ الَّتِیْ تَجْرِیْ	اور سمندر میں کشتیوں کا چلنا جس سے لوگوں
لْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا	کو فائدہ پہنچتا ہے، اور آسمان سے خدا کا
لَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ	پانی برسانا جس سے وہ زمین کو اُس کی موت
حْیَا بِہِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا	کے بعد زندہ کر دیتا ہے اور اُس نے زمین
ثَّ فِیْھَا مِنْ کُلِّ دَآبَّۃٍ وَ	میں ہر قسم کے جانور پھیلا رکھے ہیں، اور ہوا
صْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ	چلانے میں، اور آسمان و زمین کے امین ابر

لْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ
وْمٍ یَّعْقِلُوْنَ (۲: ۱۶۴)

کے مسخر ہونے میں عقلمندوں کے
لنشانیاں ہیں۔

اس کے بعد اُن نشانیوں کا نمبر ہے جو کتاب الٰہی کی تشر
توں اور وصیتوں سے تعلق رکھتی ہیں، جیسا کہ سورۂ انعام
ذ میں جامع وصیتوں کی تفصیل کے بعد فرمایا:

ذٰلِکُمْ وَصّٰکُمْ بِهٖ لَعَلَّکُمْ
قِلُوْنَ (۶: ۱۵۱)

یہ ہے وہ جس کی خدا نے تمہیں وصیت
ہے تاکہ تم عقل سے سمجھو۔

قرآن میں "اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ" کا لفظ دس مرتبہ سے زیادہ آیا
سا کہ خدا نے اپنے رسول کو یہ حکم دیکر اپنی قوم کو بتا دیں کہ یہ قرآن خد
ا کی طرف سے ہے نہ کہ کسی اور کی طرف سے، فرمایا:

فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْکُمْ عُمُرًا مِّنْ
لِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (۱۰: ۱۶)

(یہ) تم میں اس سے پہلے بھی ایک عمر تک
چکا ہے، کیا اس پر بھی تم غور نہیں کرتے

اور عقل کو استعمال نہ کرنے کو عذاب آخرت کا ایک سبب
ر دیا ہے، جیسا کہ سورۂ ملک میں دوزخیوں کے متعلق فرمایا:

وَقَالُوْا لَوْ کُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا
مِیْٓ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ (۶۷: ۱)

اور انہوں نے کہا اگر ہم سنتے یا عقل ر
ہوتے تو دوزخیوں میں سے نہ ہوتا

اور اسی کے ہم معنی سورۂ اعراف کی یہ آیت ہے

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ	ہم نے جہنم کے لیے بہت سے جن وانس پیدا کر رکھے ہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ دل رکھتے ہیں مگر اُن سے سمجھتے نہیں آنکھیں رکھتے ہیں مگر اُن سے دیکھتے نہیں، کان رکھتے ہیں مگر اُن سے سنتے نہیں۔ یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ اُن سے بھی زیادہ گم گشتہ راہ یہی لوگ غافل ہیں۔

اور سورۂ حج میں فرمایا

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ (۲۲: ۴۶)	کیا اِن لوگوں نے زمین کی سیاحی نہیں کی کہ اُن کے دل ہوتے جن سے سمجھتے یا کان ہوتے جن سے سنتے، پر آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں مگر وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

اسی طرح غور و فکر، تدبّر و تأمّل پر زور دینے والی آیتیں بھی کتاب عزیز میں کثرت سے ہیں۔ اِن آیتوں کو دیکھنے والا ضرور خیال کرے گا کہ اِس دین اسلام کے ماننے والے غور و فکر، عقل و تدبّر کے لوگ ہیں، اور یہ کہ

چوپایوں کی طرح زندگی بسر کرنے والے ماننے والوں کا اس دین میں کوئی حصہ نہیں ہے محض ظاہری رسم و رواج اور تقلیدی عادات کے جو نہ نفس کو پاک کرتی ہیں، نہ معرفت الٰہی کے ذریعہ اُسے کمال تک پہنچا سکتی ہیں چنانچہ فرمایا:

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا (۳۴ : ۴۶)

اے پیغمبر کہو کہ میں تمہیں ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ کھڑے ہو جاؤ اللہ کے لیے دو دو اور ایک ایک پھر غور و فکر سے کام لو۔

اور فرمایا

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۣ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى (۳۰-۸)

کیا انہوں نے اپنے جی میں غور نہیں کیا کہ خدا نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ دونوں کے مابین ہے ٹھیک ٹھیک مصلحت اور ٹھیرے ہوئے وقت سے ہی پیدا کیا ہے۔

اور عقل و دانش رکھنے والوں کے حق میں فرمایا:

وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۳ : ۱۹۱)

اور وہ غور کرتے ہیں آسمانوں اور زمین کی خلقت میں۔

اور یہ بتا کر کہ رسول کو نہ علم غیب حاصل ہے نہ زمین کے خزانوں پر تصرف کا حق، اور یہ کہ رسول کا کام صرف یہ ہے کہ اپنی وحی کی پیروی

کرے، فرمایا:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ (۶ : ۷)	اے پیمبر، پوچھ کیا اندھا اور آنکھوں والا دونوں برابر ہیں؟ پھر تم کیوں غور نہیں کرتے؟

بعض مغربی دانشمندوں کا قول ہے، اور اس قول کی سچائی میں کوئی ہوشمند بھی شک نہیں کرسکتا کہ انسانی ترقی کی بنیاد، غور وفکر کی عادت ہی پر ہے، اور یہ کہ غور وفکر کی کمی ہی سے انسانوں کے مرتبے کم و بیش ہوتے ہیں۔ یہ واقعہ ہے کہ دینی رسم و رواج اور پابندیوں نے انسان کی فکری آزادی سلب کر رکھی تھی، یہاں تک کہ اسلام آیا اور اس نے اپنی کتاب کے ذریعہ اس ذہنی سلامی کا قلع قمع کر ڈالا۔ قرآن ہی نے انسان کو آزادی بخشی ہے۔ مغربی قوموں نے مسلمانوں ہی سے یہ عقلی آزادی حاصل کی ہے، مگر خود مسلمان الٹے پاؤں پیچھے لوٹ گئے اور اپنے آپ کو اس آزادی سے محروم کر لیا حتیٰ کہ اب بہت سے مسلمان خود اُنہی لوگوں کی تقلید کرنے لگے ہیں جنہوں نے اُن کے بزرگوں کے ہاتھوں آزادی کی نعمت پائی تھی۔

۳۔ اسلام، علم وحکمت کا دین ہے

علم اور اُس کے مشتقات کا ذکر قرآن حکیم میں سیکڑوں جگہ

ہے۔ علم سے مقصود، دین اور دنیا کے سب علوم ہیں۔ علم مطلق کی نسبت سورۂ اسراء کی وصیتوں میں فرمایا:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ،	اُس بات کے پیچھے نہ چلو جس کا تمہیں علم نہیں ہے۔

راغب نے اِس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ قیافہ اور گمان سے کوئی فیصلہ نہ کرو۔ بیضاوی کے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ تقلید کی راہ سے یا یوں ہی اٹکل سے کسی ایسی بات کی پیروی نہ کرو جس کا علم تمہیں نہیں ہے۔

تاریخی علم کی نسبت فرمایا:

اِئْتُوْنِیْ بِكِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَا اَوْ اَثَارَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (۲ ۴۶)	میرے پاس لاؤ کوئی اِس سے پہلے کی کتاب یا کوئی پرانا علم، اگر تم سچے ہو۔

مادّی علوم کی نسبت فرمایا:

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ، يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ (۳ ۷،۶)	لیکن اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔ دنیاوی زندگی کا اوپری علم تو رکھتے ہیں اور آخرت سے بالکل غافل ہیں۔

اور اس بارے میں کہ انسانی علم، روح کی حقیقت تک نہیں پہنچا

ہے فرمایا،

وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا (۱۷ ۸۵)	اے پیغمبر یہ لوگ آپ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ روح میرے پروردگار کے حکم سے ہے اور تمہیں کم علم دیا گیا ہے۔

اور حسی علم کی نسبت فرمایا،

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُنِيرٍ (۲۲ ۸)	اور ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ کے معاملہ میں بغیر علم، رہنمائی اور روشن کتاب کے بحث کرتے ہیں۔

ظاہر اس آیت میں "علم" سے مراد علم فطری ہے، کیونکہ ھُدًی اور کتاب مُنیر کے مقابلہ میں اُسے ذکر کیا گیا ہے جو دینی ہدایت ہے۔

اور علم طبیعی کے بارے میں فرمایا،

وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِلْعَالِمِينَ (۳۰ ۲۲)	اور اللہ کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش ہے، اور تمہاری زبانوں کا اور رنگوں کا اختلاف ہے اس میں اہل علم کے لیے نشانیاں ہیں۔

"عالمین" سے یہاں مراد، علماء کون ہیں۔

اِسی طرح یہ آیت ہے:

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ أَنْزَلَ	کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان
مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ ثَمَرَاتٍ	سے پانی اتارا ہے جس سے ہم نے مختلف
مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهَا وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ	رنگوں کے پھل نکالے ہیں اور پہاڑ بھی
بِيضٌ وَحُمْرٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا	طرح طرح کے ہیں، سفید، اور سرخ، رنگ
وَغَرَابِيبُ سُودٌ. وَمِنَ النَّاسِ	رنگ کے اور تیز کالے رنگ والے، اسی
وَالدَّوَابِّ وَالْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ	طرح آدمیوں، چوپایوں اور جانوروں کے
أَلْوَانُهُ كَذٰلِكَ، إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ	بھی رنگ مختلف ہیں۔ اللہ سے اُس
مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ، إِنَّ اللّٰهَ	کے عالم بندے ہی ڈرتے ہیں اللہ زبردست
عَزِيزٌ غَفُورٌ (۳۵: ۲۷، ۲۸)	ہے اور بڑا بخشنے والا۔

یہاں "علماء" سے مقصود وہ لوگ ہیں جو اس کائنات کے رازوں، اُس کی جنسوں، قسموں، رنگوں، اور اُن میں اللہ کی نشانیوں اور حکمتوں کو سمجھتے ہیں۔

قرآں نے علم کا مرتبہ اِس قدر بلند کر دیا ہے کہ اُس سے زیادہ بلند کوئی اور مرتبہ نہیں ہو سکتا، چنانچہ فرمایا:

شَهِدَ اللّٰهُ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ | اللہ نے شہادت دی کہ اُس کے سوا کوئی

إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (۳ ۱۸)

معبود نہیں اور ملائکہ و اہل علم نے شہادت دی، اللہ عدل کے ساتھ قائم ہے، اُس عزیز و حکیم کے سوا کوئی معبود نہیں۔

اس آیت کریمہ میں خدائے عزّ و جل نے گفتگو اپنی ذات سے شروع کی ہے پھر ملائکہ کا نام لیا ہے، اور تیسرا درجہ اہل علم کو دیا ہے جس میں انبیاء و حکماء اور اُن کے پیچھے کے تمام علم والے داخل ہیں، جیسا کہ فرمایا

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ (۵۸ ۱۱)

اللہ تم میں سے اُن لوگوں کے درجے بلند کر دیگا جو ایمان لائے ہیں اور جنہیں علم ملا ہے۔

اور اپنے سب سے زیادہ معزز اور سب سے زیادہ عالم رسول کو حکم دیا کہ یہ دعا مانگا کریں:

وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا

اے پیغمبر کہو کہ پروردگار مجھے علم زیادہ دے

علم کی تعریف اور اُس کی ترغیب کی آیتوں کی تائید اُن آیتوں سے ہوتی ہے جو وہم و گمان کی پیروی کی مذمت میں نازل ہوئی ہیں۔ فرمایا:

وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ

اُن میں سے اکثر گمان کی پیروی

اِلَّا ظَنًّا، اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا (۱۰: ۳۶)	کرتے ہیں۔ گمان حق کے معاملے میں کچھ بھی سود مند نہیں۔

اسی طرح فرمایا:

وَ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ، اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا (۵۳: ۲۸)	اُنہیں اس کا علم نہیں ہے، وہ صرف گمان کی پیروی کرتے ہیں، اور گمان، حق کے معاملے میں کچھ بھی سود مند نہیں۔

اور عیسائیوں کے اس قول کے بارے میں کہ حضرت مسیح کو سولی دی گئی تھی، فرمایا:

مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ۔	اُن کے پاس اس کا علم نہیں، مگر گمان کی پیروی ہے۔

علم و دلیل کو قرآن نے اتنی اہمیت دی ہے کہ شرک باللہ کی ممانعت کو بھی اسی سے مقید کر دیا ہے، حالانکہ شرک سب سے بڑا گناہ اور سب سے زیادہ سنگین کفر ہے۔ فرمایا:

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ عَلَیْكُمْ	اے پیغمبر کہہ دیجئے کہ میرے پروردگار نے بدکاریاں حرام کر دی ہیں، کھلی ہوں یا چھپی، اور گناہ اور ناحق کی سرکشی حرام کر دی ہے اور یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک، کرو جس کی

سُلْطٰنًا اَوْاَنْ تَقُوْلُوْاعَلَى اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ۔ (۳۲ ۷)	کوئی دلیل تم پر اتاری نہیں ہے اور یہ کہ خدا کے معاملے میں ایسی بات کہو جس کا علم نہیں رکھتے ہو۔

یہاں آیت میں لفظ "سلطان" سے مقصود، برہان اور دلیل ہے۔

والدین سے نیک سلوک کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

ووَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وَاِنْ جَاهَدَاكَ عَلٰى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا۔ (۸:۲۹)	اور ہم نے انسان کو وصیت کی ہے کہ اپنے والدین سے نیک سلوک کرے اور اگر وہ تجھے اس بات پر مجبور کریں کہ میرے ساتھ شرک کر جس کا تجھے کوئی علم نہیں ہے، تو اُن کی اطاعت نہ کر۔

اور دین میں صاف معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ سے شرک علم و برہان و دلیل کے ساتھ ہو نہیں سکتا کیونکہ شرک قطعی طور پر باطل ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل آگے آتی ہے جہاں دلیل و حجت کو اہمیت دی گئی اور تقلید کی مذمت کی گئی ہے

حکمت (دانائی) کی تعظیم و اہمیت کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ (۲: ۲۶۹)

جسے چاہتا ہے حکمت بخش دیتا ہے، اور جسے حکمت ملتی ہے اُسے بہت سی بھلائی مل جاتی ہے، عقل والے ہی نصیحت حاصل کر سکتے ہیں۔

خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے کیا غرض ہے؟

اسے یوں بیان فرمایا ہے

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ (۶۲: ۲)

وہ اللہ ہے جس نے اَن پڑھوں میں ایک رسول اُنہی میں سے بھیجا ہے جو اُن پر اُس کی آیتیں تلاوت کرتا ہے، اُنہیں پاک کرتا، اور کتاب و حکمت سکھاتا ہے، اگرچہ وہ پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

بقرہ اور آلِ عمران میں اسی کے ہم معنیٰ دو آیتیں اور موجود ہیں۔

اور اپنے رسول پر احسان جتاتے ہوئے فرمایا:

وَأَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا (۴: 112)

اور تجھ پر کتاب و حکمت اُتاری اور تجھے وہ علم دیا جو تو نہ جانتا تھا اور تجھ پر خدا کا فضل بہت رہا ہے۔

اور فرمایا:

اُدْعُ اِلیٰ سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (۱۶ ۱۲۵)

اپنے پروردگار کی راہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلاؤ

بنیادی نیکیوں کی وصیت اور بڑی بڑی برائیوں سے ممانعت کر کے آخر میں فرمایا:

ذٰلِکَ مِمَّا اَوْحٰی اِلَیْکَ رَبُّکَ مِنَ الْحِکْمَةِ (۱۷ ۳۹)

یہ وہ حکمت ہے جو تیرے پروردگار کی طرف سے تجھ پر وحی کی گئی ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے فرمایا

وَاذْکُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِکُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ وَالْحِکْمَةِ (۳۳ ۳۴)

اور یاد کرو کہ تمہارے گھروں میں اللہ کی آیتوں اور حکمت کی تلاوت کی جاتی ہے۔

خدا نے اپنے نبیوں اور رسولوں کو حکمت بخشی تھی، لیکن بعد میں اُن کی قوموں نے تقلید اختیار کر کے اور مذہبی پیشوائی قائم کر کے اُسے کھو دیا۔ پولس نے تو حکمت کو عیسائیت سے نصِّ صریح کے ساتھ دور کر دیا ہے۔ یہودیوں کے بارے میں خدا فرماتا ہے:

اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ فَقَدْ اٰتَیْنَا اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَاٰتَیْنٰهُمْ مُّلْکًا عَظِیْمًا (۴ ۵۴)

کیا وہ اس وجہ سے لوگوں پر حسد کرتے ہیں کہ خدا نے انہیں اپنا فضل بخشا ہے، تو ہم ابراہیم کو کتاب و حکمت دے چکے اور خود انہیں بڑی بادشاہی بخش چکے تھے۔

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ کی اپنے بندوں پر سب سے بڑی نعمت "کتاب" ہے۔ اُس کے بعد "حکمت" ہے، اور اُس کے بعد "ملک" (یعنی حکمرانی) ہے۔

اپنے پیغمبر داؤد علیہ السلام کی نسبت فرمایا:

وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ (۲: ۲۵۱)	خدا نے اُسے علم و حکمت دی اور وہ علم دیا جو دیا جانا۔

اور اپنے پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت فرمایا:

وَإِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ (۵: ۱۱۰)	اور میں نے تجھے کتاب، حکمت، توراۃ اور انجیل سکھا دی۔

اور فرمایا:

وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ (۳۱: ۱۲)	اور ہم نے لقمان کو حکمت دی۔

اور لقمان کی اُس وصیت کا ذکر کیا ہے جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی تھی جس میں نیکی اختیار کرنے اور برائی سے بچنے کی ہدایت کی ہے اور دونوں کا نفع نقصان بھی بیان کر دیا ہے۔ بنا بریں حکمت اعلم سے خاص ہے۔ حکمت، کسی چیز کے ایسے علم کا نام ہے جو اس کی حقیقت کو بھی حاوی ہو۔ جس میں اُس کے نفع نقصان کی بھی آگاہی ہو۔ یعنی حکمت، عملی فلسفہ ہے۔ جیسے علم النفس، علم اخلاق، علم اسرار کائنات۔ چنانچہ سورۂ اسراء میں جو

وصیتیں بیان ہوئی ہیں اُن کے آخر میں ارشاد ہوا ہے "ذٰلِكَ مِمَّا اَوْحٰى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ" (یہ اُس حکمت میں سے ہے جس کی وحی پروردگار نے تجھ پر کی ہے) اگر ان وصیتوں کے ساتھ اُن کے فائدے اور علتیں بھی بیان نہ کر دی جاتیں، تو اُنہیں "حکمت" نہ کہا جاتا۔ دیکھو، قرآن نے مُسرفوں کو "اخوان الشیاطین" کہا ہے، کیونکہ وہ اپنے اسراف سے معیشت کا نظام خراب کر دیتے ہیں، اور خدا کی نعمت کو برباد کر کے کفرانِ نعمت کرتے ہیں۔ اسی لیے مُسرفوں کا یہ نام رکھ کر فرمایا "وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا" (اور شیطان اپنے پروردگار کا سخت ناشکرگزار ہے) پھر فرمایا

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا (۲۹)	نہ اپنے ہاتھ کو بالکل سمیٹ لو نہ بالکل کھول دو کہ ملامت کیے ہوئے اور ہارے ہوئے بن کر بیٹھنا پڑے۔

اِس آیت میں اسراف کا نقصان یہ بتایا ہے کہ مُسرف کا حشر یہ ہوتا ہے کہ لوگ اُسے ملامت کرتے ہیں اور وہ خود اپنے دل میں رنجیدہ ہوتا ہے۔ لغت میں "محسور" وہ ہے جس کا پردہ اٹھ جائے، جس کی قوت چلی جائے اور جس کی کمزوری ظاہر ہو جائے۔ یہ مغموم کو بھی کہتے ہیں اور یہ تمام معانی اُس آدمی پر منطبق ہوتے ہیں جو فضول خرچ بن کر فقر و فاقہ اور دوسری پریشانیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

قرآن میں "حقہ" کا ذکر کئی جگہ آیا ہے اور اس سے مقصود حقائق کا وہ باریک فہم ہے جس کی وجہ سے عالم حکیم بن جاتا ہے۔

اسلام، دین حجت و برہان ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یٰاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَکُمْ بُرْھَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا (۴ : ۱۷۴)	اے لوگو، تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس "برہان" آئی ہے اور ہم نے تمہاری طرف روشن نور اتارا ہے۔

اور فرمایا:

وَمَنْ یَّدْعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ لَا بُرْھَانَ لَہٗ بِہٖ فَاِنَّمَا حِسَابُہٗ عِنْدَ رَبِّہٖ اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الْکٰفِرُوْنَ (۲۳ : ۱۱۷)	جو کوئی خدا کے سوا دوسرے معبود کو پکارے جس کی وہ اپنے پروردگار کے پاس کوئی دلیل نہیں رکھتا ہے تو اس کا حساب پروردگار ہی کے پاس ہے جو کافروں کو شادکام نہیں کرتا۔

اس آیت میں شرک کی وعید کو اس بات سے مقید کیا گیا ہے کہ مشرک کے پاس اپنے شرک کے لیے کوئی ایسی دلیل و برہان نہیں ہے جسے اپنے پروردگار کے سامنے پیش کر سکے۔ اور معلوم ہے کہ شرک کی سرے سے کوئی برہان موجود ہی نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود محض

رہنماؤں کی اہمیت بڑھانے کے لیے اس طرح فرمایا ہے۔
قیامت کے دن یہ ہوگا کہ خدا قوموں کو اُن کے پیغمبروں اور پیغمبروں کے جانشینوں کے ساتھ اٹھائے گا اور ان کی موجودگی میں گمراہوں سے مطالبہ کرے گا کہ تم نے اپنے رہبروں کی جو کچھ مخالفت کی ہے، اُس کی دلیل پیش کرو۔ چنانچہ فرمایا

وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا فَقُلْنَا هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوا أَنَّ الْحَقَّ لِلَّهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ۔ (۲۸: ۷۵)	اور ہم نکالیں گے ہر قوم میں سے ایک شہادت دینے والا پھر اُس قوم سے کہیں گے لاؤ اپنی دلیل۔ اُس وقت اِن لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ حق سراسر اللہ ہی کے لیے ہے اور گم ہو جائینگی اُن سے اُن کی تمام افترا پردازی۔

اور سورۂ انبیاء میں آسمان و زمین کا ذکر کر کے شرک کے ابطال پر یہ عقلی دلیل قائم کی ہے:

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا (۲۱: ۲۲)	اگر آسمان اور زمین میں خدا کے سوا کوئی معبود ہوتے تو اُن میں فساد برپا ہو جاتا۔

اِس کے بعد مشرکوں سے مطالبہ کیا ہے کہ اُنہوں نے اپنے لیے جو معبود بنا رکھے ہیں اُن کی حقانیت کی دلیل پیش کریں:

أَمِ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ آلِهَةً ۖ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ ۖ هَٰذَا ذِكْرُ مَن مَّعِيَ وَذِكْرُ مَن قَبْلِي ۗ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ الْحَقَّ ۖ فَهُم مُّعْرِضُونَ۔

(۲۱ - ۲۴)

کیا خدا کو چھوڑ کر انہوں نے اپنے معبود قرار دیے ہیں؟ اے پیغمبر ان سے کہو کہ دلیلیں (اور کہو) یہی بات ہے میرے ساتھ والوں کی اور مجھ سے پہلے کے لوگوں کی۔ واقعہ یہ ہے کہ ان گمراہوں میں سے اکثر حق کو نہیں جانتے، اس لیے روگرداں ہو گئے ہیں۔

اسی طرح سورۂ نمل میں فرمایا:

أَمَّن يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَمَن يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۗ أَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ ۚ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ

(۲۷ - ۶۴)

کون آفرینش کا آغاز کرتا پھر اُسے لوٹاتا ہے، کون تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ کیا خدا کے سوا بھی کوئی معبود ہے؟ اے پیغمبر ان سے کہو کہ اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو!

اپنی قوم کے مقابلہ میں حضرت ابراہیم کی حجت کا تذکرہ کرکے اور شرک کے بطلان پر علمی دلائل پیش کرکے فرمایا:

وَكَيْفَ أَخَافُ مَا أَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُونَ أَنَّكُمْ أَشْرَكْتُم بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا

میں کیونکر اس چیز سے ڈر سکتا ہوں جسے تم شریک بناتے ہو، مگر تم خود اس بات سے نہیں ڈرتے کہ خدا کے ساتھ اُسے شریک بنا چکے

فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ (۸۱ ۶)

جس کی اُس نے کوئی دلیل نہیں اُتاری اگر علم رکھتے ہو تو بتاؤ ہم دونوں میں سے کون فریق بے خوفی کا زیادہ حقدار ہے؟

اسی بیان کے آخر میں ارشاد ہوتا ہے

وَتِلْکَ حُجَّتُنَآ اٰتَیْنٰھَآ اِبْرٰھِیْمَ عَلٰی قَوْمِہٖ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ اِنَّ رَبَّکَ حَکِیْمٌ عَلِیْمٌ (۸۳)

یہ ہماری حجت ہے جو ہم نے ابراہیم کو اُن کی قوم کے مقابلے میں دی تھی۔ ہم جس کے درجے چاہتے ہیں بلند کر دیتے ہیں۔ تیرا پروردگار علم و حکمت والا ہے۔

یہاں "درجات" سے مراد حجت و برہان عقلی کے درجے ہیں جو خدا اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے۔

برہان کو کئی جگہ "سلطان" (قوت و اقتدار) کہا گیا ہے، چنانچہ فرمایا

اَلَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِ اللّٰہِ بِغَیْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰھُمْ کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰہِ وَعِنْدَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کَذٰلِکَ یَطْبَعُ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ قَلْبِ مُتَکَبِّرٍ جَبَّارٍ (۴۰: ۳۵)

یہ لوگ اللہ کی نشانیوں میں بغیر حجت و دلیل کے جھگڑتے ہیں یہ بات اللہ کے نزدیک اور مومنوں کے نزدیک بُری ہے اسی طرح خدا ہر متکبر جبّار دل پر مہر لگا دیتا ہے۔

اسی معنیٰ میں ایک اور آیت اسی سورۃ میں موجود ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِ اللّٰہِ بِغَیْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰھُمْ اِنْ فِیْ صُدُوْرِھِمْ اِلَّا کِبْرٌ مَّا ھُمْ بِبَالِغِیْہِ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (۵۶)	جو لوگ اللہ کی نشانیوں میں بغیر حجت و دلیل کے جھگڑتے ہیں، اُن کے سینوں میں کبر ہی ہے۔ وہ اُس کو پہنچنے والے نہیں، لہذا پناہ مانگو حدا سے وہ سمیع و بصیر ہے

دوسری کئی سورتوں میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو فرعون کے پاس اپنی نشانیوں اور "سلطان مبین" کے ساتھ بھیجا تھا۔

اسلام، قلب وضمیر کا دین ہے

فیّومی نے اپنی کتاب "المصباح" میں کہا ہے "انسان کا ضمیر، اُس کا قلب و باطن ہے اور کبھی عقل کے معنیٰ میں بھی بولا جاتا ہے، ہم اس لفظ کے معانی اور طرقِ استعمال آیۂ اعراف کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں (دیکھو صفحہ ۴۱۹ تفسیر جلد ۹)

قرآن میں یہ لفظ ایک سو سے زیادہ آیتوں میں وارد ہوا ہے۔ چنانچہ سورۂ قٓ میں فرمایا:

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی	اس میں سمجھ کی بات ہے اُس کے لیے

لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ (۵-۳۶)	جو دل رکھتا ہے یا متوجہ ہو کر کان لگائے۔

اور سورۂ شعراء میں فرمایا:

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ۔	اُس دن نہ مال کام آئے گا نہ اولاد، لیکن جو شخص خدا کے پاس قلب سلیم کے ساتھ پہنچے۔

اور ابراہیم خلیل علیہ السلام کی تعریف میں فرمایا

اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ۔	جب وہ اپنے پروردگار کے پاس قلب سلیم کے ساتھ آیا۔

اور اُنہی کا یہ قول نقل فرمایا ہے

وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ	لیکن اس لیے کہ میرے قلب کو اطمینان ہو

مومنین کے وصف میں فرمایا:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔	جو لوگ ایمان لائے اور اُن کے دل ذکر الٰہی سے مطمئن ہوتے ہیں، بے شک کہ الٰہی سے ہی دلوں کو اطمینان ہوتا ہے۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین کے حال میں فرمایا:

وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً	ان کے پیروؤں کے دلوں میں ہم نے رحم اور ترس ڈال دیا اور رہبانیت جسے

وَسَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوهَا ۔ | انہوں نے ایجاد کرلیا ہے۔

مومنین کے قلوب کی یہ صفت بیاں کی ہے کہ اُن میں خشوع و خضوع ہوتا ہے۔ برائیوں سے پاک ہوتے ہیں، مگر کافروں اور منافقوں کے قلوب میں گندگی، بیماری، بے رحمی، کجی ہوتی ہے۔ حق اور بھلائی کی استعداد سے اُن کی محرومی کو اس پیرایہ میں بیاں کیا ہے کہ اُن پر مُہریں لگادی گئی ہیں لہٰذا اُن میں کوئی نئی چیز داخل ہی نہیں ہوتی۔

چونکہ اسلام، عقل و دلیل، اور آزادی ضمیر کا دین ہے، اس لیے اُس نے عیسائیوں اور دوسرے لوگوں کے اس طرزِ عمل سے منع کردیا کہ دین کے معاملہ میں زبردستی کی جائے۔ غیر مذہب والوں کو ستایا جائے۔ اس بارے میں بکثرت آیات وارد ہیں جنہیں ہم نے اُن کے مناسب مقام پر بیان کر دیا ہے۔ اور اس دینی آزادی کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ قرآن نے تقلید کی مذمت کی اور مقلدوں کو گمراہ بتایا ہے۔

تقلید اور بزرگوں کے راستے پر جمود

علم، استقلالِ عقل و فکر، اور ضمیر کی آزادی کی تعریف میں جو آیتیں نازل ہوئی ہیں، تقلید کی مذمت پر بھی دلالت کرتی ہیں۔ پھر جود تقلید اور مقلدوں کی مذمت میں بھی بہت سی آیتیں قرآں میں موجود ہیں۔ مثلاً فرمایا:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا، أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ (۱۷۰ : ۲)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدا نے جو ہدایت اتاری ہے، اُسے مانو، تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اُسی پر چلیں گے جس پر اپنے باپ دادا کو پاتے ہیں اگر اُن کے باپ دادا کچھ سمجھ بوجھ نہ رکھتے ہوں تو بھی اُنہی کی راہ پر چلیں گے۔

اور فرمایا:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا، أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ (۵ : ۱۰۴)

اور جب اِن سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی اتاری ہوئی ہدایت اور رسول کی طرف آؤ تو کہتے ہیں ہمارے لیے وہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے بزرگوں کو پایا ہے، اگرچہ اُن کے بزرگ کچھ جانتے ہوں نہ ہدایت پر ہوں؟

قرآن نے تقلید والوں کی مذمت دو لحاظوں سے کی ہے۔ ایک یہ کہ وہ اپنے آباؤ و اجداد کے طریقہ پر جم کر رہ گئے ہیں اور علم و عمل کی ترقی پر اپنے جمود کو ترجیح دیتے ہیں، حالانکہ یہ بات زندہ و عاقل انسان کی شان سے بعید ہے، کیونکہ زندگی ہمیشہ نُمو اور تولید کا تقاضا کرتی ہے اور عقل تجدید و مزید کو طلب کرتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اِن لوگوں نے باپ دادا کی

اندھی تقلید کر کے اپنے آپ کو انسانیت کے اختیار سے محروم کر لیا ہے، اور انسان کا اختیار یہ ہے کہ حق و باطل، خیر و شر حُسن و قُبح میں عقل و علم کی راہ سے تمیز کرتا ہے، چنانچہ فرمایا

وَإِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً قَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهَا آبَاءَنَا وَاللَّهُ أَمَرَنَا بِهَا، قُلْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ، أَتَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ (۲۸:۷)

جب کوئی بدکاری کرتے ہیں تو کہتے ہیں ہم نے اپنے بزرگوں کو ایسا ہی کرتے پایا ہے اور خدا نے ہمیں یہی حکم دیا ہے۔ اے پیغمبر کہہ دیجئے کہ خدا بدکاری کا حکم نہیں دیتا، کیا تم خدا پر وہ بات کہتے ہو جس کا علم نہیں رکھتے۔

عرب، فرشتوں کی پرستش کرتے تھے۔ اُن کے بارے میں فرمایا:

وَقَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّحْمَٰنُ مَا عَبَدْنَاهُم، مَا لَهُم بِذَٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ۔ أَمْ آتَيْنَاهُمْ كِتَابًا مِّن قَبْلِهِ فَهُم بِهِ مُسْتَمْسِكُونَ۔ بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّهْتَدُونَ۔ وَكَذَٰلِكَ مَا أَرْسَلْنَا مِن

اگر رحمان چاہتا تو ہم اُن کی پرستش نہ کرتے۔ ان لوگوں کو اس بات کا کوئی علم نہیں ہے۔ یہ لوگ محض اٹکل پچو کہتے ہیں۔ کیا ہم نے انہیں اس سے پہلے کوئی کتاب دی ہے جس پر یہ جمے ہوئے ہیں نہیں بلکہ کہتے ہیں ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک راہ پر پایا ہے اور ہم اُنہی کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں۔ اسی طرح ہم نے اے پیغمبر تم سے پہلے جب جب

قَبْلِكَ فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّقْتَدُونَ
(۴۳: ۲۳)

کوئی پیغمبر کسی آبادی میں بھیجا تو وہاں کے آسودہ لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک راہ پر پایا ہے اور ہم انہی کے نقشِ قدم کی پیروی کرنے والے ہیں۔

اسی طرح کی آیتیں سورۂ انبیاء، شعراء، صافات میں حضرت ابراہیم اور اُن کی قوم کے قصہ میں وارد ہوئی ہیں۔

پس قرآن ہی نے آکر تمام سابق مذہبوں اور دینوں کے ماننے والوں کو دعوت دی کہ کے علم و ہدایت تک پہنچنے کے لیے اپنے ضمیر کے ساتھ اپنی عقل کو بھی کام میں لائیں۔ آباء و اجداد کی چھوڑی ہوئی میراث پر جمے بیٹھے نہ رہیں، کیونکہ یہ سود، انسانی دعوت، عقل و فکر، اور دل سے ہی پر تعلیم ہے۔ اسی علم و ہدایت کی وجہ سے اسلام نے تمام دینوں میں امتیاز حاصل کر لیا تھا اور اسی کشش سے تمام قوموں کے عقلاء جوق جوق اس دین میں داخل ہونے لگے تھے، مگر خود مسلمان بعد میں اندھے ہو گئے۔ اگلی قوموں کی طرح خود بھی باپ دادا اور اپنے بعض اماموں کی طرف منسوب مشائخ کی تقلید کرنے لگے، حالانکہ ان اماموں نے تقلید سے منع کیا ہے اور ہرگز اس کی اجازت نہیں دی۔ اس حرکت سے مسلمانوں نے اُس حجتِ الٰہی کو باطل کر دیا ہے جو سب قوموں پر قائم ہو چکی تھی اور

خود اپنے دین کے خلاف ایک حجت بن کر رہ گئے بلکہ اب حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ رسمی علم کے مدعی ہر اس شخص کی سختی سے مذمت و مخالفت کرتے ہیں جو مسلمانوں کو کتاب اللہ کی پیروی، رسول اللہ کی ہدایت اور سلف صالحین کی سیرت کی طرف انہیں دعوت دے۔ ہم ان لوگوں کے ہاتھوں سختیاں جھیل رہے ہیں۔ جہل وجمود کی راہ سے آنے والے تمسخر، طعنہ زنی اور بدکلامی کا شکار ہوئے ہیں۔ ہم یہ کہتی کسی جاتی ہے کہ یہ حضرت "مجتہد" ہیں، وہ لقب جسے جہل نے صرف قدیم علماء کے لیے مخصوص کر دیا ہے اور اب کسی اور کو مل ہی نہیں سکتا!

اگر ہم میں ایسے علماء کی کثرت ہوتی جو اسلام کو اس کی حقیقی علمی عقلی صورت میں پیش کر سکتے تو اس زمانہ کے آزاد خیال لوگ بھی اس میں جوق جوق داخل ہونے لگتے اور وہ ساری دنیا میں پھیل جاتا کیونکہ فرنگی ممالک اور ان کے مقلد مشرقی ملکوں کے مدرسوں میں جو تعلیم دی جا رہی ہے اس کی بنیاد آزاد خیالی پر اور عقل و دلیل پر ہے لیکن یہ آزاد خیال تمام دینوں کو تقلیدی دیکھتی اور انہیں صرف اخلاقی اور اجتماعی نظام پاتی ہیں، اس لیے کافی سمجھتی ہیں کہ لیے ہی دین کی پیروی کر کے اپنے اخلاقی نظام کو برقرار رکھیں۔ ہمارے لیے یہ ثابت کرنا بہت مشکل ہو گیا ہے کہ تمام ادیان پر اسلام ہی کو ترجیح حاصل ہے کیونکہ ہم میں ایسے لوگوں کی کمی ہے جو

اسلام کو اُس کی اُس صورت میں پیش کر سکتے ہیں جو قرآن نے اُسے بخشی ہے اور جس کا بیان، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت، خلفاء راشدین اور سلف صالحین رضی اللہ عنہم اجمعین کی سیرت سے ہو چکا ہے۔

ایک شبہہ کا ازالہ

بعض مقلدوں کا خیال ہے کہ کتاب وسنت سے ہدایت حاصل کرنے اور اُس کے فہم میں استقلال فکری کی طرف مسلمانوں کو دعوت دینے میں رسالۃ المنار نے اِس زمانہ میں جو شہرت حاصل کی ہے، اُس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ بعض جاہلوں کو شریعت میں اجتہاد کے دعوے، ائمہ کی تقلید سے گریز، ائمہ پر اور اُن کے پیروؤں پر اعتراض کی جرأت پیدا ہو گئی ہے جو ایک خالص نئی بدعت ہے اور تقلید کی جگہ بے راہ روی کی مصیبت ہے لیکن یہ محض وہم ہے اور دین کے ساتھ تاریخ سے کسی جہل کا نتیجہ ہے کیونکہ بدعت و الحاد کے مذاہب بہت پرانے ہیں۔ جو خیر القرون اور سب سے بڑے امام کے زمانہ میں اِس فتنہ کے سینگ نکل چکے تھے، اِن مدعی مذہبوں میں دین کو سب سے زیادہ خراب کرنے والا وہ مذہب تھا جس نے معصوم اماموں کی پیروی کی دعوت دی اور کہا کہ اِن کی فرماں برداری واجب ہے اور اِن سے کسی دلیل کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا۔ حالانکہ ائمہ اہل سنت کا یہ مسلک نہ تھا۔ وہ دین میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی خاص شخص کی بھی

محض اُس کی ذات کی وجہ سے پیروی کو حرام قرار دیتے تھے، کیونکہ صرف خدا کا رسول ہی معصوم ہے اور اُس کے سوا کوئی انسان بھی معصوم نہیں ہے لیکن یہ عجیب بات ہے کہ جن اماموں نے تقلید کو حرام ٹھہرایا تھا اُنھی کے پیروؤں نے اُن لوگوں کی روش اختیار کر لی جو اپنے اماموں کو معصوم بتاتے ہیں، حتیٰ کہ باطنی ملحدوں کی روش پر بھی یہ لوگ بے تکلف چل پڑے ہیں، چنانچہ یہ لوگ اپنے اماموں کے اقوال کے مقابلہ میں بلکہ اُن کی طرف نسبت رکھنے والے مدّعیانِ علم کے مقابلہ میں بھی کتاب و سنت کی نصوص مسترد کر دیتے ہیں۔

یاد رکھنا چاہیے کہ بدعتوں کی قدر صرف تقلید ہی کے بازار میں ہو سکتی ہے بہ کہ آراء خیالی اور دلائل کے بازار میں، تقلید ہی کے دروازے سے مسلمانوں میں اکثر خرافات آئی ہیں، کیونکہ صوفیت وغیرہ کا روپ بھرنے والے تمام دجّال، مجتہد ائمہ ہی کی طرف منسوب ہیں، حالانکہ وہ اِس نسبت میں سراسر جھوٹے ہیں، اور ہم لوگ جو علم صحیح اور کتاب و سنت سے ہدایت حاصل کرنے کی دعوت دیتے ہیں، اُن سے زیادہ ائمہ کی پیروی کے حقدار ہیں۔

ائمہ کی طرف نسبت رکھنے والوں کی کتبِ تفسیر، فقہ، تصوّف، اور شروحِ احادیث میں بہت سی ایسی بدعتیں اور خرافات پائی جاتی ہیں

حق سے ہدایت کے امام رہی ہیں، لیکن چونکہ اِن کتابوں میں یہ چیزیں درج ہیں، اِس لیے جاہل اور نام نہاد علماء اُن کا مشروع اور جائز ہونا ثابت کرتے اور الہی کی بناپر کتاب الہی اور سنت صحیحہ کی نصوص مسترد کر دیتے ہیں۔

خدا کے فضل و احسان سے مشرق میں صرف "المنار" کا ایڈیٹر ہی ایک ایسا شخص ہے جو ان لوگوں کو، ناصبیوں کو، بہائیوں کو، قادیانیوں کو، تیجانیوں کو، قبوریوں کو اور اِس زمانہ کے تمام بدعتیوں کو جواب دیتا رہا ہے۔

زور زبردستی کی جگہ شخصی آزادی

یہ اسلام کی اُن خصوصیتوں میں سے ایک خصوصیت ہے جن کی بناپر ہم بتا چکے ہیں کہ وہ دین فطرت ہے۔ دین کے معاملہ میں زبردستی کی ممانعت اِس آیت کریمہ سے نکلتی ہے جو مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے نازل ہوئی تھی

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا، أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تُؤْمِنَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ۔ (الطہٰرا)	اگر خدا چاہتا تو زمین پر رہنے والے تمام لوگ ایمان لے آتے۔ اے پیغمبر کیا تو لوگوں کو مجبور کریگا کہ زبردستی ایمان لے آئیں؟ کوئی بھی حکم الٰہی کے بغیر ایمان نہیں لاسکتا اور خدا اُن لوگوں پر گندگی ڈال دیگا جو عقل سے کام نہیں لیتے۔ ا۔ ... رہیئے کہ لوگوں

مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ (۱۰: ۹۹ تا ۱۰۱)	دیکھو آسمانوں میں اور زمین میں کیا ہے۔ مگر نشانیاں اور تنبیہیں اُن لوگوں کے لیے سود مند نہیں جو ایمان نہیں رکھتے۔

ان آیات میں خدا نے اپنے رسول کو بتایا ہے کہ اُس کی محکم سنتوں کا تقاضا یہی ہے کہ دین کے سمجھنے میں انسانوں کی عقل اور سمجھ مختلف ہو، اُسے ثابت کرنے والی نشانیوں میں اُن کی نگاہیں یکساں نہ ہوں، لہذا یہ قدرتی ہے کہ بعض لوگ ایمان لائیں اور بعض کفر کریں۔ ما ریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آرزو کرنا کہ سب آدمی ایمان لے آئیں، مشیئت الٰہی کے خلاف ہے جس کا مقتضیٰ یہی ہے کہ ایمان کی استعداد انسانوں میں کم دیش ہو کیونکہ استعداد کا دار و مدار اس پر ہے کہ لوگ آیاتِ الٰہی کے فہم میں اپنی عقلیں استعمال کریں، اور دین کی ہدایت کو کفر کی گمراہی سے الگ کر سکیں۔

پھر جب یہودی قبیلہ بنو نضیر، حجاز سے جلاوطن ہونے لگا اور صحابہ نے چاہا کہ اپنے اُن لوگوں کو اُن سے چھین لیں جو یہودی بن چکے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ، قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ	دین کے معاملے میں زبردستی نہیں ہے۔ ہدایت گمراہی سے الگ ہو چکی ہے جس شخص نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا اس نے

فقد استمسک بالعروة الوثقیٰ لا انفصام لها والله سمیع علیم (۲: ۲۵۶)	مضبوط حلقہ تھام لیا ہے جو کسی طرح ٹوٹنے والا نہیں اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔

اس آیت کے نازل ہونے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا کہ اپنے رشتہ داروں کو اختیار دیدیں چنانچہ انہیں اختیار دے دیا گیا جس نے یہودیت پسند کی یہودیوں کے ساتھ جلاوطن ہو گیا جس نے اسلام منظور کیا، مسلمانوں کے ساتھ رہ گیا کسی کو اسلام لانے پر مجبور نہیں کیا گیا جیسا کہ ہم تفسیر میں بیان کر چکے ہیں۔

دین کے بارے میں لوگوں کو تکلیفیں دینا اور تکلیفیں دے کر انہیں مجبور کرنا کہ اپنے دین سے باز آجائیں، تو اسلام میں جنگ کے مشروع ہونے کا پہلا سبب یہی ہے جیسا کہ ہم اپنی تفسیر میں ذیل کی آیتوں کے سلسلہ میں بتا چکے ہیں

وقاتلوهم حتى لا تكون فتنة ويكون الدين لله، فان انتهوا فلا عدوان الا على الظالمين (۲ ۱۹۱)	کافروں سے جنگ کرو یہاں تک کہ دین کے معاملے میں زبردستی باقی نہ رہے اور دین کا معاملہ اللہ ہی کے لیے ہو جائے اگر وہ ایسا کرنے سے باز آجائیں تو ناانصافوں کے علاوہ کسی پر سختی نہیں ہوا کرتی۔
وقاتلوهم حتى لا تكون	کافروں سے جنگ کرو یہاں تک کہ دین کے

فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (۸: ۳۹)

معاملے میں زبردستی باقی نہ رہے اور دین کا سارا معاملہ اللہ ہی کے لیے ہوجائے۔ اگر وہ باز آجائیں تو اللہ ان کے عملوں سے واقف ہے۔

اسی قدر نہیں بلکہ اسلام میں دینی سرداری بھی ممنوع ہے جو عیسائیوں میں پائی جاتی ہے اس بارے میں قرآن کی آیتیں صاف ہیں، اور یہ معاملہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء راشدین کی سیرت سے بھی پوری طرح ظاہر ہوجاتا ہے۔ اس کی تشریح ہم نے پیغمبروں کے فرائض کے بیان میں کردی ہے یہاں اشارے کے طور پر صرف ایک ہی آیت کافی ہے جس میں خدا اپنے رسول برحق سے فرماتا ہے

فَذَكِّرْ ۗ اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۙ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ (۸۸: ۲۱، ۲۲)

اے پیغمبر تم لوگوں کو سمجھاؤ، کہ تمہارا کام یہی سمجھانا ہے تم کسی پر افسر نہیں ہو۔

قرآن کا چوتھا مقصد

اجتماعی و سیاسی اصلاح جن آٹھ وحدتوں سے پوری ہوتی ہے وہ حسب ذیل ہیں:

قوم کی وحدت۔ نسل انسانی کی وحدت۔ دین کی وحدت۔ انصاف میں مساوات کے ذریعہ قانون کی

وحدت۔ روحانی اخوت اور عبادت میں مساوات کی
وحدت۔ سیاسی لحاظ سے حکومت کی قومی وحدت۔
عدالت کی وحدت۔ زبان کی وحدت۔

اسلام نے آکر دیکھا کہ انسان مختلف قومیتوں میں منقسم ہیں جسب ونسب، رنگ، زبان، وطن، دین، مذہب، قبیلہ، حکومت اور سیاست میں باہم ایک دوسرے کے مخالف و دشمن ہیں۔ انہی اختلافوں کی وجہ سے آپس میں کشت وخون کرتے ہیں۔ اسلام نے یہ دیکھا تو دردِ ستہ چلا کر اس فساد سے منع کیا۔ تمام آدمیوں کو عام جامع انسانی وحدت کی طرف بلایا اس وحدت کو ان پر فرض کر دیا۔ اختلاف اور پھوٹ سے روکا اور اس چیز کو حرام قرار دے دیا۔

اس پھوٹ کے نقصان تاریخی شہادتوں سے بیان کرنے اور انسانی وحدت و اجتماع کے بارے میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے نصوص پیش کرنے کے لیے ضخیم کتاب کی ضرورت ہے مجبوراً اس کتاب میں نہایت اختصار کے ساتھ ہم صرف جامع اصول ہی بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، وہ اصول جن کے ذریعہ تمام انسان ایک ہی قوم، ایک ہی دین، ایک ہی تمدنیت ایک ہی حکومت، ایک ہی زبان ہو کر اُسی طرح ایک بن جائیں جس طرح اُن کی اصلیت ایک ہے اور اُن کا پروردگار ایک ہے۔

۱۔ پہلی اصل ـــــــ خدائے تعالیٰ نے سورۂ انبیاء میں امت اسلام کو مخاطب کر کے فرمایا ہے:

اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ (۲۱: ۹۲)	یہ تمہاری امت، ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں لہذا میری عبادت کرو۔

پھر سورۂ مومنین میں خدا نے تمام پیغمبروں کو اسی قومی وحدت کے بارے میں مخاطب کیا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ (۲۳: ۵۱، ۵۲)	اے پیغمبرو پاک چیزیں کھاؤ اور نیکی کرو، میں تمہارے اعمال سے خوب واقف ہوں یہ تمہاری امت، ایک ہی امت ہے، اور میں تمہارا پروردگار ہوں پس مجھ سے ڈرو۔

لیکن ہر نبی کی امت اُس کی اپنی قوم ہوا کرتی تھی۔ برخلاف اس کے خاتم النبیین کی امت تمام انسان ہیں۔ خدا نے سب آدمیوں پر فرض کر دیا ہے کہ اُس کے پیغام بروں پر ایمان لائیں اور اُن میں تفریق نہ کریں، جیسا کہ بیان ہو چکا۔ پیغمبروں کے خاتم (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لانا درحقیقت اولیں پیغمبر اور درمیاں کے سب پیغمبروں پر ایمان لے آنا ہے۔ پیغمبروں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک ہی سلطنت میں کئی گورنر۔ اور نسخ کے ذریعہ اگلوں کی شریعت کی سوخی ایسی ہے جیسی سلطنت کے قوانین میں وقتاً فوقتاً ترمیم

ہوا کرتی ہے، یہاں تک کہ دین الٰہی کامل ہوگیا۔

دوسری اصل ——— تمام انسانوں، اُن کی قوموں اور قبیلوں میں مساوات کے ذریعہ انسانی وحدت کی عام منیاد اس کلام الٰہی میں موجود ہے

یا ایّھا النّاس انّا خلقنٰکم من ذکرٍ و انثیٰ و جعلنٰکم شعوبا و قبائل لتعارفوا انّ اکرمکم عند اللہ اتقاکم (۱۳ ۴۹)	اے لوگو ہم نے تمہیں نر اور مادہ سے پیدا کیا۔ اور قوموں قبیلوں کی صورت میں کر دیا ہے تاکہ باہم شناخت کر سکو اللہ کے ہاں تم میں سے عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس انسانی وحدت کی تبلیغ حجۃ الوداع میں عید اکبر کے موقعہ پر کردی اس خطاب میں ضمناً یہ دعوت بھی موجود ہے کہ تعارف سے میل ملاپ پیدا کرو اور یہ شناخت کرو باہم زیادتی نہ کرو۔

تیسری اصل ——— دین کی وحدت اس طرح قائم کردی کہ سب آدمی ایک ہی رسول کی پیروی کریں اُس رسول کی جو اسی دین فطرت کے اصول لیکر آیا ہے جسے تمام پیغمبر لائے تھے مگر اُس کی شریعت ایسے احکام سے مکمل کردی گئی ہے جو تمام انسانوں کے لیے یکساں مفید ہیں اس اصل کی تائید شہادت ذیل کی آیت میں موجود ہے

قُل یا ایّھا النّاس انّی | اے پیغمبر کہہ دیجئے کہ لوگو میں تم سب کے

رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (۷: ۱۶۸) | اے اللہ کا رسول ہوں۔

اور چونکہ اسلام، فطرت کا اور عقیدہ وضمیر کی آزادی کا دین ہے۔ اسی لیے اُس نے دین کے معاملہ کو جبری نہیں بلکہ اختیاری کردیا ہے فرمایا

لَاۤ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ (۲: ۲۵۶) | دین میں زبردستی نہیں ہے۔ ہدایت گمراہی سے الگ ہو چکی ہے۔

چوتھی اصل ـــــــ قانون کی وحدت اس طرح قائم کردی ہے کہ احکام اسلام کے سامنے جھکنے والے تمام لوگوں میں مساوات پیدا کردی ہے۔ شہری حقوق میں بھی اور مادی حقوق میں بھی مومن و کافر، ایک وعدہ، بادشاہ اور بازاری، امیر و فقیر، زبردست و کمزور سب پر عدل و انصاف یکساں طور پر جاری ہوتا ہے۔ اس کے شواہد ہم تشریعی اصلاح کے باب میں بیان کریں گے۔

پانچویں اصل ـــــــ روحی وحدت اس طرح قائم کردی ہے کہ اس دین کی روحی اخوت اور عبادات میں اس دین کے تمام مومنوں میں پوری مساوات پیدا کردی ہے، مثلاً نماز اور حج۔ چنانچہ نماز کی صفوں میں اور حج کے مناسک میں مسلمانوں کے بادشاہ، امراء، علماء، فقیروں اور عام آدمیوں کے دوش بدوش کھڑے ہوتے ہیں لیکن یورپ کی قومیں جو عیسائیت کی طرف منسوب ہیں، اس مساوات کو پسند نہیں کرسکتیں جس پر اسلام میں شروع سے

آج تک عمل چلا آتا ہے اور سب اُس سے واقف ہیں۔ خدا فرماتا ہے
إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ (۴۹ ۱) | تمام مومن آپس میں بھائی ہیں۔
اور بر سر جنگ مشرکوں کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:
فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ (۹ ۱۱) | اگر وہ توبہ کرلیں، نماز قائم کریں، زکاۃ ادا کریں تو تمہارے دینی بھائی ہیں۔

چھٹی اصل ——— یہی سیاسی وحدت اِس طرح قائم کردی ہے کہ اسلامی حکومت کے ماتحت تمام ممالک عام حقوق میں مساوی ہیں بجز اس حق کے کہ جزیرۃ العرب یا حجاز میں وہ وہاں رہیں کہ یہ جگہ مسلمانوں کے لیے خاص ہے اور نیز اس لیے کہ حرمین اور اطراف کے علاقے، عبادت خانوں اور مسجدوں کا حکم رکھتے ہیں، اور اسلام نے تمام قوموں کے عبادت خانوں کے بارے میں یہی فیصلہ کر رکھا ہے کہ اُسی قوم کے قبضہ میں رہیں جس نے اُنہیں قائم کیا ہے اسلام نے اُن کی حرمت تسلیم کی ہے۔ اُن میں اُن کے ملکوں کی اجازت بغیر داخلہ تک جائز نہیں رکھا اِس حکم میں مسلم اور غیر مسلم سب برابر ہیں۔

ساتویں اصل ——— عدالتی وحدت اور اُس کی آزادی، اور عادل شریعت کے سامنے سب لوگوں کا یکساں ہونا، اسلام ہی نے ضروری ٹھہرایا ہے، لیکن اس سے شخصی دینی احکام مستثنیٰ ہیں، کیونکہ اس بارے میں اسلام عقیدہ وضمیر کی آزادی کا لحاظ رکھتا ہے۔ چنانچہ اُس نے غیر مسلموں کو

بھی اجازت دی ہے کہ شادی بیاہ وغیرہ معاملات کا تصفیہ اپنے علماء ملت سے کرائیں۔ لیکن اگر مسلمانوں سے فیصلہ چاہیں تو مسلمان اپنی عادل شریعت کی بنا پر فیصلہ کر دیں گے جس نے اُن کی شریعتوں کو منسوخ کر دیا ہے۔ اِس بارے میں اصل یہ آیت ہے

فَاِنْ جَاءُوكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ (۴۲:۵)

اگر غیر مسلم تمہارے پاس آئیں تو اُن کے جھگڑے کا فیصلہ کر دو یا اُن سے اعراض کرو لیکن اگر فیصلہ کرو تو انصاف سے کرو۔ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے

اور چند آیتوں کے بعد فرمایا

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ (۴۹:۵)

اُن کے مابین اللہ کی اُتاری ہوئی شریعت کے موجب فیصلہ کرو اور حق کو چھوڑ کر اُن کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو۔

آٹھواں اصل ـــــ زبان کی وحدت۔ معلوم ہے کہ انسانوں میں اتحاد اور اخوت ممکن ہی نہیں اور قومیں، ایک قوم بن ہی نہیں سکتیں جب تک اُن کی زبان ایک نہ ہو۔ انسانوں کی مصلحت پر غور کرنے والے حکیموں کی ہمیشہ آرزو رہی ہے کہ سب لوگوں کی زبان ایک ہو جائے تاکہ باہمی تعارف کے سوا تعلیم، آداب، علوم و فنون، اور دنیاوی معاملات میں تبادل کر سکیں۔

اسلام نے اُن کی یہ دیرینہ آرزو پوری کر دی ہے اُس نے دین، تشریع، اور حکومت کی زباں کو اپنے تمام مومنوں اور ماتحتوں کی زباں بھی بنا دیا ہے مومن اپنے اعتقاد و وجداں سے مجبور ہوں گے کہ اللہ کی کتاب اور اُس کے رسول کی سنت سمجھے، عبادت کرے، اور اخوت اسلامی کے سلسلہ میں منسلک ہونے کے لیے اسلام کی زباں کو سیکھیں، اسی لیے قرآں میں جا بجا یہ بات بار بار کہی گئی ہے کہ وہ عربی کتاب اور عربی حکم ہے، اور تاکید کی گئی ہے کہ اس عربی قرآں کو سمجھو اُس سے نصیحت وادب حاصل کرو۔ رہ گئے غیر مومن، تو وہ بھی مجبور ہوں گے کہ اُس شریعت کی زباں سیکھیں جس کی حکومت کو تسلیم کرتے ہیں، جیسا کہ اس بارے میں انسانوں کا عام دستور ہے۔ تمام اسلامی عربی فتوحات میں صورت حال ایسی ہی تھی۔

میں پہلے بتا آیا ہوں کہ اسلام میں عربی زباں کا سیکھنا واجب ہے اور یہ کہ اس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے جیسا کہ امام شافعیؒ نے اپنے رسالہ میں طے کر دیا ہے اسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں، پھر خلفاء راشدین اور بنی امیہ و بنی عباس کے عہد میں عمل بھی رہا یہاں تک کہ عجمیوں کی کثرت ہو گئی علم کم ہو گیا جہل زیادہ ہو گیا، اور لوگ صرف عبادات و اذکار ہی میں دین کی زباں پر اکتفا کرنے لگے (دیکھو تفسیر ج ۹ ص ۳۱)
نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو ہر اُس بات سے روکتے تھے

جوان میں پھوٹ ڈالے، اُن کے اتحاد اور اُن کی قومی وحدت کے منافی ہو، ایسی وحدت جو ایک جسم کی طرح ہوتی ہے، جیسا کہ آپ نے اس قول میں فرمایا ہے "مومنوں کی مثال اپنی باہمی محبت، رحم، اور رافت میں ایسی ہے جیسے زندہ جسم کہ اس کے ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو پورا جسم بے خوابی اور دکھ کی مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے" (مسند احمد، حدیث نعمان بن بشیر) آپ ہر اُس بات کو ناپسند فرماتے تھے جس سے کسی بھی پارٹی کی تفریق پیدا ہو۔ پہلی بات مشہور ہے دوسری بات کی دلیل پہلی بات کے ساتھ درج ذیل ہے۔

حافظ ابن عساکر نے ابوسلمہ بن عبدالرحمن سے روایت کیا ہے کہ قیس بن مطاطیہ ایک مجلس میں پہنچا جس میں سلمان فارسی، صہیب رومی، بلال حبشی بیٹھے تھے۔ ان صحابیوں کو دیکھ کر یہ منافق کہنے لگا "اوس اور خزرج کے قبیلوں نے اس شخص کی حمایت کی تو کی، مگر یہ سب کون ہیں؟" (منافق کا مطلب یہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عرب ہیں اور یہ دونوں قبیلے، اوس اور خزرج بھی عرب ہیں، جیسا انہوں نے اپنی قومیت کے لحاظ سے یہ سب کیا، مگر یہ فارسی، رومی، اور حبشی کیوں آپ کی تائید پر کھڑے ہو گئے؟)

حضرت معاذ بن جبل نے یہ بات سن لی تو منافق کا گریبان پکڑ لیا اور کشاں کشاں لا کر نبی صلعم کو واقعہ سنایا۔ آپ غضبناک ہو کر اٹھے اور مسجد میں مسلمانوں کو جمع کر کے خطبہ دیا:

"اے لوگو، تمہارا پروردگار ایک ہے، باپ بھی ایک ہی ہے، دین بھی ایک ہی ہے۔ عربیت نہ تمہاری ماں ہے نہ باپ، بلکہ وہ ایک زبان ہے تو کوئی یہ زبان بولتا ہے عرب ہے۔" حضرت معاذ نے عرض کیا "اے رسول اللہ، اس منافق کے بارے میں آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟" فرمایا "اسے دوزخ کے لیے چھوڑ دو" چنانچہ آپ کے بعد یہ شخص بھی مرتد ہو کر قتل کیا گیا۔

اگر مسلمان اسی محمدی تربیت پر استوار رہتے تو کیا اُن میں قومیت اور زبان کے اختلاف کی وجہ سے وہ تمام نااتفاقیاں اور جنگیں برپا ہو سکتی تھیں، جو ہوئیں اور جنہوں نے اُنہیں اس پستی اور کمزوری میں پہنچا دیا ہے؟ اگر مسلمانوں نے اس اسلامی اخوت کی حفاظت کی ہوتی تو کیا جدید دَور میں ترکوں کو موقع مل سکتا تھا کہ حکومت اسلام کی چھت کے اس ہرے بھرے پیڑ کی جڑیں اکھاڑ سکتے، اور اسلام کی اس تلوار کو اُس کے نیام سے نکال کر پھینک سکتے؟ کیا وہ ترکی قوم اور اُس زبان کے مابین حائل ہو سکتے تھے جو اُس کے اللہ کی مسنونہ کتاب، اور اُس کے مصلح رسول کی سنت کی زبان ہے، اور معلوم ہے کہ وہ عربی زبان ہی ہے، اور یہ حرکت صرف اس لیے کہ اس قوم کو یورپی قوموں میں جذب کر دیا جائے، بالکل اُسی طرح جس طرح کسی بچہ کو زبردستی دوسرے باپ کے سر منڈھ دیا جائے، اور صرف اتنی سی ہوس کے لیے کہ کہا جائے، ایک بڑا آدمی پیدا ہوا تھا جس نے تجدید کی، جس نے ایک نئی قوم، ایک نئی زبان و

ایک نئی حکومت، ایک نیا دین پیدا کر دیا؟ ہرگز نہیں نہیں، یہ منصوبہ کبھی پورا ہونے والا نہیں!

یہ قوم (ترک) اسلام کے نام پر ایک ایسی دینی یکسانی کی مالک تھی جس کے حلقۂ گوش تقریباً چالیس کروڑ انسان تھے اگر یہ قوم، علم و حکمت سے بھی آراستہ ہوتی، عقل و تدبیر کے ساتھ رہنمائی کی قابلیت رکھتی، اور ریاست کو مستحکم کرنے والے نظام کی مالک ہوتی، تو پوری مشرقی دنیا کو اپنے اشاروں پر چلا سکتی تھی اور اپنی اس دینی پولیس سے مغربی دنیا پر بھی حاوی ہو جا سکتی تھی جیسا کہ نپولین کا منصوبہ تھا اگر وہ مصر میں باقی رہ جاتا۔

بعض کوتاہ بیں اعتراض کرتے ہیں کہ مختلف قوموں میں زبان کا اتحاد پیدا کرنا، انسانی فطرت کے خلاف ہے، لیکن دین کا اتحاد تو انسانی طبیعت کے اور بھی زیادہ خلاف ہے اگر انسان سے مقصود، تمام افراد انسانی ہوں۔ حکماء و عقلاء برابر کوشش کرتے رہے ہیں کہ سب آدمیوں کی ایک ہی زبان ہو جائے اگرچہ یہ بھی جانتے ہیں کہ بعض زبانیں علوم و فنون میں اتنی ترقی کر چکی ہیں کہ انہیں بولنے والی قومیں کسی اور زبان کو ہرگز اختیار نہیں کر سکتیں، لیکن ان حکماء و عقلاء نے قوموں کو ایک ہی دین پر جمع کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی قرآن جس نے اپنی شریعت اور اپنی زبان کے ساتھ سب لوگوں کے لیے ایک ہی دین بھی ضروری ٹھہرایا ہے، نہیں سکتا ہے کہ انسان کی آفرینش میں حکمت

الٰہی کا یہ منشا نہیں ہے کہ سب آدمی ایک ہی امت بن جائیں اور ایک ہی دین ماننے لگیں

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ وَلِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ (۱۱: ۱۱۸)	اگر تیرا پروردگار چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی امت کر دیتا۔ وہ برابر مختلف ہی رہیں گے بجز اُن کے جن پر تیرا پروردگار رحم فرمائے اس نے انہیں اسی لیے پیدا کیا ہے۔

اس رحمت کی طرف خدا نے انسانوں کو اس لیے بلایا ہے کہ اُن کی تلخی کم ہو جائے جو باہمی پھوٹ سے پیدا ہوتی ہے —— یہی وہ پھوٹ ہے جس نے موجودہ زمانہ کی سب سے زیادہ علم و ترقی رکھنے والی قوموں کو اب مجبور کر دیا ہے کہ دنیا بھر سے لوٹی ہوئی دولت کو جنگ کی تیاری پر برباد کریں، وہ جنگ جو اُن کی تمام ترقیوں اور خوشحالیوں کا خاتمہ کر کے رہے گی۔

اسلام نے تمام انسانوں کو ایک ہی دین کی طرف دعوت دی ہے۔ اس دعوت میں زبان اور دوسری چیزوں کی وحدت بھی شامل تھی جس سے قومیں ملتی ہیں۔ دعوت کے بلند ہوتے ہی انسانوں نے اُسے قبول کرنا شروع کر دیا، حتیٰ کہ ایک صدی کے اندر اندر یہ دعوت بحر اٹلانٹک سے ہندوستان تک پھیل گئی۔ اگر اسلام میں بدعتیں پیدا نہ ہو جاتیں، اُس کی حکومتیں ظلم و استبداد میں مبتلا نہ ہو جاتیں، اُس کے حلقہ بگوشوں میں جہل و فساد پھیل نہ

جاتا، بھوٹ عام نہ ہو جاتی، تو اسلام میں اکثر انسان ضرور داخل ہو جاتے اور اسلام کی رسائی اُن کی رسائی بن جاتی، کیونکہ انسان کی حیثیت یہی ہے کہ اچھائی کو قبول کرے بشرطیکہ اُسے اچھائی کا علم ہو جائے۔

قسطنطنیہ میں ایک جرمن عالم نے بعض مسلمانوں سے کہا، جن میں مکہ کے خاندان شرافت کا بھی ایک رکن موجود تھا، کہ ہم یورپین لوگوں کو چاہیئے کہ معاویہ بن ابی سفیان کا طلائی بُت، برلن میں نصب کریں! لوگوں نے پوچھا، یہ کیوں؟ کہنے لگا اس لیے کہ معاویہ ہی نے اسلامی حکومت کا نظام، ڈیموکریسی سے ہٹا کر زور زبردستی پر قائم کر دیا تھا۔ اگر یہ واقعہ پیش نہ آتا تو اسلام سارے جہان میں پھیل جاتا اور ہم جرمن اور یورپ کی تمام قومیں آج مسلمان اور عرب ہی ہوئی ہوتیں!"

اب غور کرو کہ قوموں کو متحد کرنے والے یہ اصول کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس سے پھوٹنے والی روحی کا نتیجہ ہو سکتے ہیں جب کہ آپ ادھیڑ عمر میں پہنچ چکے تھے، وہ اصول جن کی خوبی نے آپ کو تمام انساء و حکماء سے بلند کر دیا ہے، یا عقل کا فیصلہ یہ ہے کہ اسلام کے یہ تمام اصول، اللہ تعالیٰ کی وحی ہیں جو آپ پر نازل ہوئی تھی؟

قرآن کا پانچواں مقصد

اسلام میں حلالات و ممنوعات یعنی شخصی پابندیاں

ا۔ اسلام، درمیانی راہ ہے جس میں روح وجسم کے حقوق اور دنیا وآخرت کے مصالح جمع ہو گئے ہیں چنانچہ فرمایا

وکذٰلک جعلنٰکم اُمّۃً وسطًا لتکونوا شہداء علی الناس ویکون الرسول علیکم	ہم نے تمھیں درمیانی قوم بنایا ہے تاکہ تم دوسرے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو۔

سیقول ۱ (۲ ۱۴۳)

اس آیت کی تفسیر میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ مسلمان اُن لوگوں کے وسط میں ہیں جن پر جسمانی خواہشوں اور مادّی منفعتوں کا غلبہ ہے، جیسے یہودی، اور اُن کے جو رہبانیت اور نفس کشی میں مبالغہ کرتے ہیں جیسے ہندو اور عیسائی، اگرچہ ان میں سے اکثر اب اس راہ سے پھر چکے ہیں۔

۲۔ اسلام کا مقصد یہ ہے کہ ایمانِ صحیح، معرفت الٰہی، عملِ صالح، مکارم اخلاق، محاسن اعمال کے ذریعہ نفس کو پاک کر کے دنیا وآخرت کی سعادتوں تک پہنچا دے۔ اسلام میں محض اعتقاد رکھنا اور تکیہ کر لینا کافی ہے، نہ شفاعتوں اور خارق عادت باتوں پر بھروسہ کر لینا، اس دفعہ کا بیان اوپر گزر چکا ہے

۳۔ اسلام کی غرض یہ ہے کہ انسانوں میں تعارف و محبت بڑھے نہ کہ اختلاف اور پھوٹ میں اضافہ ہو۔

۴۔ اسلام، آسان دین ہے۔ اُس میں کسی طرح کی سختی، تنگی زبردستی نہیں۔ خدا فرماتا ہے

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (۲ ۲۸۶)	کسی جان پر خدا اُس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا

اور فرمایا

وَلَوْ شَاءَ لَاَعْنَتَكُمْ (۲ ۲۲)	اگر خدا چاہتا تو تمہیں سختی میں ڈال دیتا

اور فرمایا

يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (۲ ۱۸۵)	خدا تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے، سختی نہیں چاہتا۔

اور فرمایا

وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (۲۲ ۷۸)	اللہ کی راہ میں پورا پورا جہاد کرو، اُس نے تمہیں منتخب کر لیا ہے اور دین کے معاملہ میں تم پر کوئی سختی نہیں کی۔

اور فرمایا:

مَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ (۵ ۷)	خدا نہیں چاہتا کہ تم پر سختی ڈالے۔

اِس اصل کی تحت یہ مسئلہ بھی ہے کہ اگر کسی فرض کا ادا کرنا، مکلّف پر بار ہو اور وہ ادا نہ کر سکے یا ادا کرنے میں بہت تکلیف ہو، تو اُس سے وہ فرض ساقط ہو جاتا ہے یا اُس کا عوض قبول کر لیا جاتا ہے، جیسے بیمار یا شیخ فانی کہ اول الذکر سے روزہ ساقط ہو جاتا ہے اور تندرستی کے بعد اُسے رکھنا چاہیے لیکن آخر الذکر پر روزہ کی قضا بھی نہیں ہے، بلکہ اُس کا کفارہ یہ ہے کہ اگر قدرت ہو تو مسکین کو کھانا کھلائے۔ اسی طرح ضرورت پڑ جانے پر حرام بھی بنص قرآن جائز ہو جاتا ہے، اور اگر اِس حرام چیز کی حرمت یا ممانعت، فساد کا دروازہ بند کرنے کے لیے ہے تو ضرورتاً وہ بھی مباح ہو جاتی ہے جیسا کہ ہم سود، روپے اور حرام کھانوں سے متعلق آیات کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں۔

اسلام کی عام آسانی کو ہم آیتُ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ" کی تفسیر میں بہ تفصیل بیان کر آئے ہیں (دیکھو تفسیر جلد ۷)

۵۔ اسلام نے دین میں غلو سے منع کیا ہے۔ اسراف و کثرت کے تبذیر کو اور طیّبات کو جائز رکھا ہے۔ نفس کو بے وجہ عذاب میں ڈالنے سے روکا ہے۔ اس کی تفصیل ہم نے سورۂ بقرہ اور آل عمران کی اُن آیتوں کی تفسیر میں کر دی ہے جس میں طیبات کھانے کا حکم دیا گیا ہے پھر اِس آیت کی تفسیر میں

یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ خُذُوۡا زِیۡنَتَکُمۡ عِنۡدَ کُلِّ مَسۡجِدٍ وَّ کُلُوۡا وَ اشۡرَبُوۡا وَ لَا تُسۡرِفُوۡا ۚ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الۡمُسۡرِفِیۡنَ ۔ قُلۡ مَنۡ حَرَّمَ زِیۡنَۃَ اللّٰہِ الَّتِیۡۤ اَخۡرَجَ لِعِبَادِہٖ وَ الطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزۡقِ ؕ قُلۡ ہِیَ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا خَالِصَۃً یَّوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ؕ کَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ (۷: ۳۱، ۳۲)	اے اولادِ آدم، اپنی آرائش ہر نوبہر عبادت کے موقع پر۔ کھاؤ پیو اور اسراف نہ کرو۔ اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اے پیغمبر کہدیجئے کہ اللہ کی اُس زینت کو اور کھانے کی ستھری چیزوں کو کس نے حرام کیا ہے جو اُس نے اپنے بندوں کے لیے جاری کی ہیں؟ کہہ دیجئے یہ چیزیں ایمان والوں کے لیے ہیں دنیا کی زندگی میں اور خالص ہونگی قیامت کے دن۔ اسی طرح ہم تفصیل کرتے ہیں آیتوں کی اُن لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔

اور فرمایا

یٰۤاَہۡلَ الۡکِتٰبِ لَا تَغۡلُوۡا فِیۡ دِیۡنِکُمۡ (۵: ۷۷)	اے اہل کتاب، اپنے دین میں غلو نہ کرو۔

غلو کی یہ ممانعت مسلمانوں کے لیے اور بھی زیادہ قابل لحاظ ہے۔ انہیں بدرجۂ اولیٰ اُس دین میں غلو نہیں کرنا چاہیے جو رحمت اور آسانی کا دین ہے۔ عبادت میں غلو، ترک طیبات، اور رہبانیت سے ممانعت کے متعلق جو صحیح حدیثیں وارد ہیں، وہ ان آیتوں کی تفسیر کرنے والی ہیں اور

مصداق ہیں اُس نام کی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کا رکھا ہے، یعنی اَلْحَنِیْفِیَّۃُ السَّمْحَۃ (آسان سیدھی راہ)

۶۔ اسلام میں پابندیوں کا کم ہونا اور اُن کا آسانی سمجھ میں آجانا اِس سے ظاہر ہے کہ ریگستان سے کوئی گنوار بدوی، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا اور دعوت سنتے ہی اسلام لے آتا تھا آپ اُسے ایک ہی نشست میں تعلیم دیدیتے تھے کہ خدا نے اُس پر کیا فرض کیا ہے اور کس چیز کو حرام رکھا ہے۔ وہ سمجھ جاتا تھا اور عمل کرنے کا آپ سے عہد کرتا تھا آپ یہ سن کر فرماتے تھے "بدو، فلاح پا گیا اگر سچا ہے،، اسلام کی یہی آسانی تھی جس کی وجہ سے اُس کی مقبولیت عام ہو گئی تھی، لیکن فقہا نے اپنے اجتہادوں سے اُس میں پابندیاں اِس قدر بڑھا دی ہیں کہ اُن کا سمجھنا اور اُن پر عمل کرنا بہت ہی مشکل ہو گیا ہے۔

۷۔ اسلام میں پابندیوں پر عمل دو طرح سے ہوتا ہے۔ شدت کے ساتھ عمل اور اُسے "عزیمت" کہتے ہیں نرمی کے ساتھ عمل اور اُسے "رخصت" کہا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس آخر الذکر صورت کو ترجیح دیا کرتے تھے اور حضرت عبداللہ بن عمر اول الذکر کو۔ معلوم ہے کہ سب آدمی یکساں سرگرمی نہیں رکھتے، اِس لیے سب کا عمل بھی یکساں نہیں ہو سکتا۔ اِس طرح اسلام، سادہ لوح بدوی سے لیکر فلسفی حکیم اور درمیان کے تمام لوگوں کے

موافق بن گیا ہے۔ اسی اختلاف استعداد کو خدا نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ	پھر کتاب کا وارث اُن لوگوں کو بنایا جنہیں
الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا	ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا تھا۔ ان میں
فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ	بعض اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں، بعض
وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللَّهِ	درمیانی طریقہ پر ہیں، اور بعض خدا کے حکم سے
ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ	نیکیوں میں ترقی کیے چلے جاتے ہیں یہی بہت
(۲۲ ۳۵)	بڑا فضل ہے

۸۔ کتاب وسنت، دونوں میں اس واقعہ کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ عقل وفہم وہمت میں انسانوں کے درجے مختلف ہیں۔ چنانچہ قطعی احکام سب کے لیے عام ہیں، اور غیر قطعی احکام میں چونکہ لوگوں کی سمجھ مختلف ہے، اس لیے ہر ایک کو اپنے اجتہاد کے موجب چلنے کا مجاز ہے۔ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب میں سے ہر ایک کے اجتہاد کو درست قرار دیتے تھے۔ چنانچہ جب شراب اور جوئے کے بارے میں سورۂ بقرہ کی آیت نازل ہوئی جس سے ان دونوں کی حرمت پر ظنی دلیل قائم ہوتی تھی، تو بعض صحابہ نے ان چیزوں سے توبہ کرلی اور دوسروں نے نہیں کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں گروہوں کے اجتہاد برقرار رکھے یہاں تک کہ سورۂ مائدہ کی آیتیں نازل ہوئیں (جن) میں شراب اور قمار (بازی)

کی قطعی حرمت وارد ہو گئی ہے۔

خدا فرماتا ہے

وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ، وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ (۴۳ ۲۹)	یہ کہاوتیں ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں، مگر انہیں وہی سمجھتے ہیں جو علم والے ہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ عام دینی فرائض اور عام دینی محرّمات، صرف نصِّ قطعی سے ہی ثابت ہو سکتے ہیں جسے ہر کوئی سمجھے۔ فرائض کے بارے میں یہ مذہب، حنفی فقہاء کا ہے اور محرّمات میں یہ مذہب جمہور سلف کا ہے۔ رہ گئیں وہ آیات جن میں ظنّی دلالت ہے اور وہ احادیث آحاد جن کی روایت یا دلالت ظنی ہے۔ تو عبادات اور شخصی اعمال میں اُن لوگوں کے لیے واجب العمل ہیں جن کے نزدیک وہ ثابت ہو جائیں۔ عدالتی معاملات اور سیاسی مسائل میں وہ اولوالامر کے اجتہاد پر موقوف ہیں۔ یہ بات ہم اپنی تفسیر اور "المنار" میں کئی جگہ صاف کر چکے ہیں

۹۔ اسلام نے یہ اصل طے کر دی ہے کہ ظاہر کے موجب لوگوں سے برتاؤ کیا جائے اور باطن کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے۔ سارے اسلامی حکّام حتی کہ خود خلیفۃ المسلمین کو بھی حق نہیں کہ کسی شخص سے اُس کے عقیدے یا دل کے خیال پر محاسبہ و مواخذہ کرے۔ سزا اُسی وقت دی جا سکتی ہے جب

دوسروں کے حقوق و مصالح سے متعلق عام احکام کی مخالفت کی جائے۔
اس اصل کو ہم سورۂ توبہ کی تفسیر کے خلاصہ میں تفصیل بیان کر آئے ہیں۔

۱۔ اسلام میں تمام عبادتوں کا مدار اس پر ہے کہ ظاہر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقہ کی پیروی کی جائے۔ اس بارے میں نہ کسی کی ذاتی رائے کو دخل ہو سکتا ہے نہ کسی کی پیشوائی کو، اور عبادات کا باطن میں مدار اس پر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص اور نیک نیتی پر مبنی ہوں۔ ان دونوں معاملوں سے متعلق بکثرت آیات و احادیث وارد ہیں۔

قرآن کا چھٹا مقصد

(اسلام کی سیاسی فرمانروائی، اس کی نوعیت، بنیاد، اور عام اصول)

اسلام ایک ایسا دین ہے جس میں ہدایت بھی ہے، سرداری بھی ہے، سیاست بھی ہے، حکومت بھی ہے، کیونکہ انسانوں کے تمام دینی، اجتماعی، عدالتی معاملات و مصالح کی جو اصلاح وہ لایا ہے، اُسے عمل میں اُسی وقت لایا جا سکتا ہے جب اسلام کو برتری و قوت حاصل ہو، عدل کے ساتھ حکومت کی جائے۔ حق کو قائم کیا جائے۔ دین اور سلطنت دونوں کی حفاظت کا سامان مہیّا ہو۔ اس بارے میں چند اصول و قواعد ہیں جنہیں ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

حکم اسلامی کی بنیاد

اسلام میں حکومت کا معاملہ سراسر قوم کے ہاتھ میں ہے۔ اور اُ
کی شکل، حکومت شوریٰ کی ہے۔ اس حکومت کا صدر، مسلمانوں کا ا
اعظم یا خلیفہ ہے، جو اسلام کی شریعت کو نافذ کرنے والا ہے۔ خلیفہ کے ع
و نصب کا اختیار، امت ہی کو ہے۔ خدا نے مومنوں کی شان میں فرمایا

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (۴۲: ۳۸)	اُن کا معاملہ آپس میں مشورے پر۔

اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا۔

وَشَاوِرْهُمْ فِى الْاَمْرِ (۳: ۱۵۹)	مسلمانوں سے مشورہ کیا کیجئے۔

چنانچہ آپ اپنے اصحاب سے اُن تمام سیاسی، جنگی، مالی، ا
مصالح میں مشورہ کرتے تھے جن کی کوئی نص کتاب اللہ میں موجود نہ
اس کی تفسیر میں نے اُس بحث میں بیان کر دی ہے جس میں دکھا
شوریٰ کو امت کے اجتہاد پر چھوڑ دینے میں کیا حکمت ہے (دیکھو تہ
۴ صفحہ ۱۹۹)

اور خدا نے فرمایا۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	اے وہ جو ایمان لائے ہوئے اطا
اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى	کی اور اطاعت کرو رسول کی اور
الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَـ... مْ فِىْ شَىْءٍ	میں اولوالامر ہیں۔ لیکن اگر

فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا (۴: ۵۸)	تمہاری نزاع ہو جائے تو اُس بات کو اللہ اور رسول کی طرف لے جاؤ اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ بہتر ہے اور نتیجہ کے لحاظ سے سب سے اچھا۔

اولوالامر، وہ اہلُ الحلّ والعقد اور مصالحِ امت میں ٹھیک رائے رکھنے والے لوگ ہیں جن پر امت بھروسہ کرتی اور جن کی تجویزوں پر چلتی ہے۔ اِس قول کی دلیل یہ ہے کہ اِس آیت کے بعد خدا فرماتا ہے:

وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ، وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ (۸۳)	جب اُن پر امن یا خوف کا کوئی معاملہ آتا ہے تو اُسے شہرت دیدیتے ہیں، حالانکہ اگر اسے رسول اور اپنے اولوالامر کے پاس لیجاتے تو وہ اُسے جان لیتے جو معاملات سمجھتے ہیں۔

پس اولوالامر وہ لوگ تھے جو رسولؐ کے ساتھ تھے، جن کے سامنے معاملات پیش کیے جاتے تھے عام اِس سے کہ امن سے متعلق ہوں یا جنگ سے یا کسی اور چیز سے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں سے نازک، اہم ایک معاملات میں مشورہ لیا کرتے تھے عام مسلمانوں سے بھی عام حالات میں مشورہ فرماتے اور اکثریت کی رائے پر چلتے اگرچہ خود آپ کی اپنی رائے کچھ ہی کیوں نہ ہو، جیسا کہ غزوۂ اُحد کے موقع پر آپ سے

مشورہ کیا کہ مدینہ ہی میں محصور ہو کر بیٹھیں یا جبلِ اُحُد تک جا کر مشرکی
سے مقابلہ کریں۔ خود آپ کی اور بعض اکابر امت کی رائے میں پہلی صو
بہتر تھی، لیکن اکثریت کی خواہش دوسری صورت کے ساتھ تھی آپ
اسی صورت پر عمل کیا۔ لیکن بدر کے قیدیوں کے معاملہ میں آپ نے خو
اولی الامر سے مشورہ کیا مگر عمل حضرت ابو بکر کی رائے پر کیا، جیسا کہ ہم
انفال کی تفسیر میں یہ تفصیل بیان کر چکے ہیں

میں نے پہلی آیت (۴ ۸۰ ۵) کی تفسیر میں بتایا ہے کہ اس سے ا
حکومت کے کتنے قواعد نکلتے ہیں اور یہ کہ وہ قواعد، موجودہ زمانہ کی پارلیم
نظام حکومت سے کہیں بہتر ہیں (دیکھو تفسیر جلد ۵ صفحہ ۱۸ — ۲۲۲
یہ بات کثرت دلائل سے ثابت ہے کہ اسلام میں عدالتی اور
قانون سازی کا حق، قوم ہی کو حاصل ہے جسے حدیث میں لفظ جماعہ
سے تعبیر کیا گیا ہے چنانچہ پچھلی دونوں آیتوں میں جو عام حکومت وسا
سے متعلق ہیں، نیز جملہ عام احکام میں قرآن نے مومنوں کی جماعت ہ
مخاطب کیا ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں

بَرَاءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔	اللہ اور اُس کے رسول کی طرف سے برا ہے اُن مشرکوں سے جن کے ساتھ تم ا کر چکے تھے۔

اِس کے بعد کی آیتوں میں بھی جو معاہدوں سے اور جنگ و صلح کے معاملات سے تعلق رکھتی ہیں اسی طرح کا خطاب موجود ہے۔ سورۂ آل عمران اور انفال میں بھی ایسی ہی آیتیں وارد ہیں۔ اور جیسا کہ فرمایا:

وَاِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَاَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا وَاِنْ بَغَتْ اِحْدَاهُمَا عَلَى الْاُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتّٰى تَفِيءَ اِلٰى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَاءَتْ فَاَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ (۴۹ : ۹)	اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو اُن کے درمیان صلح کرادو لیکن اگر ایک گروہ دوسرے پر سرکشی کرے تو سرکشی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ امرِ الٰہی کی طرف رجوع کرے تو دونوں میں انصاف کے ساتھ صلح کرادو، عدل کرو، اللہ عدل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

اسی طرح مالی احکام جیسے مالِ غنیمت، اُس کی تقسیم، اور عورتوں کے معاملات میں بھی جماعت ہی کو مخاطب کیا ہے۔ ان سب مسئلوں کو ہم اپنی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں۔

بعض اصولی علماء کبار نے تصریح کی ہے کہ اسلام میں پورا اختیار امت ہی کو حاصل ہے۔ اِس اختیار کو کام میں لانے والے، امت کے اہل الحل والعقد ہیں جو خلفاء و ائمہ کو قائم کرتے اور مصلحت کے وقت اُنہیں معزول کرسکتے ہیں۔ امام رازی نے خلافت کی تعریف میں کہا ہے "خلافت، دین اور

دنیا میں چند اشخاص میں سے ایک شخص کی عام سرداری ہے،، اور اس قید سے غرض یہ ہے کہ اگر امام یا خلیفہ کو اُس کے فسق کی وجہ سے معزول کر دیا جائے تو سرداری اُن چند اشخاص میں واپس جائے جن کا اس قید میں ذکر کیا گیا ہے۔ علامہ سعد تفتازانی نے اِس تعریف کے موقع پر "شرح المقاصد" میں لکھا ہے کہ امام رازی کا مقصود، امت کے اہل الحل والعقد ہیں جن کی سرداری، سب لوگوں پر قائم ہے۔ قومی اختیار کے مسئلہ کی تفصیل ہم اپنی کتاب "الخلافۃ او الامامۃ العظمیٰ" میں کر چکے ہیں۔

اسلامی حکمرانی کا یہ مبادی اصول، انسانوں کی سب سے بڑی سیاسی، مصلحت ہے۔ اسلام نے یہ اصول اُس زمانے میں مقرر کیا جب تمام قومیں، مستبد حکومتوں کے بحر میں گرفتار تھیں اور اپنے دینی اور دنیاوی معاملات میں معدوم ہی ہوئی تھیں۔ اس اصول کو سب سے پہلے نافذ کرنے والے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ چنانچہ قوم کے عام سیاسی اور انتظامی معاملات میں اُن لوگوں کے مشورے بغیر کوئی کام نہیں کرتے تھے جنہیں قوم میں عزت حاصل تھی، اور یہ اِس لیے کہ آنے والی نسلوں کے لیے یہ عمل، نمونہ بن جائے۔

آپ کے بعد خلفاء راشدین کا بھی یہی مسلک تھا۔ خلیفۂ اول ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی بیعت کے بعد ہی منبر رسولؐ پر سے

جو خطبہ دیا، وہ ان لفظوں سے شروع ہوتا ہے "میرے سپرد تمہارے معاملات کیے گیے ہیں، حالانکہ میں تم میں سب سے بہتر آدمی نہیں ہوں اگر راہ راست پر رہوں تو میری مدد کرنا۔ کج روی اختیار کروں تو مجھے ٹھیک راستہ پر لگا دینا!" پھر خلیفۂ دوم، عمر بن الخطاب نے بھی یہی کہا "تم میں سے جو شخص مجھ میں کجی دیکھے، مجھے سیدھا کر دے"، یہ سن کر ایک بدوی چلا اٹھا "اگر ہم تجھ میں کجی دیکھیں گے تو اپنی تلوار سے تیرے سارے کس نکال دیں گے" خلیفہ نے یہ سنا تو کہا "خدا کا شکر کہ اس نے مسلمانوں میں ایسے لوگ پیدا کر دیے ہیں جو عمر کے کس اپنی تلوار سے نکال سکتے ہیں!" آپ کا دستور تھا کہ صحابہ میں سے عالموں اور دانشمندوں کو جمع کرتے اور ان تمام معاملات میں مشورہ کرتے جن کی نص نہ کتاب اللہ میں ہوتی نہ رسول اللہ کی سنت میں اُن کی کوئی دلیل موجود ہوتی تھی۔ خلیفۂ سوم عثمان رضی اللہ عنہ نے بیعت کے بعد فرمایا تھا "آئیندہ فیصلہ تمہارے فیصلہ کے ماتحت ہے"۔ خلیفۂ چہارم، علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا بھی عمل اسی طریقہ پر تھا اگرچہ اُن کا اس طرح کا کوئی مختصر جملہ مجھے اس وقت یاد نہیں۔

* اگر خدا نے خود اپنے رسول پر مشورہ کرنے کو واجب قرار دے دیا ہے تو دوسرے لوگوں پر یہ اور بھی زیادہ واجب ہے۔ کسی طرح روا نہیں کہ اسلام کا نظام حکومت، عربی ملکۂ سبا کی حکومت سے کم درجہ پر جو شورے

سے بعد کے اکثر مسلمان ساہل ہیں۔ بجز اُنہوں نے اپنے ہاں کی حکومتیں، اسلام کے لائے ہوئے اِس اصول پر قائم کیں کہ اختیارات کا سرچشمہ خود امت ہی ہے، مگر دعویٰ یہی کیا کہ اِس طرح حکومت کے موجد وہ خود ہیں اور اسلامی حکومتوں پر اُن کے استبداد کی وجہ سے لعن طعن شروع کر دی۔ اِسی قدر نہیں بلکہ خود اسلام کو بھی بدنام کرنے لگے کہ وہ استبداد اور شخصی حکومت کا حامی ہے۔ بے علمی کی وجہ سے مسلمانوں نے ان لوگوں کی تصدیق کی اور طے کر دیا کہ اسلامی حکومتوں کی اصلاح اِسی طرح ہو سکتی ہے کہ یورپ والوں کی تقلید کی جائے۔ اِس صورت حال کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کی سب سے بڑی سیاسی اور قانونی خصوصیت ضائع اور اُس کی اکثر سلطنتیں برباد ہو گئیں۔

اسلامی قانون سازی کے اصول

اہل سنت کے ہاں قانون سازی کے اصول چار ہیں۔

۱۔ قرآن مجید۔ علماء اصول کہتے ہیں کہ دینی، قانونی، سیاسی عملی احکام کی آیتیں، قرآن کی تمام آیتوں کا دسواں حصہ ہیں۔ بعضوں نے اُنہیں گنا بھی ہے اور کہا ہے کہ عبادات و معاملات کی پانچ سو آیتیں ہیں۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی غرض صریح آیات سے ہے۔ بے شک قرآن کا بیشتر حصہ، دینی معاملات سے متعلق ہے، کیونکہ اکثر دنیاوی معاملات لوگوں کے دستور اور اجتہاد

کتاب اللہ میں موجود نہ ہو؟" میں نے عرض کیا، تو سنت رسول اللہ کے موجب عمل کروں گا۔ فرمایا "اگر سنت رسول اللہ میں بھی نہ ہو" میں نے کہا تو پھر اپنے اجتہاد سے کام لوں گا اور کوئی کوتاہی نہیں کروں گا۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری چھاتی ٹھونکی اور فرمایا "خدا کا شکر جس نے رسول اللہ کے قاصد کو اُس بات کی توفیق بخشی جس میں رسول اللہ کی خوشنودی ہے"۔ (ابو داؤد و ترمذی) اسی ترتیب پر خلفاء راشدین کے زمانہ میں عمل ہوتا رہا سب کو معلوم ہے۔ ہم اس کی تفصیل کسی اور جگہ کر چکے ہیں اسی بات کا حکم حضرت عمر نے قاضی شریح کو اپنے مشہور خط میں دیا تھا۔ لیکن فقہاء نے اجماع کو، حتیٰ کہ علماء اصول کے عرفی اجماع کو نص پر مقدم رکھا ہے، اور اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔

حکام کے حق میں اجتہاد کا مشروع ہونا اس حدیث سے نکلتا ہے "جب حاکم کے سامنے معاملہ پیش ہوتا ہے اور وہ اجتہاد سے فیصلہ کرتا ہے، تو اگر فیصلہ ٹھیک ہوتا ہے تو حاکم کو دو ثواب ملتے ہیں۔ اگر غلط ہوتا ہے تو ایک ثواب ملتا ہے"، تمام کتب حدیث میں یہ حدیث موجود ہے۔

خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سپہ سالاروں کو آزادی دے دیا کرتے تھے کہ مصلحت کے موجب کام کیا کریں، چنانچہ اُن سے فرماتے تھے "جب تم کسی قلعہ کا محاصرہ کرنا اور دشمن تم سے کہے کہ فیصلہ الٰہی کے سامنے

وہ ہتھیار رکھ دینے پر آمادہ ہے تو تم یہ بات منظور کر لو کہ اُسے مجبور کر کے تمہارے فیصلے کے سامنے ہتھیار رکھے، کیونکہ تم نہیں جانتے کہ فیصلۂ الٰہی کے موجب اُس سے برتاؤ کر سکو گے یا نہیں" (رواہ احمد و مسلم و ترمذی و ابن ماجہ)

نصوص سے قواعد اجتہاد

کتاب و سنت میں کچھ احکام، اعمال و واقعات کے ساتھ خاص ہیں اور کچھ قانون سازی کے عام اصول ہیں۔ خاص احکام میں سے کچھ روایت و دلالت کے لحاظ سے قطعی ہیں جن میں نہ اجتہاد کی گنجائش ہے نہ اُن سے گریز کیا جا سکتا ہے الّا یہ کہ کوئی شرعی مانع پیش آ جائے، جیسے شبہ کے موجود ہو جانے سے حد نہ جاری کی جا سکنا یا ضرورت و مجبوری کا عذر پیش کر دینا مثلاً حضرت عمرؓ نے قحط کے زمانہ میں چور کا ہاتھ کاٹنے سے منع کر دیا تھا۔ اور ان میں کچھ احکام غیر قطعی ہیں۔ ان میں حاکموں، قاضیوں، اور سپہ سالاروں کے اجتہاد پر عمل کیا جائے گا، جیسا کہ عبادات و محرّمات کے بارے میں بیان ہو چکا۔

رہ گئے عام اصول و قواعد تو مختلف احکام میں اُن کی رعایت ضروری ہے۔ ان میں سب سے اہم اصول یہ ہیں کہ ہمیشہ ہر حال میں عدل و حق کو تلاش کیا جائے، حقوق، شہادت، احکام میں مساوات برتی جائے، مصلحتیں قائم کی جائیں۔ مفاسد دور کیے جائیں، عرف عام کا لحاظ رکھا جائے۔ شبہات کی

موجودگی میں حدیں نہ جاری کی جائیں۔ ضرورات کی بنا پر ممنوعات کو مباح سمجھا جائے۔ ضرورت کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کیا جائے۔ معاملات کی بنیاد اِس قاعدے پر رکھی جائے کہ نیکیاں حاصل ہوں اور برائیاں دور کی جائیں

عدل وظلم کے بارے میں چند مثالیں پیش کرنے پر ہم اکتفا کرتے ہیں۔

(عدل اور اُس میں مساوات کے وجوب اور ظلم کے ممنوع ہونے پر نصوص قرآنی)

چونکہ عدل ہی احکام کی بنیاد اور قانون سازی کی ترازو ہے، اِس لیے اللہ تعالیٰ نے مکی اور مدنی سب سورتوں میں اُس کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ (۱۶ ۹)	خدا عدل اور نیکی کا حکم دیتا ہے۔

اور فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ (۴ ۵۷)	خدا تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اُن کے مالکوں کے حوالے کر دو اور جب لوگوں کے مابین فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ کرو۔

اور فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ	اے ایمان والو، عدل کے قائم کرنے والے بنو، اللہ کے لیے گواہی دو اگرچہ خود تمہارے اپنے

أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَن تَعْدِلُوا وَإِن تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا (۴ : ۱۳۵)	یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں ہی کے خلاف کیوں نہ پڑے۔ اگر کوئی مالدار یا غریب ہے تو اللہ اُن کا تم سے زیادہ خیرخواہ ہے۔ لہٰذا اپنی خواہش کی پیروی کرکے انصاف سے نہ ہٹو اور اگر گول مول باتیں کرو گے تو جو کچھ کرتے ہو، خدا اُس سے خوب واقف ہے۔

اس آیت میں خدا نے مومنوں کو حکم دیا ہے کہ عدل کرنے میں مبالغہ سے کام لیں، اور یہ کہ مقدموں میں اُن کی شہادتیں محض اللہ عزوجل ہی کے لیے ہوں نہ کہ اپنی ذاتی خواہش یا کسی کی مصلحت کے لیے، اگرچہ شہادتیں خود اپنی ذات ہی کے خلاف یا اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں ہی کے خلاف کیوں نہ پڑیں، اور یہ کہ شہادت میں نہ امیر کی امارت سے مرعوب ہوں نہ فقیر کے فقر پر ترس کھائیں مگر سچی بات ہی کہہ دیا کریں، اور جو کوئی ایسا نہ کرے، تو خدا نے اُسے سزا دینے کی دھمکی دی ہے۔

اور فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا	اے ایمان والو کھڑے ہو جاؤ اللہ کے لیے پر انصاف کے ساتھ گواہی دینے کے لیے کسی کی دشمنی تمہیں انصاف سے نہ روکنے پائے۔

تَعْدِلُوا اِعْدِلُوا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (۵ : ۸)	انصاف کیا کرو کہ یہی تقویٰ سے قریب تر ہے۔ اللہ سے ڈرتے رہو، اللہ تمھارے اعمال سے باخبر ہے۔

یہ آیت اگلی آیت کو پورا کرنے والی ہے۔ اُس میں حکم دیا گیا تھا کہ عدل و شہادت کے معاملہ میں پوری پوری مساوات سے کام لیا جاہیے عام اس سے کہ خود اپنی ذات کا معاملہ ہو یا غیر کا۔ قریب والوں کا ہو یا دور والوں کا امیر کا ہو یا غریب کا اور اس آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ آدمی کو چاہیے اِن دونوں چیزوں میں اپنے آپ کو اپنے دشمنوں سے بھی مساوی رکھے۔ عداوت کا کوئی سبب بھی ہو، دینی یا دنیاوی، اس کی وجہ سے انصاف کرنے اور سچی شہادت دینے میں کوتاہی نہ کرے، کیونکہ انصاف میں مساوات ہی تقویٰ الہی سے قریب ہے۔ پہلی آیت میں جس طرح کسی کی طرفداری کرنے پر وعید فرمائی تھی، اُسی طرح اِس آیت میں اُن لوگوں کو ڈرایا ہے جو کسی کی دشمنی کی وجہ سے عدل و انصاف کو چھوڑ دیتے ہیں۔ دونوں قسم کے لوگوں کو بتا دیا ہے کہ یاد رکھو، خدا کو ہر بات کی خبر ہے۔ اُس سے کوئی بات بھی چھپی نہیں ہے۔ وہ ہر آدمی سے اُس کے عمل، نیت، ارادہ کا حساب لے گا اور اپنے علم کے مطابق اُسے ثواب یا سزا دیگا۔

آیت ذیل میں "میزان" سے مقصود، عدل و انصاف ہی ہے

اَللّٰہُ الَّذِیْ اَنْزَلَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ (۴۲ : ۱)	وہ اللہ ہی ہے جس حق کے ساتھ کتاب (قرآن) اور میزان (انصاف) اُتارا۔

اور فرمایا

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَھُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْہِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ (۵۷ : ۲۵)	ہم نے اپنے رسول کھلی نشانیوں کے ساتھ بھیجے اور کتاب و میزان اُن کے ساتھ اُتاری تاکہ لوگ انصاف کو قائم کریں اور لوہا اُتارا جس میں شدید ہیبت ہے اور لوگوں کے لیے فوائد۔

پس سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو قرآن کی ہدایت کے ذریعہ ظلم وجور سے باز رہتے ہیں۔ اِن کے بعد اُن لوگوں کا درجہ ہے جنہیں حکومت کا انصاف اس چیز سے روکتا ہے اور سب سے بدتر وہ لوگ ہیں جن کا علاج لوہے اور تلوار کے سوا کچھ نہیں اس آیت میں "حدید" سے مراد یہی ہے۔

دنیا کی اصلاح کا دارومدار اسی پر ہے کہ لوگ کتاب اللہ پر ایمان لائیں جس نے ظلم اور تمام برائیوں کو حرام قرار دے دیا ہے۔ اس طرح مومن، دنیا و آخرت میں عذاب الٰہی کے خوف اور ثواب کی اُمید پر ظلم سے دور رہیں، اور یا پھر یہ کہ انسان پر ایمان ہو جو حکومت کے ہاتھوں سزا کا خوف دلا کر لوگوں کو ظلم سے باز رکھتا ہے۔

عدل قائم کرنے کے اِس اصول کی تائید اُن آیتوں سے بھی ہوتی ہے جو ظلم کی تحریم اور اُس پر سخت وعید کے بیان میں نازل ہوئی ہیں۔ قرآن کی صدہا آیتوں میں ظلم کا ذکر نہایت سخت مذمت کے ساتھ آیا ہے۔ اور بعض آیتوں میں ظلم کے بدترین دنیاوی و اخروی نتائج بھی بیان کیے گئے ہیں، اور بتا دیا گیا ہے کہ ظلم کی سزا، کہیں دور سے نہیں آتی بلکہ لازمی نتیجہ کے طور پر ظلم کے ساتھ ہی ہوتی ہے، اور یہ کہ خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا، لیکن خود لوگ ہی اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا، اور یہ کہ ظلم کا نتیجہ اِس دنیا میں بھی یہ ہوتا ہے کہ قومیں برباد اور تہذیبیں تباہ ہو جاتی ہیں۔ فرمایا:

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ۔	خدا قوموں کو اُن پر ظلم کرکے (یا اُن کے شرک کی وجہ سے) تباہ نہیں کرتا حالانکہ وہ اپنی روش میں اصلاح پسند ہوتی ہیں

اسی طرح فرمایا:

وَتِلْكَ الْقُرَىٰ أَهْلَكْنَاهُمْ لَمَّا ظَلَمُوا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَوْعِدًا۔	اِن آبادیوں کو ہم نے برباد کر ڈالا جب اُنھوں نے ظلم کیا اور اُن کی بربادی کا ہم نے وقت مقرر کر رکھا تھا۔

اور حکم قصاص کے سلسلہ میں فرمایا

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔	اور اس کی اتاری ہوئی شریعت کے مطابق جو لوگ فیصلہ نہیں کرتے تو وہ تو ظالم ہیں۔

(احکام و معاملات میں نیکی کا لحاظ ضروری ہے)

کتاب و سنت میں جتنے بھی احکام ہیں، شخصی ہوں، یا شہری و سیاسی یا جنگی، اُن سے غرض یہی ہے کہ نیکی کو قائم رکھا جائے۔ حق، انصاف، پاسِ عہد، رحم، محبت، ہمدردی، بھلائی، احسان کو کام میں لایا جائے۔ ظلم، بدعہدی، بے وفائی، جھوٹ، خیانت، سنگ دلی، دغابازی، فریب اور حرام طریقوں سے لوگوں کا مال کھانا، جیسے سود خواری، رشوت ستانی، دل بردگی، اور لوٹ کھسوٹ وغیرہ معائب سے بچا جائے۔

جنگی معاملات میں اصلاح پر گفتگو بعد میں کی جائے گی۔

ان تمام اصول و قواعد میں، جن کی بنا پر اسلام تمام پیغمبروں کی شریعتوں اور تمام علماء و حکماء کے ضابطوں سے بلند ہو گیا ہے، یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ یہ حیرت انگیز اصول و قواعد، ایک اَن پڑھ پیغمبر کی زبان سے بیان ہوئے ہیں جس نے اَن پڑھ لوگوں ہی میں پرورش پائی تھی۔ اب قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ اُس پیغمبر نے بڑھاپے میں اپنے دل سے ایجاد کیا تھا یا یہ پروردگار کی طرف سے اُس پر وحی تھی، جیسا کہ اُس نے ہمیں خبر دی ہے؟

قرآن کا ساتواں مقصد

مالی اصلاح کی طرف رہنمائی

تمہید ـــــــ ہم بیان کر چکے ہیں کہ قرآن نے دین و ایمان، عمل و عقیدے، عقل و دین، ذہن و ضمیر، اور عادل حکمرانی کے بارے میں کیا کیا اصلاحیں کی ہیں، عام اس سے کہ افراد سے متعلق ہوں یا جماعتوں سے متعلق، یا قوموں سے متعلق۔ مگر ابھی ایک چیز باقی ہے، اور وہ نہایت خطرناک اجتماعی مفاسد کی اصلاح ہے جو مذکورۂ بالا اصلاحوں کے بعد ہی کمال کو پہنچ سکتی ہے۔ وہ اجتماعی مفاسد حسب ذیل ہیں:

۱۔ دولت و تونگری کی سرکشی۔
۲۔ جنگ کی زیادتی و بے رحمی۔
۳۔ عورت پر ظلم اور بے قید سختی۔
۴۔ کمزوروں اور قیدیوں پر ظلم اور اُن کی آزادی پر دست درازی یعنی غلامی۔

دنیا کی تمام مسرتوں اور راحتوں کا دار و مدار انہی مفاسد کی اصلاح پر ہے اور یہ اصلاح ممکن نہیں، جب تک دین و عقل، علم و حکمت، اور اقتدار و حکومت، یہ سب مل کر باہم تعاون نہ کریں۔ ہم ان معاملات پر

ذیل میں گفتگو کرتے ہیں

۱۔ مال، فتنہ و آزمائش ہے

مال کے بارے میں قرآن کا بنیادی اصول یہ ہے کہ وہ فتنہ ہے، یعنی انسان کی دنیاوی زندگی میں اُس کے لیے آزمائش ہے، اور یہ اس لیے کہ اچھائی اور برائی نیکی و بدی خیر و شر دونوں کا ذریعہ ہے اُسی کے کمانے اور خرچ کرنے میں لوگ باہم رشک کرتے ہیں وہی دولتمندوں میں گردش کرتا اور اُن کی بڑائی کا سبب بنتا ہے۔ تمام مصالح و منافع کا بھی دارومدار اُسی پر ہے۔

اس بارے میں خدا فرماتا ہے

لَتُبْلَوُنَّ فِیْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ (۳: ۱۸۶)	تمہارے مال اور جان میں تمہاری آزمائش کی جائے گی

اور سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا کا تخت شاہی جب اپنے سامنے ٹھہرا ہوا دیکھا تو کہا

هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ لِیَبْلُوَنِیْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا یَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّیْ غَنِیٌّ كَرِیْمٌ (۲۷: ۴۰)	یہ میرے پروردگار کا فضل ہے تاکہ میری آزمائش کرے کہ میں شکر ادا کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں اور جو شکر کرے تو اپنے ہی لیے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو میرا پروردگار بے نیاز اور کریم ہے۔

اور فرمایا

وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ
بِالَّتِي تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفَىٰ إِلَّا مَنْ آمَنَ
وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ جَزَاءُ الضِّعْفِ
بِمَا عَمِلُوا وَهُمْ فِي الْغُرُفَاتِ آمِنُونَ
(۳۴ ۳۷)

تمھاری دولت نہ تمھاری اولاد ہمارے حضور میں
مقرب کرتی ہے، مگر ہاں جو ایمان لاتے اور عمل
صالح انجام دیتے ہیں تو اُن کے لیے نیکوکاری کا
دوہرا صلہ ہے اور وہ جنت کے بالاخانوں میں
چین سے رہیں گے

اور فرمایا

وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ رِبًا لِيَرْبُوَ
فِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُو عِنْدَ اللَّهِ
وَمَا آتَيْتُمْ مِنْ زَكَاةٍ تُرِيدُونَ
وَجْهَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ (۳۰ ۳۹)

اور جو روپیہ تم بیاج پر دیتے ہو کہ لوگوں کے
مال میں بڑھے، تو وہ روپیہ خدا کے ہاں نہیں بڑھتا
لیکن ہاں، جو کچھ تم پاک دل سے بوجہ اللہ دیتے
ہو تو ایسا کرنے والوں ہی کو دونا اجر ملے گا۔

اور فرمایا

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ
مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ
مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ
وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَٰلِكَ مَتَاعُ
الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَآبِ (۳ ۱۴)

رجھا دیا گیا ہے لوگوں کو مرغوبات کی محبت یعنی عورتیں
بیٹے، سونے چاندی کے ڈھیر پالو گھوڑے،
مویشی، اور کھیتی، یہ ہے دنیا کی زندگی کا لطف
مگر اللہ کے پاس ہی اچھا ٹھکانا ہے۔

اور فرمایا

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا اَمْوَالُكُمْ	جان لو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد
وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ	آزمائش ہی ہے، اور اللہ کے پاس بڑا
اَجْرٌ عَظِيْمٌ (۸ : ۲۸)	ثواب ہے۔

سورۂ تغابن میں بھی اسی طرح فرمایا ہے۔ اس کے بعد خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے اور بھلائی اس بات پر موقوف بتائی ہے کہ کنجوسی نہ کی جائے۔ فرمایا۔

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ	مال اور بیٹے، دنیا کی زندگی کی رونق ہیں، اور
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ	باقی رہنے والی نیکیاں تیرے پروردگار کے ہاں
خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا (۱۸ : ۴۶)	بہتر ثواب اور بہتر توقع کا ذریعہ ہیں۔

اس آیت پر سورۂ کہف کی ابتدائی آیتوں کے ساتھ غور کرو۔

فرمایا

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ	جو کچھ زمین پر ہے ہم نے اُسے زمین کی رونق
زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ	بنادیا ہے تاکہ انسانوں کی آزمائش کریں کہ اُن
اَحْسَنُ عَمَلًا (۷)	میں کون زیادہ اچھے عمل والا ہے

یہاں عمل سے مراد یہ ہے کہ زمین کو آباد کیا جائے، اور یہ کہ سب سے اچھا عمل وہ ہے جو لوگوں کے لیے سب سے زیادہ مفید اور شکرگزاری کے

لحاظ سے خدا کو سب سے زیادہ پسند ہے۔

مال غنیمت کو اس کے مستحقوں میں تقسیم کر دینے کی حکمت یہ بیان فرمائی ہے

كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ۔	تاکہ مال تمہارے دولتمندوں ہی میں گردش نہ کرتا رہے۔

اور فرمایا

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (۳۴،۹)	جو لوگ سونے چاندی کے خزانے جمع کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں سخت عذاب کی بشارت سنا دو۔

مال کے خرچ ہونے کے بارے میں بکثرت آیات وارد ہوئی ہیں جن پر ہم نے اپنی تفسیر میں جا بجا گفتگو کی ہے۔

چنانچہ کئی آیتوں میں فرمایا گیا ہے کہ کامیابی و سرفرازی، مال خرچ کرنے سے وابستہ ہے اور بدبختی، کنجوسی کے ساتھ آتی ہے۔ ذیل کی آیت میں ترغیب و ترہیب دونوں کو جمع کر دیا ہے

وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (۲،۱۹۵)	اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو نیکی کرو، خدا نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

یعنی اللہ کی راہ میں مال نہ خرچ کرنا، ہلاکت کا ایک سبب ہے۔

اور سورۂ لیل میں فرمایا

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی ، وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی وَکَذَّبَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی وَمَا یُغْنِیْ عَنْهُ مَالُهٗ اِذَا تَرَدّٰی۔

(۱۱ تا ۵ ۹۲)

جس نے مال دیا اور ڈر رکھا اور بھلی بات کو سچ مانا اُسے ہم سہج سہج آسانی میں پہنچا دیں گے، اور جس نے نہ دیا اور بے پروا رہا اور جھوٹ جانا بھلی بات کو تو اُسے ہم سہج سہج سختی میں پہنچا دیں گے اور جب وہ گڑھے میں گرے گا، اُس کا مال کام نہ آئے گا۔

یہ آیات تفصیل ہیں اِنَّ سَعْیَکُمْ لَشَتّٰی (تمہاری کوشش مختلف ہے) کی جس کا اجمال و اختصار کے ساتھ مطلب یہ ہے کہ مال کے کمانے اور خرچ کرنے میں تمہاری کوششیں، آغاز و انجام، طریقہ و نتیجہ کے لحاظ سے مختلف ہیں لیکن جو شخص اپنے ذمہ واجب شخصی اور قومی حقوق ادا کرتا ہے، اُن انفرادی و اجتماعی نقصانوں سے بچتا ہے جو ان حقوق کے نہ ادا کرنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ تو خدا یہ کرتا ہے کہ اعمال میں نفسی صفات کے اثر اور خاص و عام معاملات میں اعمال کے اثر سے متعلق اپنی مقررہ سنتوں کے موجب ایسے شخص کے لیے بھلائی اور خوبی کا راستہ آسان کر دیتا ہے، چنانچہ وہ شخص خود بھی نفع اٹھاتا ہے۔ لوگ بھی اُس سے خوش ہوتے ہیں، اور خدا بھی راضی ہو جاتا ہے، لیکن جو

کوئی اِن حقوق کے ادا کرنے میں بخل برتتا ہے، اور اپنے مال کے گھمنڈ پر لوگوں کی تعریف و محبت سے اور اللہ کی رضامندی و ثواب سے بے نیاز بن جاتا ہے اور ثواب سے متعلق وعدۂ الٰہی کی تکذیب کرتا ہے، زبان سے نہ سہی، عمل سے سہی، تو خدا اپنی مذکورۂ بالا سنتوں کے مطابق اُس کے لیے سب سے زیادہ مشکل راستہ آسان کر دیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سب لوگ اُس سے بیزار ہو جاتے ہیں۔ اُس کے دشمن بن جاتے ہیں۔ خدا بھی اُس سے ناخوش ہوتا ہے اور دارین میں اُسے بدترین بدلہ ملتا ہے۔

اِس حقیقت کی تائید دعوہ ۲ کی آیات سے ہوتی ہے اور وہ حسب ذیل ہیں

۲ــــــ دولت کی سرکشی و غرور

سورۂ علق میں خدا فرماتا ہے:

کَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰۤی اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰی۔	جب آدمی اپنے آپ کو مالدار دیکھتا ہے تو سرکشی پر اُتر آتا ہے۔

یہ آیت اور اس کے بعد کی آیتیں، ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کا سب سے بڑا دشمن تھا، اور یہ اِس بارے میں اوّلیں آیتیں ہیں۔ اِسی طرح یہ سورۃ ہے

تَبَّتْ یَدَاۤ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ	ابولہب کے ہاتھ ٹوٹیں اور وہ برباد ہو جائے۔

مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ ۝ سَيَصْلَىٰ نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝ وَامْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝ فِي جِيدِهَا حَبْلٌ مِّن مَّسَدٍ ۝

اُس کے کام نہ اُس کا مال آیا نہ کمائی عنقریب شعلہ زن آگ میں داخل ہوگا اور اُس کی بیوی بھی جو لکڑیاں اٹھا کر لاتی ہے۔ (یعنی چغل خور اور فتنہ پرداز ہے) اس کی گردن میں بٹی ہوئی رسی ہوگی۔

اسی طرح سورۂ ہمزہ میں ہے

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۝ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ ۝ يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ ۝ كَلَّا لَيُنبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝ نَارُ اللَّهِ الْمُوقَدَةُ ۝ الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ ۝ إِنَّهَا عَلَيْهِم مُّؤْصَدَةٌ ۝ فِي عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝

ہلاکت ہے ہر غیبت کرنے والے طعنہ زن کے لیے جو مال جمع کرتا اور اُسے بار بار گنتا ہے۔ سمجھتا ہے کہ اُس کا مال سدا اُس کے پاس رہیگا ہرگز نہیں یہ شخص عنقریب ہر باد کن آگ میں جھونک دیا جائے گا اور کیا تم جانتے ہو وہ آگ کیا ہے؟ وہ اللہ کی آگ ہے جو بھڑکائی گئی ہے جو دلوں تک پہنچ جائے گی وہ بند ہو کر ان پر گھیر دیجائیگی لمبے لمبے ستونوں میں۔

یہ سورۃ، ولید اور اُمیہ بن خلف کے حق میں نازل ہوئی تھی۔

اسی طرح یہ آیت ہے

ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا، وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَّمْدُودًا، وَبَنِينَ شُهُودًا، وَمَهَّدتُّ لَهُ تَمْهِيدًا، ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ، كَلَّا إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا، سَأُرْهِقُهُ صَعُودًا

(۷۴ / ۱۱ تا ۱۷)

چھوڑ دو مجھے اور اُسے اکیلا جسے میں نے پیدا کیا اور دیا مال بہت سا اور حاضر باش بیٹے، اور ہمواری کر دی اُس کے لیے پوری ہمواری، اس پر بھی لالچ رکھتا ہے کہ اور زیادہ دوں گا ہرگز نہیں وہ ہماری آیتوں کا کٹر مخالف ہے۔ عنقریب اُسے چڑھاؤں گا بڑی چڑھائی!

یہ آیات، ولید بن مغیرہ کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔

اسی طرح سورۂ نون میں فرمایا:

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ، هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ، مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ، عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ، أَن كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ، إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ۔

(۶۸ / ۱۰ تا ۱۵)

نہ کہا مان کسی قسمیں کھانے والے کا جو بے قدر ہے طعنے دیتا ہے چغلی لیے پھرتا ہے نیکی سے روکتا ہے زیادتی کرتا ہے گنہگار ہے اور اس سب کے بعد بدنام ہے، اور یہ سب بدیاں اس لیے کہ مال اور بیٹے رکھتا ہے جب ہماری باتیں اُسے سنائی جاتی ہیں، تو کہتا ہے یہ اگلوں کی کہانیاں ہیں۔

یہ لوگ، سرداران قریش میں سب سے زیادہ مالدار تھے۔

انھوں نے ہی صلی اللہ علیہ وسلم سے سیر یا مدعا تھا اور محض اپنی دولتمندی کی وجہ سے منکر ہو کر آپ کے ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ انہی کی نسبت خدا نے فرمایا ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ (۸ ۔ ۳۶)	کافر لوگ اپنا مال اس لیے خرچ کرتے ہیں کہ اللہ کی راہ سے مخلوق کو باز رکھیں۔ سو ابھی اور خرچ کریں پھر اُن کا یہ مال اُن کے حق میں پچھتاوا بن جائے گا اور آخرکار مغلوب ہو کر رہ جائیں گے۔

پر انہی کے حق میں اور انبیاء کی قوموں کے ایسے ہی لوگوں کے حق میں فرمایا ہے

وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ۔	وہ کہنے لگے ہمارے پاس سب سے زیادہ مال و اولاد ہے اور ہمیں ہرگز عذاب میں نہیں مبتلا کیا جائے گا۔

اس سلسلہ میں عام انسانی فطرت کے بارے میں فرمایا ہے

وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ (۴ ۔ ۱۲۸)	انسان حریص واقع ہوا ہے۔

اور سورۂ معارج میں فرمایا

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ	انسان کم ہمت پیدا ہوا ہے جب اُسے تکلیف

هَلُوعًا، إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا، وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا، إِلَّا الْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ، وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ، لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ الخ (ع ۷۰ : ۱۹ تا ۲۵)

پہنچتی ہے تو بہت ڈرتا ہے جب فارغ البالی حاصل ہوتی ہے تو حقوق ادا کرنے سے بخل کرنے لگتا ہے، مگر نمازیوں کے جو اپنی نماز کے پابند ہیں اور جن کے مال میں سوالی اور بے سوالی سب کا حق ہے۔

اسی قسم کی آیتیں دیکھ کر زاہد لوگ، مال اور دنیا سے بیزار ہو کر غلو کا شکار ہو گئے ہیں، حالانکہ جو چیز مذموم ہے، وہ مال و دولت کی وجہ سے غرور و سرکشی اور حق سے دوری ہے، اسی لیے بعض آیتوں میں مال کے ساتھ اولاد کو بھی ذکر کیا ہے۔ اسی طرح کنجوسی اور ناجائز طریقوں سے لوگوں کا مال کھانے کی مذمت کی ہے، جس کے شواہد حسب ذیل ہیں

(۳۔ بخل، اور مال خرچ کرنے میں ریاکاری)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَهُمْ، سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

جو لوگ اللہ کے دیتے ہوئے فضل کو خرچ کرنے میں بخل کر رہے ہیں، ہرگز نہ سمجھیں کہ یہ بخل اُن کے حق میں اچھا ہے، بلکہ یہ بہت برا ہے قیامت کے دن اُسی چیز کے طوق میں گرفتار

(۳ ۱۸) | کیے جائیں گے جس کا عمل کر رہے ہیں۔

اور ترغیب دی ہے کہ اللہ کی راہ میں اپنا حلال مال خرچ کرو، اور اخلاص کے ساتھ خرچ کرو۔ نہ ریاکاری سے کام لو نہ احسان جتاؤ، چنانچہ فرمایا

اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ وَاللّٰهُ یَعِدُکُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ (۲ ۲۶۸) | شیطان تمہیں غربت سے ڈراتا اور بدکاری کا حکم دیتا ہے، لیکن اللہ تم سے اپنی مغفرت وفضل کا وعدہ کرتا ہے، اللہ واسع ہے اور بہت علم والا۔

اور والدین، قریبی رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، اور پڑوسیوں سے اچھے برتاؤ کا حکم دے کر فرمایا

وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ، الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ (۴ ۳۵) | خدا اکڑنے والوں اور فخر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا جو بخل کرتے اور لوگوں کو بخل کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

اور اُس شخص کے بارے میں ارشاد ہوا ہے جس نے خدا سے عہد کیا تھا کہ اگر اُسے اپنے فضل سے تونگر بنا دے گا تو اپنے مال میں سے ضرور خیرات کرے گا۔

فَلَمَّآ اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ | جب خدا نے اپنا فضل بخشا، تو بخل کرنے

بَخِلُوا بِهِ وَتَوَلَّوا وَهُم مُعرِضُونَ فَأَعقَبَهُم نِفَاقًا فِي قُلُوبِهِم إِلَىٰ يَومِ يَلقَونَهُ بِمَا أَخلَفُوا اللَّهَ مَا وَعَدُوهُ وَبِمَا كَانُوا يَكذِبُونَ (۹: ۷۷)

گئے اور اس کی راہ سے پھر گئے۔ اس پر خدا نے یہ سزا دی کہ ان کے دلوں میں قیامت تک کے لیے نفاق ڈال دیا، کیونکہ انہوں نے اللہ سے وعدہ خلافی کی اور جھوٹ بولا کرتے تھے۔

اور فرمایا

هَا أَنتُم هَٰؤُلَاءِ تُدعَونَ لِتُنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَمِنكُم مَن يَبخَلُ، وَمَن يَبخَل فَإِنَّمَا يَبخَلُ عَن نَفسِهِ، وَاللَّهُ الغَنِيُّ وَأَنتُمُ الفُقَرَاءُ، وَإِن تَتَوَلَّوا يَستَبدِل قَومًا غَيرَكُم، ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمثَالَكُم (۴۷: ۳۸)

تم وہ ہو کہ تمہیں دعوت دی جاتی ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ مگر تم میں ایسے بھی ہیں جو بخل کرتے ہیں، جو بخل کرتا ہے تو اپنے ہی حق میں بخل کرتا ہے۔ اللہ تونگر ہے اور تم لوگ فقیر ہو۔ اگر تم روگردانی کرو تو خدا تمہاری جگہ دوسری قوم کھڑی کر دے گا اور وہ تمہاری جیسی نہ ہوگی۔

یعنی اگر راہ خدا میں خرچ کرنے سے روگردانی کرو گے تو خدا تمہارا دور ختم کر کے تمہیں برباد کر ڈالے گا اور دوسرے لوگوں کو تمہاری جگہ کھڑا کر دے گا جو قوم کی عام مصلحتوں پر، ملک کی مدافعت پر، اور حق و انصاف قائم کرنے پر اپنا روپیہ خرچ کریں گے۔

اور فرمایا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ (۴ : ۲۹)

اے ایمان والو! اپنا مال آپس میں ناجائز طریقہ سے نہ کھاؤ الا یہ کہ باہمی رضامندی سے تجارت ہو۔

اور فرمایا

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ (۲ : ۱۸۸)

آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر نہ کھاؤ اور (جھوٹا مقدمہ بنا کر) حکام کے پاس نہ لے جاؤ کہ اس طرح جان بوجھ کر گناہ کی راہ سے لوگوں کا کچھ مال کھا جاؤ۔

اور یہودیوں کے حق میں فرمایا

فَبِظُلْمٍ مِنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيرًا، وَأَخْذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا (۴ : ۱۶۰، ۱۶۱)

یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے ہم نے ان پر وہ ستھری چیزیں حرام کر دیں جو حلال تھیں، اور اس وجہ سے کہ وہ اللہ کی راہ سے بہت روکتے تھے، اور سود کھاتے تھے، حالانکہ اس کی انہیں ممانعت تھی، اور ناجائز طریقہ پر لوگوں کا مال کھاتے تھے۔ ان میں سے کفر کرنے والوں کے لیے ہم نے سخت عذاب طیار کر رکھا ہے۔

اور فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ

(۳۵-۳۴: ۹)

اے ایمان والو، بہت سے عالم اور درویش ناجائز طریقہ پر لوگوں کا مال کھاتے اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں اُسے خرچ نہیں کرتے، اُنہیں دردناک عذاب کی بشارت سنا دو جب دوزخ کی آگ میں تپایا جائیگا یہ سونا چاندی اور داغے جائیں گے اُس سے ان کے ماتھے اور پہلو، اور پیٹھیں، پھر کہا جائیگا دیکھو یہ ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا۔ اب چکھو اپنے خزانوں کا مزہ۔

(۴) ــــ مال، اللہ کی لعنت ہے اور ایمان و عمل صالح کا معاوضہ

سورۂ نوح میں حضرت نوح علیہ السلام کا یہ قول نقل فرمایا ہے

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا وَيُمْدِدْكُم بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَل لَّكُمْ جَنَّاتٍ

میں نے اُن سے کہا کہ اپنے پروردگار سے گناہ بخشواؤ، وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ کثرت سے تم پر بارش بھیجے گا اور تمہارے مال و اولاد میں ترقی دیگا اور تمہارے لیے باغ لگادے گا

وَيَجْعَل لَّكُمْ اَنْهَارًا۔

اور نہریں جاری کر دے گا۔

اور سورۂ ہود میں ہود علیہ السلام کا قول نقل فرمایا ہے

وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ
ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ
مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ
وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ (۱۱ : ۵۲)

اے میری قوم والو گناہ بخشواؤ اپنے پروردگار
سے پھر اُس کی طرف رجوع کرو، وہ تم پر خوب
برسائے گا مینہ اور تمہاری قوت میں اور بھی
اضافہ کر دیگا۔ گناہگار بن کر اُس سے منہ نہ موڑو۔

اور آدم و حوا، اور اُن کی اولاد پر دینی ہدایت کے احسان کا ذکر کرکے سورۂ طٰہٰ میں فرمایا

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا
بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ
مِّنِّيْ هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ
فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى وَمَنْ اَعْرَضَ
عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً
ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
اَعْمٰى۔ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْ
اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا، قَالَ
كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا وَ

خدا نے فرمایا، اُترو چلے جاؤ یہاں سے اکٹھے
رہوگے ایک دوسرے کے دشمن لیکن جب
کبھی میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت
آئے تو میری ہدایت کی جو پیروی کرے گا وہ
نہ بہکے گا نہ تکلیف میں پڑے گا۔ اور جو میری
یاد سے روگردانی کرے گا اُس کی گذران تنگ
ہوگی اور ہم اُسے قیامت کے دن اندھا
اٹھائیں گے۔ وہ کہے گا اے میرے پروردگار تو نے
مجھے اندھا کیوں اٹھایا، میں بینا تھا۔ خدا

وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ۔ (۲ ۱۲۲تا۱۲۳)	فرمائے گا جس طرح ہماری نشانیاں تیرے پاس پہنچی تھیں، مگر تو اُنہیں بھول گیا تھا اُسی طرح آج ہم تجھے بھلا دیں گے ۔

اِس سے معلوم ہوا کہ دین کی ہدایت پر چلنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی دنیا کی بدبختی سے محفوظ رہتا اور کشادہ معیشت حاصل کرتا ہے، لیکن جو کوئی دین کی ہدایت سے اعراض کرتا ہے، اُس کی معیشت تنگ ہوجاتی ہے۔

اسی کے ہم معنی سورۂ جن میں ہے

وَاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰىٓ اٰمَنَّا بِهٖ فَمَنْ يُّؤْمِنْ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا (۲۷ ۱۳)	ہم نے جب ہدایت کی بات سنی تو اُس پر ایمان لے آئے جو کوئی اپنے پروردگار پر ایمان لاتا ہے، اُسے نہ کسی کمی کا اندیشہ ہوگا نہ کسی زیادتی کا ۔

یعنی ایسے آدمی کا کوئی حق تلف نہیں ہوتا اور نہ اُسے ذلت اٹھانا پڑتی ہے، کیونکہ ایمان کی عزت اُسے بچاتی اور محفوظ رکھتی ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

اور خاص دنیا کے بارے میں فرمایا :

وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى | اگر یہ لوگ ہدایت کے راستہ پر استوار ہوجاتے

الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّاءً غَدَقًا لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا۔ (۷۲ ۱۶، ۱۷)	توہم اُنہیں زراعت کے پانی سے سیراب کرتے تاکہ اس میں اُن کی آزمائش کریں اور جو شخص اپنے پروردگار کی یاد سے روگردانی کریگا تو خدا اُسے سخت عذاب میں داخل کرے گا۔

یہی حقیقت جس سے مفسروں نے غفلت کی ہے اُس آیت میں بھی بیان کی گئی ہے جس میں بت پرستوں کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے منع کیا ہے۔ فرمایا

وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖۤ اِنْ شَآءَ (۹ ۲۸)	اگر تم فقر سے ڈرتے ہو تو خدا چاہے گا تو اپنے فضل سے تمہیں خوشحال بنا دے گا۔

یعنی اگر تم اِس بات سے ڈرتے ہو کہ مشرکوں کے نہ آنے سے تم اپنی اُس آمدنی سے محروم ہو جائے گا جو موسم حج وغیرہ میں اُن سے حاصل ہوتی ہے، تو ڈرو نہیں، کیونکہ خدا تمہیں اسلام اور اُس کی غنیمتوں اور فتوحات سے مالامال کر دے گا۔

اسی طرح اُن لوگوں سے فرمایا جو بدر میں قید ہو کر آئے تھے اور اپنی آزادی کے لیے اُنہیں فدیہ دینا پڑا تھا

اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ	اگر خدا تمہارے دلوں میں نیکی جانے گا تو

وَّ يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّا اُخِذَ مِنْكُمْ (۸ : ۱)	تمہیں اُس سے بہتر دے دیگا جو تم سے چھین گیا ہے۔

اور ہوا بھی یہی۔ خدا نے فاقہ مست عربوں کو اسلام کی برکت سے تونگر کر دیا اور وہ دنیا کی سب سے زیادہ دولتمند قوم بن گئے (دیکھو تفسیر حل ۱)

خود اپنے نبی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اسی مال کا احسان جتایا ہے "وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَاَغْنٰی" اور ایک الگ سورۃ میں آپ کی قوم پر اسی خیر کا احسان جتایا ہے کہ خدا ہی نے اِن لوگوں کو جاڑے اور گرمی میں تجارتی سفر کی توفیق بخشی ہے۔ کثرتِ مال کو لفظ "خیر" سے موسوم کیا ہے "وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ" اور "اِنْ تَرَكَ خَيْرًا اَلْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ" خدا کے مومن و متقی و شکرگزار بندے، دنیاوی نعمتوں کے اُن لوگوں سے زیادہ مستحق ہیں جو کفرانِ نعمت اور فسق و ظلم سے آلودہ ہیں۔ اور یہ اِس لیے کہ مومن بندے ہی اِن نعمتوں کا پورا پورا شکر ادا کر سکتے ہیں، اور شکر یہی ہے کہ نعمت اُس حکمت کے موجب استعمال کی جائے جس کی بنا پر بخشی گئی ہے، یعنی بحق، انصاف، نیکی، احسان، اور دنیا کی آبادی کے لیے خرچ کی جائے۔ خدا بھی اِسی بات سے خوش ہوتا ہے اور اُس کا قانون یہ ہے کہ شکر، نعمت کو بڑھاتا اور بُرے استعمال کی صورت

میں ناشکری اُسے گھٹاتی ہے یوری نعمت کو اور اُس کے فوائد کو چھین لیتی ہے۔ چنانچہ فرمایا

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ (۱۴: ۷)	اور خدا نے اعلان کر دیا کہ اگر شکر ادا کرو گے تو تمہیں اور زیادہ دوں گا، اور اگر ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بہت سخت ہے۔

اور فرمایا

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (۸: ۵۳)	خدا کسی قوم پر اپنی دی ہوئی نعمت کو اُس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ قوم خود اپنی حالت کو بدل نہ ڈالے۔

زراعت، صناعت، تجارت وغیرہ اسباب رزق میں مومن و کافر سب شریک ہیں، کیونکہ یہ دنیاوی اسباب ہیں اور دین کے اختلاف سے اُن میں کمی بیشی نہیں ہوتی، جیسا کہ فرمایا:

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا (۱۷: ۲۰)	تیرے رب کی بخشش سے ہم دیتے رہتے ہیں انہیں بھی اور اُنہیں بھی، اور تیرے رب کی بخشش پر پابندی عائد نہیں کی گئی ہے

یعنی خدا کی بخشش کا دروازہ سب کے لیے یکساں طور پر کھلا

ہوا ہے، اُن لوگوں کے لیے بھی جو دنیا کی مایائش اور زندگی کی راحتیں چاہتے ہیں اور اُن کے لیے بھی جو آخرت کی شاد کامیوں کے طالب ہیں، مگر ہاں مال کے استعمال میں لوگ ایک دوسرے پر فضیلت پاتے ہیں۔ چنانچہ فسق و شر، ظلم و اسراف، اور اترانے کے لیے مال خرچ کرنا، ناشکری ہے، اور اس نعمت یا اُس کی برکت کی بربادی کا موجب، نیز اس بے جا استعمال سے بکثرت نقصان و فساد پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہ مشاہدہ ہے کہ اکثر مُسرف و فاسق دولتمند، مفلس و قلاش ہو جاتے ہیں یا خوفناک بیماریوں کا شکار بن جاتے ہیں۔ اسی طرح مُسرف و ظالم قومیں کمزور ہو کر اپنی آزادی و خود مختاری کھو بیٹھتی ہیں۔ لیکن مال کو بھلائی اور نیکی کے کاموں میں خرچ کرنے سے اُس میں افزونی ہوتی ہے۔ اِس موضوع کی ہم دوسرے مقامات میں پوری تحقیق لکھ چکے ہیں۔ اور اِس آیت کی تفسیر میں بھی:

قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ (۷: ۳۲)	آپ کہہ دیجئے کہ یہ نعمتیں مومنوں کے لیے دنیا کی زندگی میں ہیں اور خالص اُنہی کی ہوں گی قیامت کے دن۔

یعنی مومنوں کو یہ نعمت، دنیا میں مستحق ہونے کی وجہ سے ملتی ہے، اور اسباب کے اقتضاء سے دوسرے لوگ بھی اِس میں اُن

أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ
قِيَامًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ
وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۝ وَ
ابْتَلُوا الْيَتَامٰى حَتّٰى إِذَا بَلَغُوا
النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِّنْهُمْ
رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ
وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَّبِدَارًا
أَنْ يَّكْبَرُوا، وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا
فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْ
كُلْ بِالْمَعْرُوفِ، فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ
أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ وَكَفٰى بِاللّٰهِ
حَسِيبًا (۴ ۵،۶)

گزران (کا ذریعہ) بنایا ہے اُنہیں اس میں
سے کھلاؤ اور پہناؤ اور اُن سے اچھی بات
کہو اور سدھارتے رہو یتیموں کو یہاں
تک کہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں۔ اب اگر اُن میں
ہوشیاری دیکھو تو اُنہیں اُن کا مال دے دو
اور اُن کا مال اُڑا کر اور اس ڈر سے گھبرا کر نہ
کھا جاؤ کہ کہیں بڑے نہ ہو جائیں جو شخص خوشحال
ہے اُسے اُن کا مال کھانے سے بچنا چاہیے اور
جو فقیر ہے تو بھلائی کے ساتھ کھائے۔ اور جب
اُنہیں اُن کا مال سپرد کرو تو گواہ قائم کر لو،
اور اللہ حساب کرنے والا کافی ہے۔

اِس آیت میں حکم دیا ہے کہ یتیموں کی جانچ کرو اور اُن کا مال اُن کے سپرد اُس وقت تک نہ کرو جب تک دیکھ نہ لو کہ وہ اپنے کاموں میں پوری طرح سمجھدار ہو گئے ہیں، تاکہ مال کو نقصان دہ کاموں میں یا بے فائدہ طور پر ضائع نہ کر دیں۔

مومنوں کی صفتیں بیان کرتے ہوئے جل فرماتا ہے۔

وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا (۲۵: ۶۷)

اور جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں نہ بخل سے کام لیتے ہیں، بلکہ اعتدال کی راہ اختیار کرتے ہیں۔

اور فرمایا

لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ (۶۵: ۷)

اور مال دار اپنے مال میں سے خرچ کریں اور جس کا رزق تنگ ہے، وہ اس میں سے خرچ کرے جو خدا نے اسے دیا ہے۔

یہ آیت اس مطلقہ عورت کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو مدت میں ہو۔ عام مومنین کے بارے میں فرمایا:

وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ (۲: ۳)

ہم نے انہیں جو کچھ دیا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں۔

اس آیت کی رو سے مومن کے لیے ضروری ہے خواہ وہ مال دار ہو یا فقیر، کہ جو کچھ بھی خدا نے اسے دیا ہے، سب نہیں، مگر اس میں سے کچھ خرچ کرے، اور یہ کفایت شعاری کا سب سے بڑا اصول ہے، کیونکہ جو شخص اپنی کمائی کا کچھ حصہ خرچ کرتا اور کچھ بچاتا ہے وہ شاذ و نادر ہی فقیر ہوتا ہے۔ سورۂ اسراء کی تفسیر میں اس بحث پر ہم گفتگو کر چکے ہیں، جہاں اسراف اور بخل کی حد بیان کی گئی ہیں۔

(۱۱) راہِ خدا میں مال خرچ کرنا، ایمانی نشانی، قوم کی زندگی، سلطنت کا مدار اور انسانی سعادت کا ذریعہ ہے'

یہی وہ اصلی معیار ہے جس پر تمام مالی آیاتِ قرآنی کا مدار ہے، اور اسی بارے میں زیادہ تر آیتیں نازل ہوئی ہیں جن چیزوں کا ذکر گزر چکا ہے، وہ اسی اصل کے وسائل ہیں، اور اس کے بعد جو کچھ آئے گا اسی کی شرح و بیان ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ خدا نے اسی چیز کو ایمان کی اصلی میزان بتایا ہے۔ جو اس میزان میں پورا اترے گا، اُسے سچا مومن سمجھا جائیگا بغیر عملی دلیل و ثبوت کے ایمان کا دعویٰ، باطل ہے، اگرچہ اسلام کا زبان سے دعویٰ بھی قبول کر لیا جائے گا، کیونکہ اسلام کے عملی احکام کی بنیاد ظواہر پر ہے، اور نیتوں کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے، جن کے بموجب آخرت میں جزا یا سزا مقرر ہوگی۔ اسلام، ایک ایسے عمل کا نام ہے جو محض ظاہری بھی ہو سکتا ہے، اور جس کی پشت پر سچا ایمان و عقیدہ ہونا ضروری نہیں، لیکن ایمان، قلبی یقین کا نام ہے جس کے ساتھ اعمالِ اسلام کا ہونا لازمی ہے، گو نفاق کے بغیر نیک نیتی کے ساتھ ظاہری اسلام بھی، ایمان کے قریب ہوتا ہے۔ اس بارے میں آیتِ ذیل بنیادی حکم رکھتی ہے۔

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا	بدوی لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے
قُل لَّمْ تُؤْمِنُوا وَلَٰكِن قُولُوا أَسْلَمْنَا	ہیں، اے پیغمبر آپ کہہ دیجئے کہ تم ایمان نہیں

وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ	لائے ہو بلکہ یوں کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں
وَإِن تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا	ایمان تو اب تک تمہارے دلوں میں داخل ہی
يَلِتْكُم مِّنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا ۚ	نہیں ہوا اگر تم اللہ اور اُس کے رسول کی
إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ	اطاعت کروگے تو وہ تمہارے عمل کے ثواب
الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ	میں کوئی کمی نہیں کریگا اللہ غفور رحیم ہے۔
ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ	مومن تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول
وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ	پر ایمان لائے ہیں پھر شک میں نہیں پڑے
أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ (۱)	اور اللہ کی راہ میں اپنے مال و جان سے
(۴۹: ۱۴، ۱۵)	جہاد کیا یہی لوگ سچے ہیں۔

دیکھو، مالی جہاد کو جانی جہاد پر مقدم رکھا اور اسی کو ایمان کی سچائی اور دعوئے ایمان کی صداقت کی کسوٹی قرار دیا ہے

اب وہ آیت دیکھیے جس میں بتایا گیا ہے کہ اللہ کی محبت میں روپیہ خرچ کرنا، ایمان کی سب سے بڑی نشانی ہے اِس کے بعد ہمارا کا

---

(۱) اعراب صرف بدوی یعنی صحرائی لوگوں کو کہتے ہیں یہ آیتیں قبیلۂ بنی اسد کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جو قحط کی وجہ سے اسلام لے آئے تھے تاکہ مسلمان اُنہیں خیرات دیں ورنہ یہ لوگ سچے مسلمان نہ تھے۔

پھر زکاۃ کا ذکر آتا ہے جسے مسلمانوں کا امام ہر شخص سے لازمی طور پر وصول کرے گا۔ اس کے بعد دوسری بنیادی نیکیاں اور اعلیٰ اخلاق آتے ہیں۔ یہ آیت حسب ذیل ہے۔

لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَی الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (۲ ۔۱۷۷)

یہ بھلائی نہیں ہے کہ اپنا منہ یورپ اور پچھم کی طرف کرو، لیکن بھلائی یہ ہے کہ آدمی، اللہ پر، روز آخرت پر، فرشتوں پر، آسمانی کتابوں پر، پیغمبروں پر ایمان لائے، اللہ کی محبت پر، رشتہ داروں یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سائلوں، اور غلاموں کو آزاد کرنے کے لیے مال دے۔ نماز قائم کرے زکاۃ ادا کرے، اور وہ لوگ بھلائی پر ہیں جو عہد کرکے عہد پورا کرتے ہیں، اور مستقل مزاج رہتے ہیں تنگدستی میں، بیماری، اور جنگ میں یہی لوگ سچے ہیں اور یہی لوگ پرہیزگار ہیں۔

"وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ" کی تفسیر میں مفسرین وعلماء کے دو قول ہیں ایک یہ کہ آدمی اُس چیز کو اللہ کی راہ میں خرچ کرے جس سے محبت رکھتا ہے، جیسا کہ فرمایا "لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ"، (تم ہرگز بھلائی

حاصل نہیں کر سکتے جب تک اپنی محبوب چیز خرچ نہ کرو) اور دوسرا قول یہ ہے کہ ایثار دیعنی اُن کاموں میں خرچ کرے جنہیں اللہ پسند کرتا ہے جیسا کہ فرمایا "وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا" (اللہ کی محبت میں کھلاتے ہیں مسکین کو اور یتیم کو اور قیدی کو) اس بارے میں کہ دولت اور دنیا کی ہر چیز پر اللہ اور اُس کے رسول کی محبت کو ترجیح دینا ضروری ہے، یہ آیت قابل غور ہے۔

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ	کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے ماں باپ تمہارے لڑکے
وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ	تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں تمہارا خاندان
وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا	اور وہ مال جو تم نے کما رکھا ہے اور تجارت
وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا	جس کے بند ہونے سے ڈرتے ہو اور حویلیاں
أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ	جنہیں پسند کرتے ہو، تمہیں اللہ و رسول سے
فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ	اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ
وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ	محبوب ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ بھیجے
(۹:۲۴)	اللہ اپنا حکم۔ اللہ نافرمانوں کو راہ نہیں دیتا

راہ خدا میں خرچ کرنے والے مومنوں کو دوسرے مومنوں پر فضیلت دینے والی آیتوں میں سے ایک آیت حسب ذیل ہے۔

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ	برابر نہیں وہ مسلمان جو بغیر کسی عذر کے گھر

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا۔ (۴ ۹۵)	بیٹھے رہے اور وہ لوگ جو اپنے مال وجان سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں اللہ نے مال و جان سے جہاد کرنے والوں کا درجہ اُن لوگوں سے بہت زیادہ کر دیا ہے جو گھر میں بیٹھے والے ہیں سب سے اللہ نے اچھائی کا وعدہ کیا ہے مگر مجاہدوں کو بیٹھنے والوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ ثواب کا مستحق ٹھہرایا ہے۔

اس آیت کے بعد کی آیتیں بھی غور سے پڑھنا چاہیے۔

اور فرمایا

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ، اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا، وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى (۴ ۹۵)	اور تمھیں کیا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو، حالانکہ آسمان اور زمین اللہ ہی کی ہے۔ جن لوگوں نے فتح (مکہ) سے پہلے خرچ کیا اور لڑائی لڑی ہے، کوئی اُن کے برابر نہیں۔ ان لوگوں کا درجہ اُن سے کہیں بڑا ہے جنھوں نے فتح کے بعد خرچ کیا اور لڑائی لڑی ہے۔ اور دونوں گروہوں سے خدا نے اچھائی کا وعدہ کیا ہے۔

اس بارے میں بکثرت آیات وارد ہوئی ہیں، جن کی تفصیل
ہماری تفسیر کی جلد ۲ اور جلد ۱۰ میں دیکھنی چاہیے۔

راہِ خدا میں خرچ کرنے کی ترغیب، اس کے ثواب کی امید
اور اس کے آداب کے بارے میں جو آیتیں سورۂ بقرہ کے آخر میں
نازل ہوئی ہیں۔ پڑھو اور غور کرو:

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ	جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے
اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ	ہیں اُن کی مثال ایسی ہے کہ ایک دانہ جو
حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ	سات بالیں پیدا کرے اور ہر بال میں سو دانے
كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ	ہوں۔ اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے بڑھا دیتا
وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ	ہے۔ اللہ بڑی وسعت والا جاننے والا ہے۔
اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ۔ اَلَّذِيْنَ	جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں
يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	پھر اپنے خرچ کے بعد نہ احسان جتاتے ہیں
ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا	اور نہ آزار پہنچاتے ہیں، تو ایسے لوگوں کا
مَنًّا وَّلَآ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ	اُن کے پروردگار کے پاس ہے۔ نہ اُن کے
عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ	لیے کوئی ڈر ہے اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے
وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ	مناسب بات کہہ دینا اُس خیرات سے بہتر
خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ	جس کے بعد آزار پہنچایا جائے۔ اللہ غنی

أَذًى وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ
وَالْاَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ
رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُهٗ
كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ
فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا
لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا
كَسَبُوْا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الْكٰفِرِيْنَ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ
يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ
مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ
اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ
اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا
ضِعْفَيْنِ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا
وَابِلٌ فَطَلٌّ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
بَصِيْرٌ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ

ہے مرد بار۔ ایمان والو، تم احسان جتلا کر
اور ایذا پہنچا کر اپنی خیرات کو رائیگاں
نہ کرو اُس شخص کی طرح جو دکھاوے کے لیے
اپنا مال خرچ کرتا ہے اور اللہ اور روزِ آخرت
پر ایمان نہیں رکھتا ایسے آدمی کی مثال
چکنے پتھر کی سی ہے جس پر کچھ مٹی آگئی ہے، پھر
اُس پر زور کی بارش پڑی اور اُسے بالکل
صاف کر گئی۔ یہ لوگ اپنی کمائی پر کچھ بھی
اختیار نہ رکھیں گے۔ اللہ ناشکروں کو راہ
نہیں دکھاتا اور جو لوگ اللہ کی رضا جوئی
اور اپنے نفسوں کو ثابت قدم بنانے کے لیے
اپنا مال خرچ کرتے ہیں، اُن کی مثال اُس
باغ کی سی ہے جو ٹیلے پر ہو اُس پر زور کی
بارش ہوتی ہے اور وہ باغ دوگنے پھل
لاتا ہے اگر زور کی بارش نہ ہو تو ہلکی پھوار بھی
اُسے کافی ہوتی ہے اللہ تمہارے کاموں کو
خوب دیکھتا ہے۔ کیا تم میں سے کوئی آدمی

لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيلٍ وَّاَعْنَابٍ
تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهٗ
فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَاَصَابَهُ
الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاۗءُ
فَاَصَابَهَاۤ اِعْصَارٌ فِيْهِ
نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ، كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ
اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ
تَتَفَكَّرُوْنَ. يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْۤا، اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ
مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ
مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ
مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ
اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ، وَاللّٰهُ
غَنِىٌّ حَمِيْدٌ. اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ
الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاۤءِ
وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ
وَفَضْلًا، وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ

اسے پسند کریگا کہ اُس کا کھجوروں اور انگوروں
کا باغ ہو جس میں نہریں بہتی ہوں اور جس
میں ہر قسم کے پھل پیدا ہوتے ہوں، خود
وہ آدمی بوڑھا ہو چکا ہو اور اُس کے بال
بچے کمزور ہوں ایسی حالت میں باغ پر آتشیں
بگولا آجائے اور اُسے جلا ڈالے۔ اللہ اسی طرح
تمہارے لیے نشانیاں بیان کرتا ہے تاکہ تم سوچا
کرو۔ اے ایمان والو اپنی کمائی میں سے
اور اُس میں سے جو ہم نے تمہارے لیے زمین
سے پیدا کیا ہے، ستھری چیزیں خرچ کیا کرو۔
بُری چیزوں کی طرف نیت نہ کرو کہ
اُن میں سے خرچ کرو، حالانکہ تم خود بھی انہیں
لینے والے نہیں الا یہ کہ دھوکہ کھا جاؤ۔ اور اللہ
کسی کا محتاج نہیں اور تعریف والا ہے۔ شیطان
تمہیں فقر سے ڈراتا اور بے حیائی کا حکم دیتا
ہے، اور اللہ اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ کرتا
ہے۔ اللہ وسعت والا ہے اور سب جانتا ہے

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ	ہے جسے چاہتا ہے، دانائی دے دیتا ہے
يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا	اور جسے دانائی مل جاتی ہے اُسے بہت خوبی
كَثِيْرًا وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَ	حاصل ہوجاتی ہے۔ عقل والے ہی اِسے
لْبَابِ۔ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ	سمجھیں گے۔ تم جو کچھ بھی خرچ کرو یا اللہ سے
اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ	کوئی منّت مانو تو خدا اُسے جانتا ہے اور
اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ۔ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ	گنہگاروں کا کوئی مددگار نہیں۔ اگر خیرات
مِنْ اَنْصَارٍ۔ اِنْ تُبْدُوا	کھلی دو تو کیا ہی اچھی بات ہے، اور اگر اُسے
الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَاِنْ	چھپاؤ اور فقیروں کو چپکے سے دیدو تو یہ
تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ	تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے اور اس سے
فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ	تمہارے کچھ گناہوں کا کفارہ ہوجاتا ہے۔
مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ، وَاللّٰهُ بِمَا	تم جو کچھ کرتے ہو خدا اُس سے آگاہ ہے۔
تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ۔ لَيْسَ عَلَيْكَ	اے پیغمبر تیرے ذمہ اُنہیں راہ راست
هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ	دکھا دینا نہیں، لیکن وہ اللہ ہی ہے جو
مَنْ يَّشَآءُ۔ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ	جس کو چاہتا ہے راہ راست دکھا دیتا ہے۔
خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ، وَمَا تُنْفِقُوْنَ	تم جو کچھ مال خرچ کرو، اور صرف اللہ کے لیے
اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ، وَمَا	خرچ کرو تو تمہارے اپنے ہی فائدہ کے لیے ہوگا،
تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ	اور تم جو کچھ بھی خرچ کرو گے، تمہیں خدا کے

وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۔ لِلْفُقَرَآءِ
الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا
فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ
الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ
تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْـَٔلُوْنَ
النَّاسَ اِلْحَافًا ، وَمَا تُنْفِقُوْا
مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ
اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ
بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً
فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ
وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ
اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ
اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ
الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ، ذٰلِكَ
بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ
وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا

ہاں پورا پورا مل جائے گا اور تمہارا حق نہ
کاٹا جائے گا اُن محتاجوں پر خرچ کرو جو اللہ
کی راہ میں اٹک گئے ہیں اور زمین میں چل
پھر نہیں سکتے، چونکہ وہ مانگتے نہیں اس لیے
اُنہیں ناواقف آدمی، مالدار سمجھتا ہے اگر
تم اُنہیں اُن کے چہرے ہی سے پہچان لوگے
وہ لوگوں سے اصرار کر کے نہیں مانگتے۔ تم
جو مال بھی خرچ کرو گے، اللہ اُس سے
واقف ہے۔ جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنا
مال اللہ کی راہ میں رات کو دن کو خفیہ اور
علانیہ، تو اُن کے پروردگار کے پاس اُن کا اجر
ہے نہ اُن پر کوئی خوف ہوگا نہ رنجیدہ ہوں گے
جو لوگ سود کھاتے ہیں، قیامت کے دن ان کا
اُسی طرح اٹھیں گے جس طرح وہ اٹھے جس
حواس شیطان نے لپٹ کر کھو دیے ہوں
اور یہ اس لیے کہ انہوں نے کہا سوداگری بھی
ویسا ہی ہے جیسا سود لینا، اور خدا نے

جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ وَاَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ۔ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

سوداگری کو جائز کیا ہے اور سود لینے کو حرام کردیا ہے پس جس کے پاس نصیحت پہونچی اُس کے پروردگار کی طرف سے اور باز آگیا، تو اُس کے ذمہ وہی رہے گا جو ہوچکا اور اُس کا معاملہ اللہ کے اختیار میں ہے لیکن جو لوگ اس کے بعد پھر یہی کریں تو وہی لوگ دوزخ والے ہیں، وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے گھٹاتا ہے خدا سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو اللہ پسند نہیں کرتا کسی ناشکر گنہگار کو۔ جو لوگ ایمان لائے، عمل صالح انجام دیے، نماز قائم کی، زکاۃ دی، تو اُن کا بدلہ اُن کے پروردگار کے پاس ہے اُن پر نہ کوئی خوف ہوگا، نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔ اے ایمان والو ڈرو اللہ سے جو کچھ سود باقی رہ گیا ہے، اُسے چھوڑ دو اگر تم واقعی مومن ہو اگر تم یہ نہ کرو تو طیار ہو جاؤ اللہ اور اُس کے رسول سے لڑنے کے لیے۔ اگر توبہ کرو تو تمھیں تمھارا اصل مال مل جائیگا

لَا تَظْلِمُوْنَ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۔	نہ تمہارا کسی پر ظلم ہوگا نہ کسی کا تم پر ظلم ہوگا اگر کوئی تنگی میں مبتلا ہے تو اُسے کشایش کے وقت تک مہلت دینی چاہیے، اور اگر خیرات کر دو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اور ڈرو اُس دن سے جب کہ لوٹائے جاؤ گے خدا کے پاس پھر پورا ملے گا ہر شخص کو وہ سب جو اُس نے کمایا ہے اور اُن پر ظلم نہ ہوگا۔

(۲ : ۲۷۹ تا ۲۸۱)

اِن آیتوں کی تفسیر ہماری تفسیر کی جلد سوم میں دیکھو۔

یہ افسوسناک مصیبت ہے کہ اِس زمانہ میں مسلم قومیں، دوسری تمام قوموں سے کم راہ خدا میں ایثار و بیہ خرچ کرتی ہیں حالانکہ اسی سے اُن کی آزادی محفوظ رہ سکتی ہے، اُن کی قوت بڑھ سکتی ہے، اور دینِ الٰہی کی عزت تمام قوموں میں قائم ہو سکتی ہے۔ اگر مسلمان اپنے دینی احکام کے بموجب اللہ کی راہ میں خرچ کرتے تو آج اُن کی قوم ترقی یافتہ ہوتی اور تمام غیر مسلم قومیں یقین کر لیتیں کہ اُن کا دین ہی سب سے اچھا دین ہے جو ایسی مفید باتوں کا حکم دیتا ہے، اور تسلیم کر لیتیں کہ دولت کے پرستاروں سے تہذیب و تمدن کو بچانے کی صورت یہی ہے کہ اس دینِ حق کو اختیار کر لیا جائے۔

(۷۔ فرض و مستحب مالی حقوق اور اسلام کی لائی ہوئی مالی اصلاحیں)

خدا فرماتا ہے

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا۔ (۱۰۳:۹)	اے پیغمبر! اُن کے مال میں سے خیرات وصول کیجئے اور اس طرح اُنہیں پاک صاف بنا دیجئے۔

اس آیت کی تفسیر میں میں نے پوری ایک فصل لکھی ہے جس میں فرض زکاۃ، خیرات، مالی اصلاح، اور اس بارے میں تمام دینوں پر اسلام کی فضیلت ثابت کر دی ہے، اور بتایا ہے کہ انسان کی زندگی میں مال کی کیا اہمیت ہے، اور لعادتوں، حکموں اور دنیا کی آبادی میں اُسے کیا درجہ حاصل ہے۔ بعض جماعتوں نے اُسے جمع کرنے اور اُس کا نطفہ بہانے میں کس علو سے کام لیا ہے۔ کس طرح کروروں انسانوں کو غلام بنا ڈالا ہے۔ یہ جماعتیں اس زمانہ میں سرمایہ دار کہلاتی ہیں۔ اِن کے مقابلہ میں کچھ اور لوگ اٹھے ہیں، جو اپنے آپ کو بالشویک کہتے اور انسانوں کے بین الاقوامی نظام کو توڑ کر ایک ایسا نظام قائم کرنا چاہتے ہیں جس میں سب لوگ برابر کے شریک ہوں، پھر میں نے وہ تمام عداوتیں اور جھگڑے بھی بیان کر دیے ہیں جو اِن جماعتوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔

آخر میں دکھایا ہے کہ دنیا میں جتنے فتنے پھیلے ہوئے ہیں اور بربادیوں

کے جو جو مہلک ریلے ہر طرف منڈلا رہے ہیں، اُن کا دفعیہ صرف اسلام کی لائی ہوئی مالی اصلاح ہی سے ممکن ہے۔

اس اصلاح کا خلاصہ میں نے حسبِ ذیل دفعات یا اصول میں بیان کر دیا ہے

۱ــــ اسلام نے شخصی ملکیت کو تسلیم کیا ہے، مگر ناجائز طریقہ پر لوگوں کا مال کھانا حرام قرار دیا ہے۔

۲ــــ سودخواری اور قماربازی حرام کر دی ہے۔

۳ــــ روپیہ کو مالداروں ہی کے ہاتھوں میں گردش کرنے سے روکا ہے۔

۴ــــ ناسمجھوں کو اُن کے مال میں آزادی نہیں دی تاکہ اُسے مُسرفانہ طور میں صائع نہ کر دیں۔

۵ــــ ابتدا ہی سے زکاۃ فرض کر کے اُسے اشتراکیت قرار دے دیا جس کی بنیاد دل کے عقیدے پر تھی نہ کہ حکام کے جبر پر۔ ظاہر ہے جہاں اسلامی حکومت نہ ہو، وہاں زکاۃ، دل کے عقیدے ہی کی بنا پر ادا کی جا سکتی ہے۔

۶ــــ جب اسلام کی حکومت قائم ہو گئی تو یہ اختیاری صورت منسوخ کر دی اور زکاۃ کی مقدار مقرر کر دی کہ ہر سال دونوں نقدوں اور

تجارت پر نصاب پورا ہونے کی صورت میں عُشر کا ربع (چوتھائی) ہے زرعی غلّوں پر عُشر اور نصف عشر ہے۔ مویشی کی زکاۃ معلوم ہے، اور دفینہ پر خمس ہے۔

۷۔۔۔۔۔ زوجیت و قرابت کا خرچ فرض کردیا ہے۔

۸۔۔۔۔۔ بے بسوں کی خبرگیری واجب کردی ہے، عام اس سے کہ کسی مذہب و ملّت کے ہوں، نیز پردیسیوں کی تواضع ضروری قرار دی ہے۔

۹۔۔۔۔۔ بعض گناہوں کے کفّارے میں مال خرچ کرنا ضروری ٹھرایا ہے۔

۱۰۔۔۔۔۔ محتاجوں پر صدقہ مستحب رکھا ہے۔

۱۱۔۔۔۔۔ اسراف اور بخل، دونوں کی مذمت کی ہے۔

۱۲۔۔۔۔۔ خوش پوشی و خوش خوری معلوم شرطوں کے ساتھ مباح رکھی ہے۔

۱۳۔۔۔۔۔ کفایت شعاری اور میانہ روی کی تعریف کی ہے۔

۱۴۔۔۔۔۔ شکر کرنے والے دولتمند کو صبر کرنے والے فقیر سے افضل بتایا ہے۔ (دیکھو تفسیر ج ۱۱ ص ۲۷-۳۱)

اس سے پہلے میں نے آیتِ زکاۃ کی تفسیر بھی اسی کتاب کی دسویں جلد میں کردی ہے۔

پھر اسی سورۂ توبہ کے آخر میں ایک فصل لکھی ہے جس میں اسلام کے مالی احکام جمع کر دیے ہیں۔ ان تمام مباحث کی تفصیل ہماری تفسیر ہی میں پڑھنا مناسب ہے یہاں اُن کی گنجائش نہیں۔

غرضکہ مال و دولت کی اصلاح کے لیے اسلام نے جو عملی علمی قواعد مقرر کیے ہیں، اُنہی کی پیروی سے مال و دولت، خیر و برکت کا ذریعہ بن سکتی ہے، جیسا کہ اللہ نے اپنی کتاب میں اُسے موسوم فرمایا ہے۔ انہی اصول و قواعد کے ذریعہ لوگوں کے باہمی جھگڑے دور ہو سکتے اور وہ اپنی دنیا و دین میں سعادت حاصل کر سکتے ہیں۔ ایسے اصول و قواعد نہ کسی دین میں مل سکتے ہیں نہ انسانی قانون و حکمت کی کسی کتاب میں۔

مال و دولت کی وجہ سے جو صورت حال پیدا ہوگئی ہے اُس نے انسانیت کے لیے نہایت ہی سخت خطرے لاحق کر دیے ہیں، اور بڑے بڑے دانشمند و مدبر حیران ہیں کہ کیونکر ان خطروں کو دور کریں، حالانکہ مخلصی و نجات کا راستہ اُن کے سامنے کھلا ہوا ہے، مگر وہ اُسے نہیں دیکھتے۔ یہ راستہ اسلام اور قرآن کی ہدایت ہی کا ہے

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَہُم بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِینَ (۲: ۲۵۱)	اگر خدا لوگوں کی زیادتیاں ایک دوسرے کے ذریعہ دور نہ کرتا تو زمین میں فساد پھیل جاتا لیکن اللہ تمام جہانوں پر فضل کرنے والا ہے۔

اِس تمام گفتگو سے غرض یہ دکھانا ہے کہ وحی محمدی، دراصل وحی الٰہی ہے، اور یہ کہ عقل ہرگز باور نہیں کرسکتی کہ محمدؐ، نبیِ اُمّی نے جن کی تاریخ ہم حال چکے ہیں، ایسے دل کی وحی و الہام سے ان حقائق کا سراغ لگایا ہو جو تمام آسمانی اور انسانی کتابوں سے بلند ہیں اور جن کی نظیر علم و حکمت و قانون کے اِس سب سے زیادہ ترقی یافتہ زمانہ میں بھی مل نہیں سکتی۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ حکمت و رحمت و تدبیر والے خدا پر ایمان رکھنے والے ہر آدمی کے نزدیک معقول اور سچی بات یہی ہوسکتی ہے کہ یہ سب اُسی اللہ عزوجل کی طرف سے وحی ہے جو اپنے خاتم النبیین پر اُس نے اُس وقت نازل کی جب انسان اُسے قبول کرنے کے لیے مستعد ہوچکے تھے اور جس کے بعد اُنہیں کسی اور وحی کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے۔

قرآن کا آٹھواں مقصد

(نظامِ جنگ کی اصلاح، اور جنگ کو انسانی بھلائی کیلیے خاص کردینا)

روزی کی راہیں تلاش کرنے اور مال وجاہ کے ذریعے نکالنے میں باہم تصادم پیش آنا، انسانی زندگی کی فطرت ہے۔ اِس تصادم کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جماعتیں اور قومیں آپس میں زیادتی اور لڑائی شروع کردیتی ہیں۔ اجتماعی زندگی کا یہی قانون اور اُس کی ناگزیر ضرورت ہے، جو کبھی

کبھی آبادی و ترقی کا ذریعہ بن جایا کرتی ہے۔ چنانچہ جب کبھی حق و باطل میں تصادم ہوتا ہے، فتح حق ہی کو حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح علم و جہل کی کشمکش میں ہمیشہ جیت علم ہی کی ہوتی ہے۔ ظلم و بے ظلمی کی لڑائی میں ظلم ہی کو شکست ملتا ہے۔ یعنی ہمیشہ بدی پر غالب آجایا کرتی ہے۔ خدا فرماتا ہے:

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ۔ (۲۱ ۱۸)

ہم پھینک مارتے ہیں حق کو باطل پر اور حق باطل کا سر توڑ ڈالتا ہے پھر باطل مردہ ہو کر رہ جاتا ہے۔

اور حق و باطل کی مثال یہ دی ہے

أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَابِيًا، وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِثْلُهُ، كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ، فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً، وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ، كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ (۲۱ ۱۷)

خدا نے اتارا آسمان سے پانی پھر بہے نالے اپنے اندازے سے، پھر اوپر لے آیا جھاگ پھولا ہوا۔ اور زیور یا اسباب بنانے کے لیے جس چیز کو آگ پر دھونکتے ہیں، اس میں سے بھی ایسا ہی جھاگ اٹھتا ہے۔ اسی طرح ٹھہراتا ہے اللہ حق اور باطل کو، لیکن جھاگ سوکھ کر جاتا رہتا ہے اور جو چیز آدمیوں کو فائدہ پہنچاتی ہے، سو وہ زمین میں رہتی ہے۔ اسی طرح اللہ کہاوتیں بتاتا ہے۔

باطل حاجتوں کے لیے، ظالمانہ اقتدار کے لیے، کمزوروں کو غلام بنانے کے لیے، دنیا میں سرور و تکبر قائم کرنے کے لیے باہمی سرکشی و جنگجوئی کا نقصان ناقابل بیان ہے۔ خونریزی سے دلوں میں کینے پیدا ہوتے اور انتقامی جذبات بھڑکتے ہیں۔ موجودہ زمانہ میں یہ خرابیاں بہت زیادہ بڑھ گئی ہیں اور سخت اندیشہ پیدا ہو گیا ہے کہ تھوڑی مدت میں یہ شاندار تہذیب برباد ہو کر رہ جائے گی، کیونکہ علم کی ترقیوں نے ایسے تباہ کن آلات جنگ پیدا کر دیے ہیں کہ چند گھنٹہ میں بڑے بڑے آباد شہر، خاک سیاہ کر ڈالے جا سکتے ہیں۔

جنگی قوتوں کی مالک تمام سلطنتیں اس اندیشہ سے بے قرار رہتیاں ہیں، حتیٰ کہ جن کے پاس سامان جنگ سب سے زیادہ ہے، بڑے بڑے بحری اور ہوائی بیڑے رکھتی ہیں، وہ اور بھی ہراساں ہیں کہ کہیں کوئی دشمن اگر اُن کی ہتھیار بند آبادیوں کا خاتمہ نہ کر ڈالے۔ یہی سبب ہے کہ وہ آپس میں امن وامان کی بحالی کے لیے کانفرنسیں منعقد کرتی ہیں، معاہدے طے کرتی ہیں، قسمیں کھاتی ہیں، مگر اس سب کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو ہاتھ توڑتی ہیں۔ جو کچھ طے کرتی ہیں، شرارت اور فریب کی راہ سے خود ہی اُسے توڑ بھی ڈالتی ہیں۔

ان سلطنتوں کی اس حیرتناک ناکامی کا سبب جاننے قرآن میں

بیان فرما دیا ہے۔ ذیل کی آیت اگرچہ بت پرست عربوں کے حق میں نازل ہوئی تھی، مگر اس وقت کی یورپین سلطنتوں پر اس طرح منطبق ہوتی ہے گویا خاص انہی کے بارے میں اُتری ہے۔ اور یہ بھی قرآن کے لفظی و معنوی عجائبات میں سے ایک انوکھا عجوبہ ہے جسے ہر آنکھ خود دیکھ سکتی ہے۔ عہد کی پاسداری کا حکم دینے اور بدعہدی سے منع کرنے کے بعد فرمایا ہے

وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ أَنْ تَكُونَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبَىٰ مِنْ أُمَّةٍ (۱۶ : ۹۲)	اُس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جو سوت کو بٹ چکنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتی ہے کہ اپنی قسموں کو آپس میں فریب کا ذریعہ ٹھہراؤ اس غرض سے کہ ایک گروہ دوسرے سے بڑھا چڑھا ہو جائے۔

آیت سے غرض یہ ہے کہ قوموں کے مابین صلح و اتفاق کے معاہدے، اصلاح، انصاف، مساوات کے لیے ہونے چاہئیں، اور یہ اُسی وقت ممکن ہے جب اُن کی بنیاد، اخلاص اور نیکی پر ہو نہ کہ فریب و دغل پر کہ ایک قوم دوسری سے زیادہ نفع اٹھا کر قوت حاصل کرلے۔

یورپ کے ماہرین اگر اس ہولناک خطرے سے مخلصی و سلامتی کے واقعی خواہشمند ہوتے، تو یہ چیز انہیں اسلام میں موجود ملتی، حق، عدل، اور امن و اماں کا دین ہے۔

قرآن میں جنگ وامن کے جو اصول و قواعد بیان کیے گئے ہیں، اُن میں سے بعض ذیل میں ملاحظہ ہوں۔

(اسلام میں امن و جنگ کے اہم قواعد و اصول)

سورۃ الانفال کی آیتوں سے ہم نے جنگ وصلح اور معاہدوں سے متعلق ایک جنگی اصل استنباط کرکے اسی سورۃ کی تفسیر کے خلاصہ میں بیان کردی ہے۔ اسی طرح سورۃ توبہ کی آیات سے بھی ایک اہم اصل مستنبط کی ہے جسے بہت ہی شرح وبسط کے ساتھ اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔ یہاں ہم تفصیل سے گریز کرکے صرف چند اصول بطور قواعد کے پیش کیے دیتے ہیں، کیونکہ یہاں دکھانا یہی ہے کہ یہ تمام عظیم الشان علوم ناممکن ہے کہ محمد نبی اُمیؐ نے اپنی رائے سے سامنے ہوں جو سوت سے پہلے تنہائی اور گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرتے تھے بچپن میں اُنھوں نے گلہ بانی کی تھی اور جوانی میں تجارت لیکن اس کے باوجود جو علوم وہ لائے ہیں، اُن کی ہمسری تک نہ آسمانی کتابیں پہنچ سکیں، نہ انسانی حکمت و قوانین کے دفتر۔

۱۔ اسلام میں کیسی جنگ فرض ہے؟

زیادتی کرنے والوں سے اسلام نے جنگ کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ فساد دور ہو اور نیکی قائم کی جاسکے۔ ساتھ ہی ظلم و سرکشی کی راہ سے جنگ کرنے سے منع کیا ہے۔ فرمایا:

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ (۲ ۱۹)

اللہ کی راہ میں اُن لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔ زیادتی نہ کرو، اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اس آیت میں سرکشی و زیادتی کی نیت سے لڑائی کو اس بنا پر منع کیا ہے کہ اللہ، زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایسی جنگ کی ممانعت قطعی ہے اور منسوخ نہیں ہو سکتی۔ اسی آیت کی تفسیر میں ہم نے دکھایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار سے جتنی لڑائیاں کیں، سب مدافعانہ تھیں نہ کہ جارحانہ۔ پھر سورۂ توبہ کی آیتِ سیف میں تفصیل کے ساتھ بتایا ہے کہ عرب بُت پرستوں سے جنگ اور فتح مکہ کے بعد اُن سے معاہدے منسوخ کر دینے کا معاملہ بھی اسی اصول پر مبنی تھا، حالانکہ معلوم ہے عرب میں اسلام کی سیاست، باقی قوموں میں اُس کی سیاست سے جدا ہے، کیونکہ اسلام، عربوں کو مسلمان بنانا اور اُن کے شرک کی بیخ کنی کرنا چاہتا تھا جو کسی شریعت کے پابند نہ تھے۔ نیز جزیرۃ العرب کو اسلام کا گہوارہ اور قلعہ بنانا تھا جہاں کسی مخالف تحریک کو باقی رہنے دینا اس مقصد کے منافی تھا۔ لیکن عربوں کے سوا باقی تمام قوموں کے ساتھ اسلام کا برتاؤ یہ تھا کہ اُن کے وطن اور اُن کے دین کو برقرار رکھتا تھا۔

اسی بحث میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ بعض صحابہ پر یہ بات گراں گزری تھی کہ بت پرستوں کے ساتھ جو معاہدے ہو چکے تھے، انہیں توڑ دیا جائے، اگرچہ یہ بت پرست، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسے معاہدے بارہا شکست کر چکے تھے، کیونکہ عہد کی پابندی ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ اس بارے میں اُن کا کوئی دینی عقیدہ تھا نہ کوئی مقررہ ضابطہ اسی لیے خدا نے فرمایا وَهُمْ الَّذِينَ بَدَءُوكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ یعنی انہی لوگوں نے مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے اور عہد شکنی کرنے میں پیش قدمی کی ہے۔

جنگ کے آخری احکام میں بعینہ وہی بات کہی گئی ہے جو جنگ کی اجازت والی اولین آیت میں فرمائی گئی تھی۔ یہ آیت سورۂ حج میں موجود ہے اور حسب ذیل ہے

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَ	اُن لوگوں کو جنگ کرنے کی اجازت دی جاتی ہے جن سے جنگ کی جا رہی ہے کیونکہ یہ لوگ مظلوم ہیں۔ اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اُن کے گھروں سے اس بات پر نکال دیا گیا ہے کہ وہ کہتے تھے ہمارا پروردگار اللہ ہے۔ اگر

صَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا
اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ
مَن يَنصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ
الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ
أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَ
أَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ
الْمُنكَرِ ۗ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ

(۲۲ ۳۹ تا ۴۱)

خدا لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ روکتا
تو ڈھا دی جاتیں خانقاہیں (عابدوں کی)
تعلیم گاہیں (عیسائیوں کی) عبادت خانے
(یہودیوں کے) اور مسجدیں (مسلمانوں کی)
جن میں اللہ کا نام بہت ذکر کیا جاتا ہے۔
اللہ ضرور اُن کی مدد کریگا جو اُس کی مدد کریگے
بے شک اللہ زبردست ہے زور والا۔ یہ
وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم اُنہیں زمین میں مضبوط
کردیں تو نماز قائم کریں۔ زکاۃ ادا کریں۔ نیکی
کا حکم دیں۔ برائی سے منع کریں۔ اور معاملات
کے نتائج تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔

۲۔ جنگ سے غرض اور اُس کا نتیجہ

اسلام نے ضروری ٹھہرایا ہے کہ اگر جنگ کی جائے، تو سرکشی و ظلم دور کرے اور امن بحال کرنے کے بعد اُس کی غرض ایجابی ہونی چاہیے، اور وہ غرض یہ ہے کہ مسلمان تمام دینوں اور مذہبوں کی حفاظت کریں۔ اللہ وحدہ کی ہی عبادت کریں تمام انسانوں کی بھلائی کا خیال رکھیں۔ سب کے ساتھ نیکی کریں۔ کسی پر سرکشی اور ظلم نہ کریں۔ چنانچہ جنگ کی

اجازت دینے کے بعد ہی فرمایا ہے، جیسا کہ اگلی بیان بھی ہو چکا ہے۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا، وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ، اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ۔ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ، وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (۲۲: ۴۰، ۴۱)

اگر خدا لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ نہ روکتا تو ڈھا دی جاتیں خانقاہیں تعلیم گاہیں عبادت خانے، اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام بہت ذکر کیا جاتا ہے۔ اللہ ضرور اُن کی مدد کریگا جو اُس کی مدد کریں گے۔ بے شک اللہ زبردست ہے زور والا۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم اُنہیں زمین میں مضبوط کر دیں تو نماز قائم کریں، زکاۃ ادا کریں۔ نیکی کا حکم دیں۔ برائی سے منع کریں۔ اور معاملات کے نتائج تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔

جنگ کی اجازت خدا نے جن وجوہ کی بنا پر دی ہے، وہ تین ہیں:

۱ــــ مسلمان مظلوم تھے۔ اُن پر زیادتی کی گئی تھی۔ اُن کے دین و ایمان کی وجہ سے اُنہیں ستایا گیا تھا۔ لوٹا گیا تھا۔ جلاوطن کیا گیا تھا۔ یہ وجہ خاص مسلمانوں سے تعلق رکھتی ہے، شخصی و وطنی حیثیت سے، یا دینی و دنیاوی حیثیت سے۔

سورۂ انفال کے قواعد میں ہم نے اِس مقصد کو ایک مستقل قاعدہ قرار دے کر لکھا ہے کہ دین کی آزادی حاصل ہونی چاہیے، اور کسی شخص کو بھی اُس کے دین سے پھیرنے کے لیے ستانا اور تکلیفیں ڈالنا نہیں چاہیے، اور دلیل میں یہ آیت کریمہ پیش کی ہے۔

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (۸ ۳۹)	کافروں سے لڑو یہاں تک کہ زبردستی موقوف ہو جائے اور دین کا معاملہ سراسر اللہ ہی کے لیے ہو جائے۔ اگر وہ باز آجائیں تو اللہ اُن کے کاموں کو اچھی طرح دیکھتا ہے۔

عرب کے بُت پرست مسلمانوں کو ہر ممکن تکلیف پہنچاتے تھے۔ طرح طرح کی سختیوں میں مبتلا کرتے تھے تاکہ اُن کے دین سے انہیں پھیر دیں۔ لیکن مسلمانوں نے اقتدار حاصل کر کے یہ روش اختیار نہیں کی، اور اگر کسی نے کبھی اختیار کی ہو، تو اُس نے احکام اسلام کی مخالفت کی ہے جس نے دین کے معاملہ میں سب آدمیوں کو آزادی بخشی اور زور زبردستی کی ممانعت کر دی ہے۔

۲۔ اگر خدا اس جنگی مدافعت کی اجازت نہ دیتا تو یہودیوں عیسائیوں اور مسلمانوں کے عبادت خانے برباد کر ڈالے جاتے، جن میں پیغمبروں کے ماننے والے یہ لوگ یاد الٰہی کرتے ہیں۔ اگر مدافعانہ جنگ کی اجازت نہ

ہوتی تو ظاہر ہے بتوں کے پجاری اور روزِ قیامت کے منکر اِن عبادت خانوں کو ہرگز باقی نہ چھوڑتے۔ یہ عالمگیر دینی مسلک ہے جو اِس بات کا صاف ثبوت ہے کہ اسلام میں تمام دینی آزادی کا لحاظ رکھا گیا ہے، اور مسلمانوں کے لیے ضروری ٹھہرایا گیا ہے کہ دینی آزادی کی حمایت کریں اور ہر دین کی عبادت گاہیں محفوظ رکھیں، سچے مسلمانوں نے اِس تعلیم پر عمل بھی کیا تھا۔

اگر کہا جائے کہ اسلام نے بت پرستوں کو بھی اُن کے دین پر اُسی طرح کیوں رہنے نہ دیا جس طرح یہودیوں، عیسائیوں، اور مجوسیوں کو رہنے دیا تھا؟

جواب یہ ہے کہ دوسرے دینوں کی طرح، اگرچہ کتنے ہی بگڑ گئے ہوں، عرب کی بُت پرستی کوئی ایسی مِلّت نہ تھی جس کی بنیاد عبادتِ الٰہی پر ہو اور جس میں بندگانِ خدا کے ساتھ بھلائی کرنا ضروری ہو، عرب نہ قیامت کے قائل تھے، نہ جزا اور سزا کے۔ وہ نہیں مانتے تھے کہ نیکی کا اچھا بدلہ ملے گا اور برائی کا بُرا بدلہ ملے گا، وہ عملِ صالح کو اور برائیوں سے بچنے کو ضروری نہیں سمجھتے تھے، حالانکہ دین کے عام اصول یہ ہیں کہ:

جو لوگ اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لائے اور نیکوکار رہے اُن کا بدلہ اُن کے پروردگار کے پاس ہے، نہ اُن پر خوف ہوگا نہ وہ رنجیدہ	مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

بنانوں۔ | ہوں گے

۳ــــ جنگ سے اسلام کی تیسری غرض یہ ہے کہ مسلمان، زمین میں اقتدار و حکومت حاصل کرنے کے بعد نماز قائم کریں جو نفس کو پاک کرنے والی، برائیوں سے باز رکھنے والی، اور حمیت و محبت الہی پر آمادہ کرنے والی ہے۔ ہر قسم کی نیکی کا اور تمام آدمیوں سے بھلائی کا حکم دیں۔ ہر اُس بات سے منع کریں جس میں خرابی ہے اور جس سے خود اُس کے مرتکب کو یا کسی دوسرے کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔

تمام جنگی سلطنتیں، ریاکاری کی راہ سے نیک نامی حاصل کرنے کے لیے اسی طرح کے اعلیٰ مقاصد کا دعویٰ کرتی ہیں، لیکن اُن کا عمل، اُن کی تکذیب کرتا ہے، خصوصاً نیکی کے حکم اور بدی کی ممانعت کے دعوے کی۔ کیونکہ یہ سلطنتیں اپنے محکوموں کے لیے تمام برائیاں اور بدکاریاں جائز کر چکی ہیں، علم، تہذیب، اور نیکی سے حتی المقدور منع کرتی ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اپنی زبان، اپنی عظمت اور اپنے قومی دین کی تعلیم پھیلا رہی ہیں، مگر نیکی کے خیال سے نہیں بلکہ بدی کے ارادے سے۔ اُن کا مقصد یہ ہے کہ اِس تعلیم کے ذریعہ محکوموں کی ملی و قومی بنیادیں ڈھا دیں تاکہ وہ ملک گیروں کے پنجہ سے کبھی نکل نہ سکیں۔ یہ سلطنتیں ہرگز گوارا نہیں کر سکتیں کہ محکوم قومیں، علم، دولت، اقتدار،

قوت میں ملک گیر فاتحوں کے ہم پلّہ ہو جائیں۔ یہ واقعہ تمام یورپین مقبوضات اور نو آبادیوں میں ہر آنکھ جب چاہے دیکھ سکتی ہے۔

۳۔ امن کو جنگ پر ترجیح

اس اصل کی بنا پہلی دو اصلوں پر ہے۔ اُن میں بتایا جا چکا ہے کہ جنگ، بھلائیاں حاصل کرنے اور برائیاں دور کرنے کے لیے ضروری ہو۔ اور یہ کہ امن ہی وہ اصلی چیز ہے جس پر سب لوگوں کو استوار ہونا چاہیے، اسی لیے خدا نے ہمیں حکم دیا ہے کہ جب دشمن، امن و صلح کی طرف مائل ہو تو ہم امن کو جنگ پر ترجیح دیں۔ چنانچہ فرمایا:

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (۸: ۶۱)[1]

اگر وہ لوگ امن کی طرف جھکیں تو تم بھی جھک جاؤ اور اللہ پر بھروسہ رکھو وہ خوب سننے جاننے والا ہے۔

۴۔ جنگ روکنے کیلیے جنگی طیاریاں

اسلامی سلطنت کے لیے ضروری ہے کہ قوم کو ہر قسم کی جنگی طیاریوں سے آراستہ رکھے۔ اس آراستگی سے غرض یہ ہونی چاہیے کہ دشمن کو مرعوب رکھا جائے تاکہ وہ ڈرے کہ اس قوم پر، یا اُس کے افراد

---

(۱) دیکھو تفسیر جلد ا صفحہ ۶۹ و ۱۴

پر، یا اُس کے مال پر، اگرچہ ملکِ غیر ہی میں کیوں نہ ہو، دست درازی کا بہت ہی خطرناک نتیجہ نکلے گا۔ اسی جنگی طیاری کی بدولت قوم اپنے وطن میں سلامتی اور اپنے افراد و مسالح و مال کی طرف سے بے فکر رہ سکتی ہے اسی چیز کو آج کل کی بول چال میں "مسلح امن" یا "پُرامن ہتھیار بندی" کہتے ہیں لیکن موجودہ جنگی حکومتیں اس کا دعویٰ بالکل جھوٹا کرتی ہیں۔ جو اُن کا عمل اس کی تکذیب کر رہا ہے۔ البتہ حرب اسلام ایک ایسا دین ہے جس نے اس چیز کو مسلمانوں کے حق میں شرف کی حیثیت سے جمایا اور یہ فرما کر جنگی طیاری مکمل رکھنے کا حکم دیا ہے

وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا	دشمنوں کے لیے جو کچھ بھی تم سے ہو سکے
اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ	قوت طیار کرو اور گھوڑے جمع کرو اس
الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ	طرح تم اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن کو
وَعَدُوَّكُمْ (۸ ۶)	مرعوب کر دو گے

۵ ۔ جنگ میں رحم و شفقت

جب جنگ میں مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو جائے جسے لفظ "اِثخان" سے تعبیر کیا گیا ہے، اور مسلمانوں کو یقین ہو جائے کہ اب دشمن بے بس ہو گیا ہے اور اُن پر فوقیت حاصل نہیں کر سکتا، تو خدا کا حکم یہ ہے کہ خونریزی موقوف کر دی جائے اور دشمن کو قید کر لینا ہی کافی سمجھا جائے۔

ہم اجازت دی ہے کہ قیدیوں کو یا تو احسان کرکے چھوڑ دو، یا فدیہ لے کر آزاد کر دو۔ چنانچہ سورۂ محمدؐ کی نص صریح حسبِ ذیل ہے

فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا ذَٰلِكَ وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ	جب تم بھڑ جاؤ کافروں سے تو گردنیں مارو، یہاں تک کہ جب کشتے کر چکو تو انہیں قید کرو۔ اس کے بعد احسان کرکے انہیں چھوڑ دو یا فدیہ وصول کرو، یہاں تک کہ لڑائی ختم ہو جائے۔ اگر خدا چاہے تو ان سے بدلہ لے

(۱) دشمنوں نے اسلام کو بدنام کرنے کے لیے مشہور کر رکھا ہے کہ اس آیت میں قرآن نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ کافروں کو جہاں کہیں پائیں، مار ڈالیں، حتیٰ کہ مصر میں سابق برطانوی ہائی کمشنر لارڈ کرومر نے بھی اپنی تقریر میں یہی عیاں کیا ہے، حالانکہ اس آیت کا تعلق اُن محارب دشمنوں سے ہے جن سے میدانِ جنگ میں مقابلہ ہو۔ شریعتِ اسلام میں کافروں کو تین قسموں پر بانٹ دیا گیا ہے۔ محارب ــــ ان کا حکم اس اصل اور اس سے پہلی فصلوں میں بتایا جا چکا ہے۔ معاہد ــــ ان کے احکام بعد میں بتائے گئے ہیں۔ مستامن اور ذمی ــــ یہ وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کی حکومت میں آجاتے ہیں، اور یہ بات پہلے ہی واضح کی جا چکی ہے کہ اسلام نے ان لوگوں کو اور مسلمانوں کو تمام معاملات اور بیشتر احکام میں بالکل برابر کر دیا ہے۔ مسلمانوں پر ان کی حمایت ضروری ٹھہرائی ہے، حتیٰ کہ اگر کوئی اُن کے دین پر یا جان یا مال پر دست درازی کرے تو مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ انہیں بچانے کے لیے اُس سے جنگ کریں

لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ۚ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ (۴۷ : ۴)

لے، مگر وہ چاہتا ہے کہ تم میں سے بعض کو بعض کے ذریعے آزمائے۔ جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوتے ہیں خدا اُن کے اعمال رائیگاں نہیں کرے گا۔

اس آیت کے معنی ہم نے اپنی تفسیر میں دین کی آیت پر گفتگو کرتے ہوئے بیان کر دیے ہیں

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ۚ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (۸ : ۶۷)

نبی کے لیے مناسب نہیں کہ قیدی اُس کے پاس آئیں اور وہ زمین میں خون نہ کرے۔ تم دنیا کی جنس چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے، اللہ زور آور ہے حکمت والا۔

۷۔ معاہدوں کی پاسداری اور خیانت کی تحریم

اسلام نے قطعی طور پر حکم دے دیا ہے کہ جس طرح کسی مادی یا معنوی امانت میں خیانت روا نہیں، اُسی طرح جنگ اور امن کے معاہدوں سے بے وفائی جائز نہیں، اور یہ کہ اُن کی سراً و علناً پاسداری ضروری ہے۔ اس بارے میں متعدد محکم آیات نازل ہوئی ہیں جنھوں نے معاہدے توڑنے، انہیں ردی کاغذ سمجھنے اور حیلے بہانے سے شکست کر دینے کی کوئی گنجائش ہی نہیں چھوڑی ہے چنانچہ فرمایا:

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ (۹۱/۱۶)	جب عہد باندھو تو اللہ کے عہد کو پورا کرو۔ قسمیں پکی کر چکنے کے بعد نہ توڑو جبکہ تم خدا کو اپنا ضامن ٹھہرا چکے ہو۔ اللہ جانتا ہے تم جو کچھ کرتے ہو۔

اس آیت میں عہد کی پابندی کا حکم دیا اور بدعہدی سے منع کیا ہے۔

پھر ایک بلیغ مثل دے کر اس کی اور زیادہ تاکید کر دی ہے۔ فرمایا:

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا (۱۶ ۹۲)	اُس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جو بٹ چکنے کے بعد اپنے سوت کو توڑ کر ٹکڑے کر ڈالتی ہے۔

اس آیت پر ہم اس مقصد کے مقدمہ میں گفتگو کر چکے ہیں۔ پھر ذیل کی آیت میں مومنوں کا یہ وصف بتایا ہے۔

وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عَاهَدُوْا (۲ ۱۷۷)	اور اپنا عہد پورا کرتے ہیں جب عہد باندھ لیتے ہیں۔

یہودیوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بدعہدی کی تھی۔ اُن کی مذمت فرمائی اور اُنہیں بدترین جانور قرار دیا ہے۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۔ اَلَّذِيْنَ عَاهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ	خدا کے نزدیک بدترین جانور وہ ہیں جنہوں نے کفر کیا ہے چنانچہ ایمان نہیں لاتے۔ جن سے اے پیغمبر آپ نے عہد جوڑا ہے اگر وہ اپنا

عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ (۸: ۵۶) | عہد ہر مرتبہ توڑ دیتے ہیں اور ڈرتے نہیں۔

پھر جب مسلمانوں کو اُن مشرکوں سے معاہدے توڑ دینے کا حکم دیا جنہوں نے نبیؐ سے اور مومنوں سے بدعہدی کی تھی تو اِن میں سے بھی اُن مشرکین کو مستثنیٰ کر دیا جنہوں نے بدعہدی نہیں کی تھی، حالانکہ وہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے تھے۔ فرمایا

إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ (۹: ۴)

مگر اُن مشرکوں کے جن سے تم نے عہد باندھا اور اُنہوں نے تم سے نہ کوئی بدعہدی کی اور تمہارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی، تو اُن کا عہد اُن کی مدت تک پورا کرو، خدا پرہیزگاروں کو پسند کرتا ہے۔

پھر فرمایا:

كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِندَ اللَّهِ وَعِندَ رَسُولِهِ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّمْ عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ (۷)

اللہ اور اُس کے رسول کے نزدیک مشرکوں کا عہد کیونکر قابل تسلیم ہو سکتا ہے، مگر اُن لوگوں کے جن سے تم نے مسجد حرام کے پاس عہد باندھا، تو تم اُس پر قائم رہو جب تک وہ قائم رہیں۔ اللہ پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے۔

عہد کی پاسداری پر اس قدر زور دیا گیا ہے کہ معاہدے والے کافروں کے مقابلہ میں ہمیں اپنے اُن مسلمان بھائیوں کی مدد سے بھی منع کر دیا ہے جو ہماری حکومت میں داخل نہیں ہیں۔ فرمایا

وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ فَعَلَیْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰی قَوْمٍۭ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ (۸: ۷۲)

اور اگر وہ دین کے معاملہ میں تم سے مدد مانگیں تو اُن کی مدد تم پر لازم ہے، مگر اُن لوگوں کے مقابلہ میں جن سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے۔

۷۔ جزیہ، جنگ کا مقصد ہے نہ کہ اُس کا موجب

اہل کتاب سے جنگ کے متعلق آیت جزیہ حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَةَ عَنْ یَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ۔ کی تفسیر میں ہم نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔

"یہ اہل کتاب سے جنگ کا مقصد ہے اور اُس کے حاصل ہوتے ہی جنگ بھی ختم ہو جاتی ہے۔ یعنی اہل کتاب سے جنگ کرو جب جنگ کی مجبوری پیش آ جائے۔ جیسے وہ تم پر یا تمہارے ملک پر دست درازی کریں، یا دین سے برگشتہ کرنے کے لیے تمہیں تکلیف دیں، یا تمہارے امن و سلامتی کو خطرے میں ڈالیں، جیسا کہ صدر اول میں رومیوں نے کیا تھا، اور جس کی وجہ سے غزوۂ تبوک پیش آیا تھا، غرضکہ جب ایسے حالات پیش آئیں تو اِن لوگوں سے جنگ کرو یہاں تک کہ اُن کی عداوت سے محفوظ ہو جاؤ، اور یہ اِس طرح کہ وہ تمہیں جزیہ ادا کریں، مگر دو قیدوں کے ساتھ پہلی قید یہ ہے کہ

وہ جزیہ اس حال میں ادا کریں کہ ادا کرنے کی مقدرت رکھتے ہوں۔ "عن ید" کا یہی مطلب ہے۔ اسلام نے اُن لوگوں پر جزیہ نہیں رکھا ہے جن میں ادا کرنے کی مقدرت نہیں ہے۔ دوسری قید یہ ہے کہ وہ "صاغرون" کے ساتھ ادا کریں۔ اس لفظ سے مقصود یہ ہے کہ اُن کا زور ٹوٹ جائے اور وہ تمہاری برتری و حکمرانی کے سامنے بالکل جھک جائیں۔ اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسلام کی طرف اُن کی رہنمائی آسانی سے ہو جائے گی، کیونکہ جب وہ تمہارا انصاف، حق، اور نیکی دیکھیں گے تو سمجھ جائیں گے کہ تم اُن کے پیغمبروں کی ہدایت سے خود اُن سے بھی زیادہ قریب ہو۔ اس طرح اُن کے دل میں دین الٰہی کا اثر بیٹھ جائے گا۔ اس کے بعد اگر وہ مسلمان ہو جائیں گے تو ہدایت، انصاف، اتحاد عام ہو جائے گا۔ اگر مسلمان نہ ہوں تو بھی اُن کے لیے یہ کیا کم نعمت ہے کہ وہ تمہارے ساتھ انصاف میں برابر ہو جائیں گے اور دارالاسلام میں انصاف و مساوات کو روک نہ سکیں گے۔ لیکن اگر جنگ کو فرض کرنے والے مذکورۂ بالا اسباب موجود نہ ہوں اور جنگ شروع ہو جائے تو ایسی جنگ کو جزیہ ادا ہونے کی صورت میں بدرجۂ اولیٰ ختم ہو جانا چاہیے جب اہل کتاب جزیہ ادا کرنے پر آمادہ ہو جائیں، تو مسلمانوں کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ انہیں امن بخشیں، اُن کی حمایت کریں، اُن کی اور اُن کے دین کی آزادی کی حفاظت کریں، اور اُن سے بالکل مسلمانوں ہی کا سا مساوات و مساویا

رتا ذکریں۔ یہ لوگ شرع کی بول چال میں "ذمی" کہے جاتے ہیں، کیونکہ اُنہیں یہ تمام حقوق، اللہ اور اُس کے رسول کی ذمہ داری پر حاصل ہوئے ہیں۔ لیکن جن لوگوں سے اِس بنیاد پر معاہدہ ہوتا ہے کہ طرفین کی خودمختاری محفوظ رہے گی، تو یہ لوگ "معاہد" کہلاتے ہیں، اور اِن کا بیان، سورۂ انفال کی تفسیر میں گزر چکا ہے،،

پھر یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام میں جزیہ کبھی اُس طرح کا ٹیکس شمار نہیں کیا گیا جو فاتح، مفتوحوں پر لوٹ مار کے علاوہ لگا دیا کرتے تھے، بلکہ یہ ایک قلیل رقم تھی جو اُس خدمت کے عوض وصول کی جاتی تھی جو اسلامی حکومت، ذمیوں کی کیا کرتی تھی۔ اُنہیں ہر قسم کی زیادتیوں سے بچاتی تھی، جیسا کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ سے ہر شخص معلوم کر سکتا ہے۔ ظاہر ہے صحابہ، شریعت کے مقاصد سب سے زیادہ جانتے اور اُنہیں پورا کرنے میں سب سے زیادہ عدل و انصاف برتتے تھے۔ اِس کے شواہد بکثرت موجود ہیں جنہیں ہم اپنی تفسیر میں اِسی آیت کے سلسلہ میں درج کر چکے ہیں۔

چنانچہ خالد بن الولید رضی اللہ عنہ جب فرات میں فاتحانہ داخل ہوئے تو اُنہوں نے صلوبا بن نسطونا کو حسب ذیل عہد نامہ لکھ دیا تھا۔

"یہ تحریر خالد بن الولید کی طرف سے صلوبا بن نسطونا اور اُس کی قوم کے نام ہے ــــــ میں نے تم سے جزیہ اور حمایت پر معاہدہ کیا ہے۔

تمہارے لیے ہمارا ذمہ ہے اور ہماری حمایت ہے۔ جب تک ہم تمہاری حمایت کریں گے تم سے جزیہ لیں گے۔ جب حمایت نہ کرسکیں گے تو جزیہ بھی تم ادا نہیں کروگے۔
ماہ صفر ۱۲ھ میں یہ تحریر لکھی گئی۔

یہ معاہدہ اس بات کی صاف دلیل ہے کہ جزیہ، حمایت و حفاظت کا عوض ۲
ہے۔ جب تک حمایت رہے گی جزیہ بھی رہے گا۔ جب حمایت باقی نہ رہے گی جزیہ بھی باقی نہ رہے گا۔

اس کی تائید اُس واقعہ سے بھی ہوتی ہے جسے بلاذری نے "فتوح البلدان" اور واقدی نے "فتوح الشام"(1) میں لکھا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت ابو عبیدہ کے حکم سے وہ تمام جزیہ واپس کر دیا تھا جو شہر حمص کے باشندوں سے وصول کرچکے تھے اور واپس کرتے وقت صاف کہہ دیا تھا کہ ہم نے تم سے جزیہ محض اس لیے لیا تھا کہ تمہاری حفاظت و حمایت کریں گے، مگر چونکہ اب تمہاری حفاظت و حمایت نہیں کرسکتے، اس لیے تمہارے جزیہ کی رقم واپس کردینا ضروری ہے۔ یہ واقعہ جنگ یرموک سے پہلے پیش آیا تھا اور حمص کے باشندوں کو اس پر بہت تعجب ہوا تھا، عیسائیوں کو بھی اور یہودیوں کو بھی۔ اور یہ اس لیے کہ فاتح ہونے کے باوجود مسلمانوں نے اس قدر اچھا برتاؤ کیا تھا، چنانچہ وہ اپنے ہم مذہب رومیوں کے مقابلے میں مسلمانوں کی فتح کی دعائیں کرنے لگے تھے۔

---

(۱) واقدی کی فتوح الشام مترجم ملیح آبادی شائع ہوچکی ہے (مترجم)

اس تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام نے سرکشی و ظلم کی راہ سے جنگ کو حرام قرار دیا ہے، اور جنگ کا مقصد صرف یہ قرار دیا ہے کہ دنیا سے برائیاں دور کی جائیں اور بھلائیاں قائم کی جائیں۔ یعنی اسلام نے جنگ کو محض ایک ضرورت اور مجبوری کی چیز قرار دیا ہے جسے اُس کی قدرتی حدود ہی تک محدود رکھا جانا چاہیے۔ پھر اس تفصیل سے یہ حقیقت بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ سچا اور شریفانہ امن، صرف اسلام ہی کی راہ سے دنیا کو مل سکتا ہے، بشرطیکہ اُس کے ٹھہرائے ہوئے اصول پر جنگ کے قواعد و قوانین مقرر کیے جائیں۔

اسلام کے یہ اصول دیکھ کر ہر کس و ناکس معلوم کر سکتا ہے کہ اس بارے میں کوئی دین، کوئی بین الاقوامی قانون، کوئی فلسفی یا اخلاقی ضابطہ اور کوئی قوم بھی اپنے عمل و قانون سے اسلام پر فوقیت نہیں رکھتی۔ صرف یہی ایک بات ہر اُس شخص کے لیے جو علیم و حکیم پروردگار پر ایمان رکھتا ہے، اِس حقیقت کی کھلی دلیل ہے کہ یہ سب کچھ محمد عربی نبی اُمّی نے اللہ عزوجل کی وحی سے ہی معلوم کیا ہے، اور یہ کہ آپ کی عقل و دہانت، اِن اجتماعی پیچیدگیوں کو وحی الٰہی کے بغیر سلجھا نہیں سکتی تھی۔ لیکن اِس اعلیٰ ہدایت کے ساتھ جب مذکورۃ بالاتفاق کو اور آیندہ بیان ہونے والے روحانی، اخلاقی، اجتماعی معارف اور غیب کی خبروں کو دیکھا جائے تو پھر آپ کی نبوت مان لینے میں کیسے تامل ہو سکتا ہے؟

P R Razaullah

قرآن کا نواں مقصد

عورتوں کیلئے تمام انسانی، دینی، اور تمدنی حقوق

اسلام سے پہلے تمام قوموں، تمام شریعتوں، تمام قانونوں، حتیٰ کہ اہل کتاب میں بھی عورتیں، مظلوم تھیں، حقیر تھیں۔ کیسر بے معنی باقی تھیں۔ یہاں تک کہ اسلام آیا، اور خدا نے اپنے خاتم النبیین محمد علیہ الصلاۃ والسلام کو مبعوث کر کے ایمان کامل کر دیا۔ اسی مقدس کتاب اور اپنے پیغمبر کی سنت کے ذریعہ، جو کتاب الٰہی کا قولی و عملی بیان ہے، عورتوں کو وہ تمام حقوق بخش دیئے جو مردوں کو حاصل تھے، بجز اُن باتوں کے جو عورت کے مخصوص مزاج اور فرائض سے تعلق رکھتی ہیں۔ اسلام نے اسی قدر نہیں کیا بلکہ عورت کی عزت کا خیال رکھا ہے، اور اُس سے مہربانی کے برتاؤ کا حکم دیا ہے، حتیٰ کہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے "عورتوں کی عزت وہی کرتا ہے جو شریف ہے اور اُن کی توہین وہی کرتا ہے جو بدنفس ہے"۔ (ابن عساکر حدیث علی علیہ السلام)

صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین میں جو لوگ زیادہ عقلمند تھے، وہ محسوس کرتے تھے کہ اسلام نے عرب کے فساد، ظلم، بداخلاقی کی کتنی بڑی اصلاح کی ہے، چنانچہ وہ اس چیز کو بہت اہمیت دیتے اور رائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

موت کا ایک تصور خیال کرتے تھے، کیونکہ اُنہیں معلوم تھا کہ موت سے پہلے آپ اُن میں نہ علم کے لحاظ سے ممتاز تھے نہ طاعت کے لحاظ سے۔ آپ کو جو کچھ خصوصیت حاصل تھی وہ صرف اعلیٰ اخلاق اور پاک فطرت کی بنا پر تھی۔ اسی لیے جلیل القدر مصلح پیغمبر اسلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روش کو جاری کرنے والے، قوموں کے نظم و نسق میں انصاف قائم کرنے والے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے "اسلام کو شکست کر ڈالنے والی یہ چیز ہے کہ ہم جاہلیت میں اپنی حالت کو بھول جائیں!" حضرت عمر کو اگر تاریخ اقوام سے واقفیت ہوتی تو جان لیتے کہ اسلام نے صرف عرب ہی کی نہیں بلکہ تمام قوموں کی اصلاح کر دی ہے، عام اس سے کہ بُت پرست ہوں یا اہل کتاب، کسی ایک چیز میں نہیں بلکہ تمام چیزوں میں۔ میں یہاں عورتوں کی اصلاح سے متعلق بعض اہم اسلامی اصول کی طرف اشارہ کرتا ہوں جنہیں حقوقِ نسواں سے متعلق اپنی کتاب میں تفصیل سے بیان کر چکا ہوں۔ اس کتاب کے مقدمہ میں بعثت محمدی سے پہلے تمام قوموں کی عورتوں کا حال اس طرح لکھا ہے۔

"عورت، مال و اسباب اور چوپایوں کی طرح بیچی اور خریدی جاتی تھی۔ اُسے شادی کرنے اور بدکاری اختیار کرنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ اُس کے مال میں تو لوگ وارث بن جاتے تھے، مگر وہ کسی کے مال میں وارث بن نہیں سکتی تھی۔ لوگ اُس کے مالک بن سکتے تھے، مگر وہ کسی چیز کی مالک بن نہیں

سکتی تھی۔ اُسے حق نہ تھا کہ مرد کی اجازت کے بغیر اپنی کسی چیز میں بھی تصرف کر سکے، صرف شوہر ہی کو حق تھا کہ اپنی بیوی کے مال میں جو چاہے، کرے مگر بیوی کو اپنے مال میں کوئی اختیار حاصل نہ تھا۔ بعض ملکوں میں تو یہ بحث بھی بڑی سنجیدگی سے جاری تھی کہ آیا مرد کی طرح عورت بھی انسان ہے جس میں خدا کی لازوال روح جلوہ گر ہے؟ اور یہ کہ اُسے دین کی تعلیم دیا جائے یا نہیں؟ اور یہ کہ اُس کی عبادت صحیح ہوتی ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ وہ جنت میں داخل ہوگی یا نہیں؟ روم کی ایک دینی کانگریس نے فتویٰ دیا تھا کہ عورت، محض حیوان ہے جس میں روح نہیں ہے، لیکن اُس پر عبادت اور خدمت فرض کر دی گئی ہے اور یہ کہ اونٹ اور کتے کی طرح عورت کا منھ باندھ دینا چاہیے تاکہ وہ ہنس سکے نہ بول سکے، کیونکہ وہ شیطان کا جال ہے۔ اسی بڑی پرانی شریعتوں نے بھی باپ کے لیے جائز رکھا تھا کہ اپنی بیٹی کو بیچ ڈالے۔ بعض عربوں کے نزدیک باپ کو حق تھا کہ اگر اپنی بیٹی کو قتل کر ڈالے تو نہ اُس سے قصاص لیا جائے گا نہ خوں بہا وصول کیا جائے گا۔"

اس کے بعد میں نے اسلام میں عورتوں کے حقوق پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے:

"اسلام نے آکر عرب و عجم کی اُن تمام زیادتیوں کو دور کر دیا جو وہ عورتوں سے جائز رکھتے تھے، جیسے اُنہیں حقِ ملکیت سے محروم کرنا یا اپنے مال میں

بھی انہیں تصرف سے باز رکھا۔ شوہروں کا اپنی بیویوں کی جائداد میں جو چاہے کرنا۔ اسلام نے اِن تمام مظالم کو دور کر کے عورت کو ملکیت کے تمام حقوق بخش دیئے۔ چنانچہ مردوں کی طرح عورتوں کو بھی حق دیا کہ اپنے مال میں آزادی سے وصیت کریں، اور اپنے رشتہ داروں کی جائداد کی وارث ہوں۔ اسی قدر نہیں بلکہ مردوں سے زیادہ یہ حق بھی بخشا کہ اُن کے لیے مہر مقرر کر دیا اور ضروری ٹھہرایا کہ شوہر اُن کا اور اُن کی اولاد کا نفقہ بھی ادا کریں، اگرچہ عورتیں، مالدار ہی کیوں نہ ہوں۔ پھر عورتوں کو تجارت کرنے کے، اجارہ دینے کے، ہبہ کرنے کے، صدقہ نکالنے کے، غرضکہ تمام جائز حقوق جو مردوں کو حاصل تھے، انہیں بھی دے دیئے، حالانکہ فرانس کی عورتیں آج تک مالی اور قانونی معاملات میں اپنے شوہروں کی پابند ہیں،،

اپنی مذکورہ بالا کتاب سے میں ذیل کے مسائل اختصار کے ساتھ یہاں درج کرتا ہوں۔

۱ــــ بہت سے یورپین اور دوسرے لوگ، عورت کو انسان نہیں بلکہ بے عقل جانور یا شیطان سمجھا کرتے تھے، یہاں تک کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے اِس فرمان کا اعلان کیا

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَ	اے لوگو، ہم نے تمہیں ایک ہی نر اور مادہ سے پیدا کیا اور قوموں قبیلوں کی شکل میں

قَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا، اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ۔
(۱۳-۴۹)

کر دیا تاکہ باہم شناخت کرو۔ خدا کے نزدیک عزت والا وہی ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

نیز اعلان فرمایا

يَا اَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَاءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَاءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا (۴-۱)

اے لوگو، ڈرو اپنے پروردگار سے جس نے تمہیں ایک ہی جان سے پیدا کیا اور اُس کا جوڑا بھی اُسی سے پیدا کیا، اور دونوں سے بہت مرد اور عورتیں پھیلا دیں۔ ڈرو اللہ سے جس کا آپس میں واسطہ دیتے رہتے ہو اور رشتوں کا خیال رکھو اللہ تم پر نگراں ہے۔

۲۔۔۔۔ یورپ وغیرہ ممالک میں بہت سے لوگ سمجھتے تھے کہ عورت کا دین و ایمان، صحیح نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ اُسے قانون کے رو سے مقدس کتابیں پڑھنے سے روکتے تھے، یہاں تک کہ اسلام آیا اور اُس نے تمام دینی معاملات میں مردوں اور عورتوں کو مومنین و مومنات، مسلمین و مسلمات کہہ کر یکساں طور سے مخاطب کیا۔ اس بارے میں قرآنی آیات سب کو معلوم ہیں۔

خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے ایمان لانے

والی ایک عورت ہی تھی، اور وہ آپ کی زوجہ، خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہ تھیں۔ خود قرآن میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کا ذکر کیا ہے، پھر اسی بیعت کے بموجب آپ نے مردوں سے بیعت لی ۔ اور جب قرآن باضابطہ طور پر ایک مجلّد کے اندر جمع کیا گیا تو ایک عورت ہی کے پاس اُس کی جلد رکھی گئی تھی، اور وہ ام المومنین حفصہ تھیں۔ خلیفۂ اول ابوبکر صدیق کے وقت سے خلیفۂ سوم عثمان بن عفان (رضی اللہ عنہم) کے وقت تک قرآن کی جلد اُنہی کے پاس رہی، یہاں تک کہ اُن سے لے کر اُس کی کئی نقلیں کرائی گئیں اور مختلف علاقوں میں بھیج دی گئیں تاکہ اُنہی کو اصل قرار دیا جائے اور اُنہی سے مزید نقلیں کی جائیں۔

۳ ــــ بہت لوگوں کا عقیدہ تھا کہ عورت میں خدا کی روح نہیں ہے، اس لیے وہ جنت میں مومنوں کے ساتھ نہیں رہے گی ــــ یہ وہم اس غلط خیال پر مبنی تھا کہ عورت، دیندار نہیں ہو سکتی ــــ لیکن قرآن نے آکر فرمایا:

لَيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ وَلَا أَمَانِيِّ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ وَلَا يَجِدْ لَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ	نہ تمہاری آرزوؤں سے کچھ ہے نہ اہل کتاب کی آرزوؤں سے جو شخص برائی کرے گا، اُسے سزا ملے گی اور خدا کے مقابلہ میں کسی کو حامی اور مددگار نہ پا سکے گا۔ مرد ہو یا عورت، جو کوئی بھی

وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا۔

نیکوکار ہوگا، اس حال میں کہ مؤمن ہے، تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرا ظلم نہ کیا جائے گا۔

اور فرمایا

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنْكُمْ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ۔

اُن کے پروردگار نے فرمایا میں تم میں سے کسی نیکوکار مرد یا عورت کا عمل ضائع ہونے نہیں دونگا۔ تم باہم ایک ہی ہو۔

اس آیت میں صاف وعدہ فرمایا ہے کہ عورتوں کو بھی بہتی ہوئی نہروں والی جنتوں میں داخل کیا جائے گا۔

۴۔۔۔۔۔ بہت لوگ عورتوں کو حقیر سمجھتے تھے اور روا نہ رکھتے تھے کہ مردوں کے ساتھ دینی عبادت خانوں اور اخلاقی محفلوں میں شریک ہوں۔ یہ اجتماعی، سیاسی، اصلاحی کاموں میں حصہ لیں، مگر قرآن نے آکر یہ کہا کہ

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَ

مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کی مددگار ہیں۔ یہ سب مل کر نیکی کا حکم دیتے، برائی سے منع کرتے، نماز قائم کرتے، زکاۃ ادا کرتے، اور اللہ و رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔

سَرسُولَہٗ، اُولٰٓئِکَ سَیَرْحَمُھُمُ اللّٰہُ، اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ۔	اللہ عنقریب اُن پر رحم کرے گا۔ اللہ زبردست ہے حکمت والا۔

اِس آیت میں صاف طور پر فرما دیا ہے کہ مومن عورتیں عام طور پر مومن مردوں کی مدد کریں گی۔ اس میں جنگی مدد بھی داخل ہے، مگر شریعت نے عورتوں پر جہاد فرض نہیں کیا ہے، لہذا جنگوں میں اُن کی مدد یہ تھی کہ مجاہدوں کے لیے کھانا پکاتی تھیں۔ پانی لاتی تھیں۔ زخمیوں کی تیمار داری کرتی تھیں۔ اسی قدر نہیں بلکہ مردوں کے ساتھ نماز جماعت پڑھتی تھیں نیکی کا حکم دیتی تھیں۔ برائی سے منع کرتی تھیں، حتیٰ کہ اُن میں سے بعض تو خود امیر المومنین عمر بن خطاب پر علی الاعلان اعتراض کر بیٹھتی تھیں، اور اگر امیر المومنین غلطی پر ہوتے تھے تو اپنی رائے چھوڑ کر اُن کی بات مان لیتے تھے، حالانکہ معلوم ہے کہ حضرت عمر سے مرد بھی لرزہ براندام رہتے تھے۔

اِس آیت کے بعد خدا نے وہ سب سے بڑی آیت نازل کی ہے جس میں مردوں اور عورتوں، دونوں کے ثواب کو بیان کر دیا ہے، جسمانی ثواب کو بھی اور روحانی ثواب کو بھی۔ فرمایا:

وَعَدَ اللّٰہُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْہَا وَمَسٰکِنَ طَیِّبَۃً	خدا نے مومن مردوں اور عورتوں سے ایسی جنتوں کا وعدہ کیا ہے جس میں نہریں بہتی ہونگی اور ستھرے مکانوں کا دائمی جنتوں میں وعدہ

﴿بِي حَسَّابِ عَدْنٍ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ أَكْبَرُ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾	کیا ہے۔ اللہ کی رضامندی سب سے بڑی چیز ہے، اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

۵ ـــــ بہت لوگ عورتوں کو حق میراث سے محروم کرتے تھے۔ بہتیرے انہیں ملکیت کا بھی حق نہیں دیتے تھے۔ بلکہ جو کچھ اُن کے ہاتھوں میں ہوتا تھا، اُس میں بھی انہیں تصرف کا مجاز نہیں سمجھتے تھے۔ اسلام نے آکر اس ظلم کا قلع قمع کر ڈالا، اور یہ تمام حقوق عورتوں کو دائرۂ شریعت کے اندر بخش دیئے۔ فرمایا

﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا﴾	والدین اور رشتہ دار جو کچھ چھوڑیں، اُس میں مردوں کا بھی حصہ ہے اور عورتوں کا بھی، چاہے وہ زیادہ چھوڑیں یا کم۔ یہ مقرر کیا ہوا حصہ ہے۔

اور فرمایا،

﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ﴾	مردوں کے لیے اُن کے اعمال کا حصہ ثابت ہے اور عورتوں کے لیے اُن کے اعمال کا حصہ ثابت ہے۔

یہ اسلام نے آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے کیا ہے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ولایات متحدۂ امریکا نے ابھی حال ہی میں عورتوں کو ملکیت

وتصرّف کا حق دیا ہے، لیکن فرانسیسی عورت آج بھی اِن معاملات میں اپنے شوہر کی خواہشوں کی پابند ہے۔ برخلاف اس کے مسلمان عورت کو یہ حقوق شروع سے حاصل ہیں!

۶ ــــــ بدوی قبیلوں اور متمدن قوموں میں شادی دراصل ایک قسم کی غلامی تھی۔ مرد، عورتوں کو کنیزیں بنایا کرتے تھے۔ لیکن اسلام نے شادی کو ایک دینی شہری معاہدہ بنادیا، تاکہ ایک طرف نفس کو اُس کا فطری حق حاصل ہوجائے۔ دوسری طرف دل دستوں کی باہمی محبت کا دائرہ وسیع ہوکر اُن کے خاندانوں میں محبت عام ہوجائے۔ رحم وکرم کا انسانی جذبہ مکمل ہوجائے، اور والدین سے اولاد میں منتقل ہوجائے چنانچہ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً، إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ۔	خدا کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اُس نے تمہارے لیے تمہاری ہی قسم کے جوڑے بنائے تاکہ اُن کے پاس چین پاؤ اور رکھ دیا تمہارے بیچ پیار اور مہر۔ اس میں دھیان کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

۷ ــــــ قرآن نے نیکی اور بھلائی کی بنیاد پر تمام واجبات وحقوق میں مردوں اور عورتوں کو برابر کردیا ہے۔ مگر ہاں خانگی زندگی میں سرداری

مرد کو حق ہے، کیونکہ وہ کمائے اور حمایت کرنے کی عورت سے زیادہ قدرت رکھتا ہے۔ فرمایا:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ۔	عورتوں کا حق بھی ویسا ہی ہے جیسا اُن کے ذمہ ہے نیکی کے ساتھ، اور مردوں کو اُن پر درجہ حاصل ہے۔

اس "درجہ" کی تشریح یہ فرمائی:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ۔	مرد، عورتوں پر سردار ہیں، اس لیے کہ اللہ نے بعضوں کو بعض پر فضیلت دی ہے، اور اس لیے کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔

اسی سرداری کی بنا پر شوہر کے ذمہ کر دیا گیا ہے کہ اپنی بیوی اور بچوں پر خرچ کرے۔ اس خرچ کا کچھ بھی بار عورت پر نہیں رکھا، اگرچہ وہ اپنے شوہر سے زیادہ مالدار ہی کیوں نہ ہو۔ اسی قدر نہیں بلکہ عورت کے لیے مہر کی رقم بھی مقرر کر دی ہے۔ معاہدے کے موجب ہر مسلمان پر فرض ہے کہ اپنی بیوی کا مہر پورا ادا کر دے، حتیٰ کہ اگر عقد کے وقت مہر کا ذکر نہیں کیا گیا ہے، تو بھی شوہر کو اُتنا مہر ضرور ادا کرنے پڑے گا جتنا سوسائٹی میں اُس کی بیوی جیسی عورت کو دیا جاتا ہے۔ پیرزل دستو کو یہ بھی حق دیا ہے کہ اگر چاہیں تو مہر کی رقم کو مؤجّل کر دیں، یعنی وہ بعد میں ادا کی جائے۔ برخلاف اس کے

ہم آج بھی دیکھتے ہیں کہ غیر مسلم قومیں، عورتوں کو مجبور کرتی ہیں کہ اپنے شوہروں کو مہر ادا کریں!

اسلام سے پہلے یہ دستور تھا کہ عورت کے سرپرست اُسے شادی پر مجبور کر دیا کرتے تھے، ایسے آدمی سے بھی جسے وہ ناپسند کرتی تھی یا یہ کرتے تھے کہ عورت کو شادی کرنے ہی سے روک دیتے تھے۔ یہ بھی ہوتا تھا کہ شوہر طلاق دے دیتے تھے، مگر مطلقہ کو دوسرا نکاح کرنے نہیں دیتے تھے۔ اسلام نے اِن سب باتوں کو بالکل حرام کر دیا جیسا کہ کلام اللہ اور سنت رسول اللہ سے ثابت ہے اور سب کو معلوم ہے۔

۸ ــــــ عرب، بنی اسرائیل، اور دوسری قوموں کے مرد جتنی عورتوں سے چاہتے تھے، شادی کر لیتے تھے۔ کسی تعداد کے بھی پابند نہ تھے۔ اپنی بیویوں میں انصاف بھی نہ کرتے تھے۔ اسلام نے آکر یہ کیا کہ بیک وقت چار عورتوں سے زیادہ شادی کرنے سے منع کر دیا، اور یہ بھی صاف کہہ دیا کہ جسے اندیشہ ہو کہ وہ عورتوں میں بھی انصاف نہیں کر سکے گا، اُسے صرف ایک ہی عورت رکھنی چاہیے۔ اسلام نے ایک سے زیادہ شادی کی اجازت صرف اُسی شخص کو دی ہے جسے اِس کی واقعی ضرورت ہو اور خرچ بھی کر سکتا ہو۔ یہ امر تو درحقیقت ایک اجتماعی ضرورت ہے اور اکثر پیش آجاتی ہے، جیسے پہلی بیوی بانجھ ہو۔ یا اتنی بوڑھی ہو گئی ہو کہ اولاد پیدا نہ کر سکے، یا ایسی بیماری میں مبتلا

ہوگئی ہو کر کام کی نہیں رہی، یا ایسی صورت حال ہو کہ شوہر کے لیے کافی نہ ہو۔ پھر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کئی کئی شادیاں خود عورتوں کی مصلحت کے مطابق ہوتی ہیں، مثلاً جب وہ مردوں سے زیادہ ہو جائیں، جیسا کہ بڑی جنگوں کے بعد اکثر دیکھا جاتا ہے، یا یہ کہ جب بہت سے مرد کمائی کے لیے ہجرت کر جائیں۔

غور کرو زنا کو حرام قرار دینے والی شریعت کیونکر عورت کی انسانیت کی مصلحت اس میں تصور کر سکتی ہے کہ جب عورتیں مردوں سے زائد ہو جائیں تو زوجیت کی زندگی سے، اس کی پرہیزگاری سے، شوہر کی کفالت سے، مادری رحم کی عزت سے محروم رہیں؟ کیا سوسائٹی کا فائدہ اس میں ہے کہ عورتوں کو بدکاری کی اجازت دے دی جائے، اور وہ ان بدنی اور اجتماعی مصائب و آلام میں مبتلا ہو جائیں جن میں ہم آج کل یورپین ملکوں کی عورتوں کو اور ان کے محکوم یا مقلد ملکوں کی عورتوں کو مبتلا دیکھ رہے ہیں؟

ہم نے یہ بحث سورۂ نساء کی آیتِ تعدد میں صاف کر دی ہے، اس کے بعد اپنی کتاب "اسلام میں حقوقِ نسواں" کے اندر اور اضافہ کر دیا ہے جسے دیکھ کر ہر عاقل و منصف آدمی تسلیم کرے گا کہ اسلام نے تعدادِ ازدواج کے بارے میں جو کچھ کیا ہے، وہی سراسر حق و انصاف ہے، اور انسانی مصلحت کے مطابق۔

۹ــــــ طلاق بھی کبھی زوجیت کی زندگی کی ایک ضرورت بن جاتی ہے، مثلاً جب زن و شو باہم حقوق زوجیت ادا نہیں کر سکتے۔ حدود الٰہی قائم نہیں کرتے۔ نیکوکاری پر استوار نہیں رہتے۔ نفقہ کا ساماں نہیں ہو سکتا۔ اور اچھائی کے ساتھ یکجائی مشکل ہو جاتی ہے۔ اہل کتاب اور عرب بت پرست دونوں گروہوں کے ہاں طلاق جائز تھی، مگر اس طرح کہ عورتیں ہی ہمیشہ سخت نقصان میں رہتی تھیں۔ لیکن اسلام ایسی اصلاح لایا جیسی نہ کسی پچھلی شریعت میں موجود تھی نہ قانون میں۔ اہل فرنگ طلاق کو حرام سمجھتے تھے اور اس کی وجہ سے اسلام پر حرف گیری کیا کرتے تھے؛ لیکن بعد میں مجبور ہو گئے کہ اُسے جائز کریں مگر ایسے بُرے طریقہ سے اور اس قدر اسراف و مبالغہ کے ساتھ کہ اُن کی خانگی زندگی کے درہم برہم ہو جانے اور خاندان و کنبہ کے رشتے ٹوٹ جانے کا اندیشہ پیدا ہو گیا ہے۔ ان لوگوں کے ہاں طلاق کے جو اسباب اخباروں میں شائع ہوتے رہتے ہیں، نہایت مضحکہ خیز ہیں، مثلاً یہ کہ عورت سر پر پورے بال رکھتی ہے یا نہیں! اور یہ کہ مرد داڑھی منڈاتا ہے یا بڑھاتا ہے! یا یہ کہ شوہر گھر میں اخبار اور کتابیں پڑھا کرتا ہے! یا یہ کہ عورت بہت باتونی ہے حتیٰ کہ ٹیلیفون پر بھی باتیں کرتی رہتی ہے!

اسلام نے نکاح کا معاملہ مرد کے ہاتھ میں رکھا ہے، اس لیے طلاق کا حق بھی قدرتی طور پر اُسی کے ہاتھ میں ہونا چاہیے۔ چونکہ مرد ہی نکاح کرنے

اور نکاح توڑنے کا خرچ پڑتا ہے، اس لیے وہ عورت سے زیادہ نکاح کو برقرار رکھنے پر مجبور ہوتا ہے۔ پھر وہ عورت سے زیادہ بہادر ہوتا اور صدائد برداشت کرسکتا ہے۔ مزید برآں خدا نے اپنی کتاب میں یہ حکم دے کر مردوں کو اور بھی زیادہ صبط نفس کرنے اور عورتوں کی کمزوریاں سہنے پر آمادہ کر دیا ہے۔

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا۔	عورتوں کے ساتھ بھلائی سے رہو، اگر تم انہیں ناپسند کرتے ہو تو ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور خدا اُس میں تمہارے لیے بہت بھلائی رکھ دے۔

لیکن شریعت نے عورت کو حق دیا ہے کہ شوہر سے یہ شرط لے لے کہ دوسری شادی نہیں کرے گا، اور اگر کرے تو وہ اُس سے الگ ہو سکتی ہے۔ پھر یہ حق بھی دیا ہے کہ اگر شوہر میں کوئی جسمانی نقص ہو یا بیمار ہو یا نفقہ کا متحمل نہ ہو سکے، تو عورت قاضی سے مطالبہ کر سکتی ہے کہ نکاح فسخ کر دیا جائے۔ مطلقہ کا خرچ شوہر کے ذمہ رکھا ہے جو اُسے عدّت کے زمانہ میں ادا کرتا رہے گا، یعنی جب تک عورت کے لیے دوسری شادی کرنے کی اجازت نہیں۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق کی مذمت کی ہے اور فرمایا ہے کہ خدا اُسے سخت ناپسند کرتا ہے اور یہ اس لیے کہ مسلمانوں کو بھی اُس سے نفرت پیدا ہو۔ غیرہ وغیرہ احکام جنہیں ہم نے اپنی تفسیر اور عورتوں سے متعلق اپنی ہی کتاب میں بیان

کر دیا ہے۔

۱۰ــــــ اسلام نے والدین سے نیکی کا برتاؤ کرنے کی بہت زیادہ تاکید کی ہے، اور اسے خود عبادتِ الٰہی کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں سے حسنِ سلوک کو باپ سے سلوک پر مقدم رکھا ہے۔ اس کے بعد لڑکیوں کی تربیت اور بہنوں کی کفالت پر بہت زور دیا ہے۔ اسلام نے یہاں تک کیا ہے کہ ہر عورت کے لیے ایک سرپرست کا وجود ضروری ٹھہرا دیا ہے جو اُس کا خیال رکھے اور اُس کے کام آئے۔ جس عورت کا کوئی رشتہ دار ولی نہیں ہے، اُس کی سرپرستی مسلمان حکّام کے ذمہ واجب کر دی ہے۔

غرض کسی دین، کسی شریعت، کسی قانون نے عورتوں کو وہ حقوق وہ عزت، وہ احترام نہیں بخشا، جو اسلام نے اُنہیں بخش دیا ہے کیا یہ سب اس بات کی کھلی دلیل نہیں ہے کہ علیم و حکیم، رحمان و رحیم خدا کی یہ دین ہے جو اُس نے اپنے نبی اُمّی پر نازل کی جسے امیوں ہی میں سے اٹھایا تھا۔ بے شک و شبہ یہ اللہ ہی کی وحی ہے اور ہم اس کے دلیل کے ساتھ گواہ ہیں، والحمد للہ رب العالمین!

قرآن کا دسواں مقصد

غلاموں کی آزادی

طاقتوروں کا کمزوروں کو غلام بنا لینا، قدیم ترین زمانہ سے انسانوں میں رائج ہے، بلکہ یہ چیز اُن کیڑوں میں بھی پائی جاتی ہے جو اجتماعی اور تعاونی زندگی بسر کرتے ہیں۔ چنانچہ چیونٹیوں کے دو قبیلوں میں جب لڑائی ہوتی ہے تو فتح پانے والا گروہ قتل سے بچ جانے والی چیونٹیوں کو پکڑ لیتا ہے اور اپنے لیے گھر بنانے اور کھانا وغیرہ جمع کرنے کی خدمت پر لگا دیتا ہے۔

قدیم تمدن کی مالک قومیں، مصری، بابلی، ایرانی، ہندوستانی، یونانی، رومی، اور عرب وغیرہم کمزوروں کو غلام بناتے اور اُن سے سخت ترین محنت کے کام لیتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ سنگ دلی اور ظلم سے پیش آتے تھے۔ یہودی اور عیسائی شریعتوں نے بھی غلامی کو جائز رکھا۔ فرنگیوں کے ہاں بھی غلامی برابر جاری رہی یہاں تک کہ اٹھارویں صدی عیسوی کے اواخر میں ولایات متحدۂ امریکا نے اپنے ہاں کے غلام آزاد کر دیے۔ اس کے بعد انیسویں صدی کے اواخر میں انگلستان نے مُہم شروع کی کہ تمام دنیا سے غلامی کو مٹا دیا جائے۔ لیکن ان دونوں حکومتوں نے یہ کام، انسانوں کی بھلائی اور اُن میں مساوات پیدا کرنے کے لیے نہیں کیا تھا، چنانچہ دنیا

ۃ امریکا کی حکومت ہنوز سفید فام آدمیوں کو امریکا کے اصلی سرخ فام
ہندوں پر ترجیح دیتی اور ان سے ایسا برتاؤ کرتی ہے جو دوسرے لفظوں
سیاسی غلامی ہے، وہ غلامی جسے تمام فرنگی قومیں بالکل جائز سمجھتی ہیں۔
طرح انگلستان، ہندوستانیوں کی تحقیر کرتا اور انہیں ذلیل رکھنے
شش میں لگا رہتا ہے، اگرچہ حال میں ہندوستانیوں کی قومی
ری نے اُس کے غرور و تکبر پر کاری ضرب لگادی ہے اور اب وہ
سے ویسا ذلت آمیز برتاؤ نہیں کرسکتا جیسا شروع سے کرتا آیا تھا۔

لیکن جب دنیا میں اسلام آیا تاکہ اُس کا نور ہر ظلمت کو دور اور ہر
اد کو دفع کردے، تو اُس نے دوسرے مفاسد کے ساتھ اُس ظلم کو بھی دور
غلاموں پر ہر جگہ جاری تھا۔ اسلام نے یہ کیا کہ غلامی کو بتدریج موقوف
ے والے احکام جاری کیے، کیونکہ یک دفعہ موقوفی، غلاموں کی مصلحت
ی خلاف تھی اور اُن کے آقاؤں کی مصلحت کے بھی خلاف
حکومت ولایات متحدہ امریکا نے دفعتاً غلامی موقوف کردی تھی، نتیجہ
اکہ آزاد ہو کر غلام ہر طرف روزی کی تلاش میں مارے مارے پھرنے
، اور جب کہیں نہ ملی تو اپنے آقاؤں کے پاس واپس آگئے اور درخواست
پھر اپنی خدمت میں لے لیں!

یہی واقعہ سوڈان میں پیش آیا۔ انگریزوں نے تحریر کرنا چاہا کہ وہ

آزاد غلاموں کے لیے آزاد کام مہیا کریں جو اُن کی روزی کے لیے کافی ہوں، مگر وہ اس تجربے میں ناکام رہے اور مجبوراً اجازت دیا پڑی کہ اپنے سابق آقاؤں کی خدمت میں اس شرط کے ساتھ واپس چلے جائیں کہ وہ اُنہیں بیچ نہ سکیں گے۔

اسلام اور غلاموں کی آزادی

اسلام نے غلامی موقوف کرنے کے لیے دو طریقے اختیار کیے مستقبل میں نئے غلام نہ بنائے جائیں، اور پرانے غلاموں کو بتدریج آزاد کر دیا جائے تاکہ کسی کو کوئی نقصان یا پریشانی اٹھانا نہ پڑے۔

ا۔ــــــ اسلام نے اس پرانے دستور کو بالکل منسوخ کر دیا کہ زبردست، کمزوروں کو غلام بنالیں۔ ہاں اُس نے جنگ میں قید ہونے والے دشمنوں کو غلام بنانے کی اجازت دی ہے، مگر جو جنگ پر اُس نے اتنی سخت پابندیاں عائد کر دی ہیں جو بُت پرست تو بُت پرست، کسی مہذب قوم کے ہاں بھی نہیں۔ پچھلے صفحوں میں دیکھ چکے ہو کہ اسلام نے جنگ کی اجازت اسی شرط سے دی ہے کہ اُس سے غرض مصلحت قائم کرنا اور فساد دور کرنا ہو۔ پھر جنگ میں پورا پورا انصاف پیش نظر رکھا جائے اور کوئی زیادتی نہ کی جائے۔ یہ بات نہیں ہے کہ اسلام نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ جنگ کے قیدیوں کو ضرور ہی غلام بنالیں، جس طرح دوسری قومیں کیا کرتی

تھیں۔ بلکہ اُس نے مسلمانوں کے اولو الامر کو اختیار دیا ہے کہ اس بارے میں مصلحت کو دیکھیں، یا تو احسان کر کے قیدیوں کو چھوڑ دیں یا فدیہ لے کر آزاد کر دیں۔ فدیہ کی دو صورتیں رکھی ہیں: قیدی اپنے بدلے مال ادا کریں یا دشمن اُن کے عوض مسلمان قیدیوں کو رہا کر دے۔ یہ چیز اُس آیت میں بیان کی گئی ہے جسے ہم اصول جنگ میں درج کر آئے ہیں:

فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً	قید کر لو، اس کے بعد یا احسان کر دیا فدیہ قبول کر لو۔

اس آیت میں مسلمانوں کو اختیار دیا گیا ہے کہ قیدیوں کو بغیر کسی معاوضہ کے رہا کر دیں یا فدیہ لے کر چھوڑ دیں، اس لیے اس سے غلام بنانے کی ممانعت میں شریعت کی ایک اصل قرار دے دیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ دونوں صورتوں میں سے ایک کا اختیار دینے سے یہی مطلب نکلتا ہے کہ تیسری صورت، یعنی غلام بنانا جائز نہیں ہے۔ مگر نہیں۔ یہ ممانعت اُسی وقت ثابت ہو سکتی تھی جب دوسری قومیں، مسلمانوں کو غلام بنانے پر تلی ہوئی تھیں۔ ظاہر ہے اس سے بڑھ کر نقصان کی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ دشمن تو ہمارے آدمیوں کو غلام بنائے اور ہم اُس کے آدمیوں کو چھوڑ دیں حالانکہ ہم مسلمان سب سے زیادہ رحم دل اور منصف ہیں جیسا کہ آیندہ معلوم ہو جائے گا۔ پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ آیت میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس

سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہو کہ مذکورۂ بالا دو صورتوں ہی پر عمل کیا جا سکتا ہے
اور تیسری صورت پر عمل نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا یہ آیت، غلامی کی حرمت پر
قطعی دلیل نہیں ہے۔ دراصل یہ معاملہ اولوالامر کے اجتہاد سے تعلق رکھتا ہے،
اور اُنہیں اختیار ہے کہ جنگ کے قیدیوں کو چاہیں غلام بنالیں، چاہیں احسان
کر کے چھوڑ دیں یا چاہیں فدیہ لے کر آزاد کر دیں۔

اِن دونوں صورتوں کو چھوڑ کر غلام بنانے کی مصلحت، کم حالات میں
پیش آسکتی ہے، اور یہ حالات بھی دائمی نہیں بلکہ عارضی ہو سکتے ہیں، مثلاً
مسلمانوں سے لڑنے والوں کی تعداد کم ہو، جیسے بعض بدوی قبیلے جن کے تمام
یا اکثر مرد قتل ہو جائیں۔ اب اگر اُن کی عورتیں، بچے، اور کمزور دل یا بار لوگ
یونہی چھوڑ دیے جائیں تو ظاہر ہے وہ زندگی بسر نہ کر سکیں گے، لہٰذا اُن کی
بھلائی اسی میں ہے کہ فاتح اُن کے کفیل ہو جائیں اور اُن کی روزی کا بندوبست
کریں۔ اِس کے بعد اُن سے آزاد کرنے کے دوسرے طریقہ پر برتاؤ کیا جائے۔
یہ بھی ممکن ہے کہ فاتح اِن غلام بنانے والوں میں سے عورتوں کو اپنی حرم میں
لے لیں، اور وہ اُن کی اولاد کی مائیں اور اُن کے گھروں کی مالک بن جائیں
کم سے کم اِتنا فائدہ تو مغلوبوں کو غلام بن کر صرف رہی حاصل ہو جائے گا کہ اُن
کی عورتیں اپنی روزی کی طرف سے بے فکر ہو کر شرمناک کمائی سے بچ جائیں گی
لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لیے یہی نمونہ چھوڑا ہے کہ احسان

کر کے قیدیوں کو چھوڑ دیں۔ زبان سے بھی یہی فرمایا ہے اور عمل بھی یہی کیا ہے، چنانچہ غزوۂ بنی مصطلق، غزوۂ فتح مکہ، اور غزوۂ حنین میں آپ نے یہی کیا تھا جیسا کہ کتب سیرت وغیرہ میں مفصل مذکور ہے، اور یہ آپ نے اِس لیے کیا تھا کہ ان جنگوں میں دشمن کسی مسلمان کو بھی قید نہ کر سکے تھے، اور مسلمانوں نے اُنہیں بالکل بے بس کر ڈالا تھا۔ اِس سے معلوم ہوا کہ اسلامی شریعت نے قدرت واقتدار کے موقعہ پر نیکی واحسان ہی کو ترجیح دی ہے۔ نیکی واحسان میں یہ بھی داخل ہے کہ قیدیوں کو بحال کے کسی فائدہ کی خاطر، نہ مستقبل کے کسی خوف سے متاثر ہو کر، بلکہ محض نیکی واحسان کی خاطر آزاد کر دیا جائے۔

غلاموں سے متعلق احکام اور اُن کی آزادی کے ضروری مسائل

ا۔۔۔۔ اسلام نے انسان کی آزادی کو اصل قرار دیا ہے، جیسا کہ امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے مصر میں اپنے گورنر عمرو بن العاص کو لکھا تھا جس کی شکایت ایک قبطی نے آکر کی تھی: "اے عمرو، تم نے آدمیوں کو کب سے غلام بنا لیا ہے، حالانکہ اُن کی ماؤں نے اُنہیں آزاد پیدا کیا ہے؟" اِسی فاروقی مقولہ سے فقہاء نے یہ اصل بنائی ہے کہ غلامی اِس طرح ثابت نہیں ہو سکتی کہ کوئی اُس کا دعویٰ کر بیٹھے، بلکہ منکرِ غلامی کے قول کو مدّعی کے قول پر ترجیح دی جائے گی اور مدّعی سے ثبوت طلب کیا جائے گا۔

۲۔۔۔۔ شرعی جنگ کے قیدیوں کے سوا اس کی شرطیں اور بیاں

ہو چکی ہیں، اسلام نے ان آزاد لوگوں کو غلام بنانا، حرام قرار دیا ہے اور اسے بہت بڑا گناہ بتایا ہے۔ چنانچہ بخاری میں ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، قیامت کے دن میں تین آدمیوں سے جھگڑا کروں گا، اور جس سے میں جھگڑا کروں گا، اُسے پیس ہی ڈالوں گا اُس آدمی سے جس نے میرے نام پر عہد کیا اور بے وفائی کی اُس آدمی سے جس نے مزدور سے کام لیا اور اُس کی پوری مزدوری نہ دی"۔ ایک اور حدیث ہے کہ خدا اُس آدمی کی کوئی نماز قبول نہ کرے گا "جس نے آزاد آدمی کو ایسا بنا دیا ہے گویا وہ غلام ہے"۔ (سنن ابی داؤد و ابن ماجہ)

۳۔ اللہ تعالیٰ نے غلام کو اجازت دی ہے کہ اپنے آپ کو اپنے مالک سے خرید لے، اور یہ اس طرح کہ اپنے عوض ایک مقررہ رقم ادا کرے اگرچہ قسطوں ہی کی صورت میں ہو۔ شریعت کی بول چال میں اس چیز کا نام "کتاب" اور "مکاتبہ" ہے۔ اس کی اصل اس آیت میں موجود ہے

وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ۔	تمہارے غلاموں میں سے جو لوگ اپنے بارے میں تحریر چاہیں، تم اُن سے تحریر کر لو اگر اُن میں بھلائی پاؤ۔ اور انہیں اس مال میں سے بھی دو جو خدا نے تمہیں دیا ہے

اس آیت میں خدا نے حکم دیا ہے کہ اگر آقا سمجھے کہ اُس کا غلام کمانے

ی قدرت رکھتا ہے، ایسا وعدہ پورا کرسکتا ہے، اور یہ کہ آزاد زندگی اُس کے
حق میں بہتر ہوگی، تو آقا کو چاہیے کہ اپنے غلام سے معاہدہ کرلے، صرف معاہدہ
ہی نہیں بلکہ اُس کی مدد بھی کرے۔ مدد کی صورت یہ بھی ہے کہ اُسے اپنا کچھ
مال ہبہ کردے۔ ایک یا کئی قسطیں معاف کردے۔ اپنی زکاۃ میں اُس کا حصہ
لگا دے۔ زکاۃ کے ذریعہ مدد دینے کی ترغیب آقا کو بھی دی گئی ہے اور دوسرے
لوگوں کو بھی۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ آیت میں جو دو حکم دیے گئے ہیں، وہ واجب
ہیں یعنی غلاموں سے اِس قسم کا معاہدہ کرنا اور اُن کی مدد کرنا۔ لیکن اکثر
علماء کے نزدیک پہلا حکم مستحب ہے اور دوسرا واجب۔ ابن جریج کہتے ہیں
میں نے عطاء سے پوچھا کیا مجھ پر واجب ہے کہ اپنے غلام سے اِس طرح کا
معاہدہ کرلوں اگرچہ اُس کے پاس روپیہ موجود بھی ہو؟ عطاء نے جواب دیا،
میرے خیال میں یہ واجب ہے۔ عمرو بن دینار کہتے ہیں، اِس پر میں نے عطاء سے
پوچھا کیا یہ مسئلہ آپ نے کسی سے سنا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ پھر کہنے لگے کہ
موسیٰ بن انس نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ سیرین (والد محمد بن سیرین مشہور تابعی)
نے حضرت انس سے درخواست کی کہ اُن سے یہ معاہدہ کرلیں، کیونکہ سیرین کے
پاس بہت روپیہ تھا۔ انس نے ایسا کرنے سے انکار کیا۔ اِس پر سیرین حضرت
عمر کے پاس گئے اور شکایت کی۔ حضرت عمر نے انس کو بلا کر کہا، اِس سے معاہدہ

کرلو۔ انہوں نے پھر انکار کیا حضرت عمر نے انہیں درّے سے مارا اور یہ آیت پڑھی "فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیرا"۔ پس کر انس نے سیرین سے معاہدہ کر لیا۔

۴۔ اگر غلام، دار الکفر سے بھاگ کر دار الاسلام میں آ جائیں تو آزاد ہو جائیں گے۔ اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ انہیں آزاد تسلیم کرے۔ اس کا ثبوت کتب سنت میں معلوم و مشہور ہے۔

۵۔ اگر ایک غلام میں کئی آقا شریک ہیں، تو اگر ایک بھی اسے اپنی حامی سے آزاد کر دے گا تو وہ بالکل آزاد ہو جائیگا بشرطیکہ اُس کے پاس مال وجہ وجواد باقی شریکوں کو اپنی قیمت ادا کر سکے۔ اس بارے میں کئی حدیثیں موجود ہیں۔ ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر کسی نے غلام میں اپنا حصہ چھوڑ دیا ہے تو غلام آزاد ہے اگر مال رکھتا ہے، ورنہ اُس کی قیمت کا اندازہ کیا جائے، اور اُس پر زیادتی کیے بغیر قیمت اُس کی کمائی سے وصول کر لی جائے"۔ حضرت ابن عمر کی حدیث مروع میں ہے "جس نے غلام کو اپنی شرکت سے آزاد کر دیا ہے، تو وہ اپنی باقی قیمت دوسرے شریکوں کو اسباب سے ادا کر کے آزاد ہو جائے گا"۔

۶۔ جو کوئی اپنے غلام کو تکلیف میں ڈالے، یا اُس کی صورت بگاڑے، یا اُسے خصی کر دے، تو وہ غلام آزاد ہو جائے گا۔ چنانچہ امام احمد نے

روایت کیا ہے کہ زنباع ابوروح نے اپنے ایک غلام کو اپنی ایک لونڈی کے پاس دیکھ لیا اور غصہ میں آکر اُس کی ناک کاٹ ڈالی اور اُسے ہیجڑا بنا دیا۔ غلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جاکر شکایت کی۔ اُس کے مالک سے آپ نے باز پرس کی۔ اُس نے اپنے فعل کا اقرار کر لیا۔ آپ نے غلام سے فرمایا "جا، تو آزاد ہے"۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ ہیجڑا بنانا اسلام میں ناجائز ہے اور غلام کی آزادی کا موجب۔ حاکم کا فرض ہے کہ اس حکم کو جاری کرے۔ ساری غلاموں کو خواجہ سرا بنانے کا جو رواج تھا، وہ اسلامی شریعت کے بالکل خلاف تھا، اور یہ کہ اُن کے ساتھ یہ حرکت ہوتے ہی وہ شرعاً آزاد ہو جاتے ہیں۔

امام احمد نے ایک اور حدیث روایت کی ہے جسے ابو داؤد اور ابن ماجہ نے بھی لیا ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر چلانے لگا۔ آپ نے پوچھا "تجھے کیا ہوا؟" اُس نے عرض کیا، مجھے میرے آقا نے دیکھا کہ اُس کی ایک لونڈی کا بوسہ لے رہا ہوں۔ اس پر اُس نے مجھے خصی کر ڈالا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اُسے بلایا جائے، لیکن وہ بھاگ گیا۔ تب آپ نے غلام سے فرمایا "جا، تو آزاد ہے"۔ جامع اصول میں سمرہ بن جندب اور ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اپنے غلام کی شکل بگاڑے تو اُس کا غلام آزاد ہے"۔

یہ صورت مکاتبت کی ہے۔ ایک صورت ضرب مارنا کی، دوسری سخت تکلیف بھی غلام کو دینا حرام ہے اور اس گناہ کا کفارہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ اُسے آزاد کر دیا جائے۔
چنانچہ امام احمد، مسلم، اور ابوداؤد نے عبداللہؓ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس کسی نے اپنے غلام کو مارا یا طمانچہ لگایا تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اُسے آزاد کر دے۔"

بخاری و مسلم اور ترمذی نے سوید بن مقرن سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہمارے خاندان کے پاس صرف ایک ہی کنیز تھی۔ ہم میں سے ایک شخص نے اُسے طمانچہ مار دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو فرمایا "اسے آزاد کر دو"۔ ہم لوگوں نے عرض کیا ہمارے پاس صرف یہی ایک کنیز ہے۔ اس پر آپ نے ہمیں اجازت دی کہ جب تک ضرورت رہے اُس سے کام لیں، جب ضرورت نہ رہے تو اُسے جانے دیں۔

مسلم وغیرہ نے ابو مسعود البدری سے روایت کیا ہے کہ میں اپنے ایک غلام کو کوڑے مار رہا تھا۔ دفعتاً پیچھے سے آواز آئی "ابو مسعود سمجھ لے"۔ غصہ کی وجہ سے میں آواز پہچان نہ سکا۔ جب آواز قریب سے آئی تو کیا دیکھتا ہوں کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور فرما رہے ہیں "اے ابو مسعود سمجھ لے، اے ابومسعود، سمجھ لے"۔ آپ کو دیکھ کر میرے ہاتھ سے کوڑا گر گیا

آپ نے فرمایا "ابومسعود سمجھ لے کہ جتنی قدرت تجھے اس غلام پر حاصل ہے، خدا کو اُس سے زیادہ قدرت تجھ پر حاصل ہے۔" میں نے عرض کیا "یہ خدا کے نام پر یہ آزاد ہے۔" فرمایا "اگر تو ایسا نہ کرتا تو تجھے دوزخ کی آگ میں جلنا پڑتا۔"

۸ ـــــ "تدبیر" سے غلام کی آزادی لازمی ہو جاتی ہے، اور اصطلاح شرع میں "تدبیر" یہ ہے کہ آقا اپنے غلام سے کہے میرے مرنے کے بعد تو آزاد ہے۔ اگر آقا نے ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں جن سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی تو ایسی حالت میں بھی بعض علماء نے کہا ہے کہ وہ آزاد ہو جائیگا، کیونکہ شریعت کا بنیادی مقصد یہی ہے کہ غلام آزادی پائیں، بعض علماء نے وصیت کے پہلو کو ترجیح دی ہے۔

"تدبیر" کے احکام میں یہ بھی ہے کہ جوں ہی کسی نے اپنے غلام سے کہا کہ میرے بعد تو آزاد ہے، تو یہ بات لازمی ہو جاتی ہے اور اس سے رجوع جائز نہیں رہتا جس طرح وصیت سے رجوع جائز ہوتا ہے، اور یہ کہ جس آقا نے اپنے غلام سے یہ کہہ دیا ہے تو امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک اُس آقا کے لیے جائز نہیں کہ اپنے اس غلام کو فروخت کرے اور یہ کہ کوئی شخص غلام کا پورا مالک ہے اور اُس سے کہہ دے کہ میرے بعد تیرا نصف آزاد ہے تو وہ پورے کا پورا آزاد ہو جائے گا۔ جمہور علماء کا قول ہے

کہ جس کنیز سے اس قسم سے بات کہہ دی گئی ہے تو اُس کی تمام اولاد بھی اُس کے ساتھ آزاد ہو جائے گی۔

۹ ـــــ جس کنیز کو اپنے آقا سے اولاد ہو جائے، تو وہ کنیز اُس کی یعنی آقا کی موت کے بعد آزاد ہو جائے گی آقا کے رشتہ دار، اس کنیز کے وارث نہیں ہو سکتے، اور یہ کہ جمہور علما، سلف وخلف کے نزدیک خود آقا بھی اپنی زندگی میں کنیز کو فروخت نہیں کر سکتا۔ ان علماء میں پیش پیش حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما ہیں۔

امام مالک نے حضرت عمر کی یہ حدیث روایت کی ہے کہ جو کنیز اپنے آقا کی اولاد کی ماں بن جائے تو آقا اُسے بیچ سکتا ہے، نہ ہبہ کر سکتا ہے، نہ اُس کے رشتہ دار اُس کے وارث بن سکتے ہیں زندگی بھر وہ آقا کے پاس رہے گی اور اُس کی موت کے بعد آزاد ہو جائے گی، یہ اس لیے کہ اگر ایسی کنیزیں بھی وارثوں میں تقسیم ہوں تو خود اپنی اولاد کے حصہ میں آئیں گی اور معلوم ہے کہ یہ بات شریعت کے مقاصد واصول وآداب کے خلاف ہے۔

۱۰ ـــــ اگر کسی شخص کی غلامی میں اُس کا کوئی رشتہ دار آجائے تو خود بخود آزاد ہو جائے گا۔ اس بارے میں سب سے زیادہ عام حدیث سمرہ بن جندب کی مرفوع حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے کسی قریبی رشتہ دار کا مالک بن جائے تو وہ رشتہ دار آزاد ہے، یہ

حدیث امام احمد نے اور نسائی و حاکم کے سوا اصحاب سنن نے روایت کی
اور اس کی تصحیح کی ہے۔ یہ بھی اُسی معنی میں ہے جس کا ذکر آقا کی اولاد کی
ماؤں کے بارے میں ہو چکا ہے۔

غلاموں کے آزاد کرنے کا ایک ذریعہ، کفارہ ہے

کفارہ سے مقصود وہ عمل ہے جو گناہوں کو دور کر دیتا ہے۔ اس قسم
کا سب سے بڑا عمل، غلاموں کا آزاد کرنا ہے، اور اس کی تین قسمیں ہیں

۱۔۔۔ جو شخص، غلام رکھتا ہے، اُس کے لیے واجب ہے کہ اگر
غلطی سے کسی آدمی کو مار ڈالے، یا اپنی بیوی کو اپنی ماں کہہ دے، یا معلوم
شرطوں کے ساتھ جان بوجھ کر اپنا روزہ خراب کر ڈالے، تو ایسے آدمی کا کفارہ
یہ ہے کہ غلام آزاد کرے۔

۲۔۔۔ واجب اختیاری یہ قسم توڑ ڈالنے کا کفارہ ہے۔ اس
کفارے میں آدمی کو اختیار ہوتا ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلائے، یا کپڑا
پہنا دے، یا غلام آزاد کرے، جیسا کہ خدا نے اپنی کتاب میں فرما دیا ہے۔ اس
اختیار دینے کی حکمت ظاہر ہے۔

۳۔۔۔ مستحب، اور یہ غیر معین گناہوں کا کفارہ ہے اور انہیں
سب سے زیادہ دور کر دینے والا۔

غلام آزاد کرنیکے وسائل

قرآن میں صاف طور پر بتا دیا گیا ہے کہ زکاۃ کا ایک مصرف یہ بھی ہے کہ غلاموں کے کام آئے۔ اس میں اُن کی آزادی بھی داخل ہے اور ایسی آزادی خریدنے میں اُن کی مدد بھی۔ معلوم ہے کہ مسلمانوں کی زکاۃ کروڑوں روپیہ تک پہنچ سکتی ہے، لہذا اگر صرف زکاۃ ہی میں اسلامی احکام نافذ کیے جائیں تو دار الاسلام کے تمام غلام آزاد ہو سکتے ہیں۔

رضاء الٰہی کیلیے غلام آزاد کرنا

کتاب و سنت میں غلاموں کو آزاد کرنے کی اس قدر ترغیبیں دی گئی ہیں کہ اگر جمع کی جائیں تو ضخیم کتاب بن جائے۔ اس کام کا ایک سب سے بڑی عبادت اور ایک بنیادی نیکی ہونا سورۂ بقرہ کی اس آیت کریمہ سے بھی ثابت ہے

لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰى وَالْیَتٰمٰى وَالْمَسٰكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ	پورب اور پچھم کی طرف تمھارا منہ کر لینا نیکی نہیں ہے نیکی یہ ہے کہ آدمی، اللہ پر، روز آخرت پر، فرشتوں پر، آسمانی کتاب پر، پیغمبروں پر ایمان لائے اللہ کی محبت میں رشتہ داروں یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سائلوں، اور غلام آزاد کرنے پر مال خرچ کرے۔ نماز قائم

وَالسَّائِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عَاهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَاۤءِ وَالضَّرَّاۤءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ، اُولٰۤئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰۤئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (۲: ۱۷۷)	کرے زکاۃ ادا کرے۔ اور وہ لوگ جو عہد کرکے ایسا عہد پورا کرتے ہیں، اور تکلیف، مصیبت، اور جنگ میں ثابت قدم رہتے ہیں۔ یہی لوگ سچے ہیں اور یہی لوگ پرہیزگار۔

اس بارے میں ایک مشہور حدیث یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو آدمی کسی مسلمان غلام کو آزاد کرتا ہے، تو خدا، غلام کے ہر عضو کے بدلے اُس آدمی کا ہر عضو، دوزخ کی آگ سے آزاد کر دے گا"۔ (متفق علیہ حدیث ابو ہریرہ) حضرت ابوذر کی حدیث ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، سب سے افضل عمل کیا ہے؟ فرمایا "اللہ پر ایمان لانا اور اُس کی راہ میں جہاد کرنا"، پھر میں نے پوچھا، سب سے افضل کس غلام کا آزاد کرنا ہے؟ فرمایا "جو سب سے زیادہ قیمتی اور اپنے مالک کو سب سے

---

(۱) تمام علماء متفق ہیں کہ کافر غلام کو بھی آزاد کرنا مشروع اور موجب ثواب ہے۔ البتہ اس بارے میں اختلاف ہے کہ کفارہ میں اُس کا آزاد کرنا کیسا

زیادہ پسند ہو"

حضرت ابوموسیٰ اشعری کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس کے پاس کنیز ہو اور وہ اُسے خوب اچھی تربیت دے، اور خوب اچھی تعلیم سے آراستہ کرے، پھر اُسے آزاد کر کے اُس سے شادی کرلے، تو اُسے دہرا ثواب ملے گا" بخاری میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ نے جب یہ حدیث روایت کی کہ "صالح غلام کے لیے دو ثواب ہیں" تو کہنے لگے، قسم اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر جہاد، حج، اور اپنی ماں سے نیک برتاؤ کا خیال نہ ہوتا، تو میں غلام بن کر مرنا پسند کرتا"

غلاموں کے بارے میں وصیت

یہ بھی یاد رہے کہ اللہ اور اُس کے رسول نے غلاموں کے بارے میں کیا کیا وصیتیں فرمائی ہیں۔ چنانچہ غلاموں پر واجبات کم رکھے ہیں۔ تعزیرات میں اُن کی سزا بھی آزادوں سے آدھی رکھی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے والدین سے نیک برتاؤ کے ساتھ غلاموں کا بھی ذکر کیا ہے۔ اسی سے اُن کے معاملے کی اہمیت ظاہر ہے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہے کہ غلاموں کو "غلام یا کنیز" کہہ کر پکارا جائے، بلکہ فرمایا تم یوں کہو "میرا بچہ، میری بچی"، اور حکم دیا ہے کہ جو آقا خود کھاتا ہے وہی اُنہیں کھلائے، جو خود پہنتا ہے، وہی اُنہیں پہنائے، اور اگر کام محنت کا ہو

تو اُن کی مدد بھی کرے۔" جیسا کہ صحیحین وغیرہما میں حدیث الوذرؓ میں صاف وارد ہوا ہے۔ اسی قدر نہیں بلکہ مرض الموت میں بھی آپ عورتوں اور غلاموں کے بارے میں برابر وصیت فرماتے رہے یہاں تک کہ روح پاک، رفیق اعلیٰ میں پہنچ گئی صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے آپ سے عرض کیا، خادم کو کتنی مرتبہ معاف کروں؟ فرمایا "روز ستر مرتبہ"! ستر دفعہ سے مقصود یہ ہے کہ جب جب غلطی کرے، معاف کردو ۔

یہی سبب ہے کہ صدر اول کے مسلمان اپنے غلاموں کی انتہا خاطر کرتے اور اُن سے غایت درجہ بُردباری سے پیش آتے تھے، جس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ غلام کام میں کوتاہی کرنے لگے تھے، مگر ہمیشہ انہیں معاف کر دیا جاتا تھا۔ قسم ہے حق کی کہ اُس زمانہ کے اسلام کی نظر میں غلام اُن تمام "آزادوں" سے کہیں زیادہ خودداری اور اچھی زندگی رکھتے تھے جو اِس زمانہ میں یورپ میں سلطنتوں کی غلامی یا اُن کے اثر میں گرفتار ہو چکے ہیں۔ خود ولایات متحدۂ امریکا کی حکومت کا یہ حال ہے کہ سرخ فام باشندوں کے لیے اُس نے سفید فاموں سے الگ قانون بنا رکھے ہیں اور اُن سے نہایت ہی خراب برتاؤ کرتی ہے، حتیٰ کہ اگر کوئی سرخ فام آدمی، کسی سفید فام عورت پر دست درازی کر بیٹھتا ہے تو حکومت نہ سہی، سفید فام متشددوں کے ہاتھوں بدترین طریقہ پر قتل کر ڈالا جاتا ہے، لیکن اگر

یہی حرکت سید وام آدمی کسی سرح وام عورت سے کرتا ہے تو اُس سے کوئی باز پرس نہیں کی جاتی۔

(خلاصۂ بحث)

• ہم نے وحی دموت پر، اپنے ہاں اور عیسائیوں کے ہاں پیغمبروں کے معجزوں پر جو گفتگو کی ہے، اُسے مجموعی طور پر دل سے پھوٹنے والی وحی کے شبہہ اور قرآن کے لفظی و علمی اعجاز پر جو کچھ لکھا ہے، اُسے دیکھو، پھر قرآن کے یہ دستور مذکورہ بالا مقاصد سامنے رکھو جس سے اُس نے اصلاح اور نوع انسان کی تکمیل کی ہے، روحانی، اخلاقی، ادبی، اجتماعی، مالی، سیاسی ہر لحاظ سے بہتری چاہی ہے، یعنی اُس نے وہ سب کچھ بتا دیا ہے جس کی اس زمانہ میں قوموں اور سلطنتوں کو ہر زمانہ سے زیادہ ضرورت ہے، اور پھر یہ سب کچھ اسلام نے ایسے اصول و قواعد کے ساتھ بتایا ہے جو سب سے زیادہ صحیح، سب سے زیادہ مکمل، اور عام مصالح کے سب سے زیادہ کفیل ہیں، جس سے تمام پرانے اور نئے آنے والے فساد دور کیے جا سکتے ہیں، جو ہر زمانہ کے انبیاء کی تعلیمات سے، حکماء کے فلسفہ سے، بادشاہوں اور حکمرانوں کے قوانین سے افضل و اعلیٰ ہیں، حالانکہ قطعی طور پر معلوم ہو چکا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اَن پڑھ تھے۔ مزاج کے

خلوت پسند تھے۔ نہ کبھی انھوں نے پیغمبروں کی کتابیں پڑھیں نہ علم و دانایی کے دفاتر دیکھے کسی علم کی جستجو نہیں کی۔ کسی علمی مسائل پر گفتگو نہیں کی۔ پھر یہ بھی معلوم ہے کہ وہ قرآں کو اُس وقت لے کر آئے جب اُن کی عمر پورے چالیس برس کی ہوچکی تھی ــــــ وہ عمر جس میں آدمیوں کی نفسی اور عقلی قابلیت ایسی نہیں ہوتی کہ کوئی ایسی بالکل نئی بات اپنے دل سے پیدا کرسکیں جس سے اُن کا سابقہ شروع عمر میں یا جوانی میں نہ ہوچکا ہو ــــــ ہاں اِن سب باتوں کو ازسرِ نو دیکھو، اور ایک ایک بات پر خوب غور کرو۔ جب تم بے لاگ ہوکر ایسا کرو گے تو اپنی عقل کو یہ یقین کرنے پر مجبور پاؤ گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ لائے ہیں، انسانوں کی قابلیت سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے چاہے اَن پڑھ ہوں یا پڑھے لکھے اور یہ کہ یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے وحی ہے۔

اگر فرض کر لیا جائے کہ اِس قسم کی بعض باتیں آپ نے اپنی قوم کے دانشمندوں یا اُن لوگوں سے سُن لی تھیں جو آپ کو اپنے ایک دو سفروں میں ملے ہوں گے، بلکہ یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ خود آپ نے اپنی فطری ذہانت سے معلوم کر لیا تھا کہ انسانوں کو ایسی اصلاحوں کی ضرورت ہے، لیکن یہ سب فرض کر لینے کے بعد بھی کیا عقل تصور

کر سکتی ہے کہ اس طرح کی اُڑتی ہوئی باتوں سے یا ایسے اُچٹتے ہوئے خیالات سے دنیا کی تمام قوموں کی حملہ صورتوں کی اتنی کامل و مکمل تحقیق تک پہنچا جا سکتا ہے؟ اور یہ کہ یہ تمام اعلیٰ حقائق بچپن سے جوانی تک اور جوانی سے ختمِ شہرت کی عمر تک برابر پردۂ راز میں رہیں، اور صرف ادھیڑ عمر میں اس بے نظیر بیان کے ساتھ، دلوں کو موہ لینے والی طاقت کے ساتھ، عقلوں پر چھا جانے والی حجت و برہان کے ساتھ ظاہر ہوں، اور عرب قوم میں ایسا زبردست انقلاب پیدا کر دیں جو اُن کی طبیعتوں کی کایا پلٹ دینے والا، اُن کے تمام طریقوں کو بدل ڈالنے والا ثابت ہو۔ اُنہیں تمام متمدن قوموں کا آقا بنا دے، اور اس کے بعد دنیا پر وہ عظیم تبدیلی طاری کر دے جس کا حال تاریخ بیان کر چکی ہے؟ کیا اس سے بھی زیادہ عجیب کوئی بات ہو سکتی ہے کہ اب اس زمانہ میں یہ واقعہ معلوم ہو کر علم اور حیرت انگیز تہذیب کی مالک موجودہ قومیں، پچھلی قوموں سے زیادہ اس اصلاح و ہدایت کی محتاج ہیں؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ اس قسم کی بات کبھی انسانوں میں دیکھی گئی ہے نہ سنی گئی ہے۔

اور اب جب کہ یہ حقیقت ثابت ہو چکی ہے تو جس انسان تک یہ دعوت پہنچے، اُس کا فرض ہے کہ اسے قبول کرے اور اپنی انسانیت

مکمل کرنے اور دنیا و آخرت کی سعادت کامیاں حاصل کرنے کے لیے اُس کی پیروی کرے۔ اگر اس کے خلاف کوئی شبہ پیدا ہو تو اُس کی جانچ کرے یا اُسے مسترد کردے۔ یہ اس لیے کہ کوئی عقلمند بھی جو علم طب کے نفع سے واقف ہو چکا ہے، کسی طبی مسئلے میں اپنے شک یا کسی طبیب کے ناکام علاج کی وجہ سے اپنی تندرستی برقرار رکھنے اور اپنی بیماری دور کرنے کے لیے طب سے استفادہ چھوڑ نہیں سکتا۔ لیکن اسلام تو طب سے بھی زیادہ عجیب معجزہ ہے، اور ہر شخص کو تسلیم کرلینا چاہیے کہ وہ اللہ عزوجل ہی کی طرف سے وحی کیا ہوا علم ہے:

قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ، فَلَوْ شَاءَ لَهَدٰكُمْ اَجْمَعِيْنَ (۶: ۱۴۹)

میں راضی ہوں کہ اللہ میرا رب ہے، اسلام میرا دین ہے،
اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے لیے نبی اور رسول ہیں!
اور گواہی دیتا ہوں کہ ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد، اللہ کے رسول ہیں۔ خاتم النبیین ہیں — رحمۃ للعالمین ہیں۔ سلامتی ہو تمام رسولوں پر، اور ستائش ہو اللہ رب العالمین کے لیے۔

خاتمۂ کتاب

عالم مدنیت سے نکلنے کے لیے مہذب قوموں کو دعوتِ اسلام جو امن انسانیت کا دین ہے

دینِ محمدی کے مقدمات و مقاصد کی سائنٹیفک تمہید

۱۔ پچھلے پیغمبروں کی رسالت دین اللہ

پچھلے صفحات سے معلوم ہوچکا ہے کہ تمام قوموں میں ایسے افراد گزر چکے ہیں جو اُن کے خالق و پروردگار کی طرف سے خبریں اور پیغام لائے تھے۔ یہ پیغام اِس لیے آئے تھے کہ فطرتِ انسانی کی تکمیل کا بدولت ایک ایسی ہدایت سے کیا جائے جو معرفتِ الٰہی میں انسان کی اپنی عقل کی پہنچ سے اعلیٰ و اکمل ہے، جو انسان کو بتا دے کہ اُس ذات واحد کی کس طرح عبادت کرنی چاہیے، کس طرح شکر ادا کرنا چاہیے، اور یہ کہ آپس میں ایک دوسرے کے حقوق و فرائض کیا ہیں، گناہ اور برائیاں ہونے کی وجہ سے کون کون باتیں حرام ہیں، اور یہ سب اِس لیے کہ نفس پاک ہوجائیں۔ حالت سدھر جائے۔ روحیں بلند ہوجائیں تاکہ لقاءِ الٰہی کے قابل، اُس کے کمالِ معرفت کی اہل، اور آخرت میں اُس کے حُسنِ ثواب کی مستحق بن سکیں۔ یہی پیغام، دینِ الٰہی ہے۔

نیز یہ بھی اس کتاب سے معلوم ہو چکا ہے کہ وہ تمام دین جن کی بنیاد، ایمان بالله، روز قیامت، اور عمل صالح پر ہے، انہی پیغمبروں کے لائے ہوئے ہیں جنہیں خدا نے اپنی وحی کے ساتھ بھیجا تھا، عام اس سے کہ اُن کی قوموں کی بول چال میں اُن کا نام، پیغمبر ہو یا نہ ہو۔ لیکن یہ تمام دین خاص تھے نہ کہ عام۔ عارضی تھے نہ کہ دائمی۔ پھر عالمگیر اسلام کے آنے سے اور اُس پر تمام دینوں کے ختم ہو جانے سے پہلے اُن میں تغیر و تبدّل ہو چکا تھا۔ بدعتیں داخل ہو گئی تھیں۔ بہت سی تعلیمات گم ہو چکی تھیں۔

تاریخ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انسانی قوموں کی جو کچھ بھی حالت درست ہوئی ہے، صرف الٰہی پیغمبروں کی لائی ہوئی ہدایت کی پیروی سے ہی درست ہوئی ہے۔ اور یہ کہ جتنے حکیم، معلّم اخلاق، مقنّن، اور عام نظام بنانے والے گزرے ہیں، اُن کی باتوں کا دلوں پر وہ اثر نہیں ہوا جو پیغمبروں کی اصلاح کا ہوا ہے۔ بلکہ ان آخر الذکر رہبروں میں اکثر ایسے تھے جو خود ہدایت یاب نہ تھے۔ نیکی کی طرف بلاتے تھے، مگر خود نیکی سے دور تھے۔ انہی میں ایک وہ یورپین بھی ہے جس نے نیچرل دین قائم کیا ہے، مگر خود اُس کی اپنی یہ حالت تھی کہ باتیں تو اچھی تھیں اور اخلاق بُرے تھے۔ اُس کا دین دیکھنے میں بہت

خوبصورت ہے، اخلاق وقانون کی کتابوں سے ماخوذ ہے، مگر سراسر مادی ہے اور اپنے اندر کوئی روح نہیں رکھتا، اسی لیے اُسے پسند کرنے والوں میں سے بھی کسی نے اُس کی پیروی نہیں کی۔ علم وفلسفہ میں ترقی کرجانے والی قومیں، جن میں خود اس شخص کی قوم بھی شامل ہے، خود ایمیروں ہی کی وحی کی سخت محتاج ہیں۔ ان کے اکثر افراد، اس وحی پر ایمان بھی رکھتے ہیں، حالانکہ اُن کی مقدس کتابوں کا سلسلۂ اسانید منقطع اور اُن کی اصلیں گم ہو چکی ہیں۔ اُن کے ترجموں میں بہت کچھ کمی بیشی اور غلطی واقع ہوگئی ہے۔ پھر وہ خاص خاص قوموں اور خاص وقتوں کے لیے تھیں۔ دائمی اور عالمگیر نہ تھیں۔ مزید برآں ان کتابوں کی تعلیمات پر علماء وحکماء بہت سے ورلی اعتراض اور تردیدیں کر چکے ہیں، برخلاف اسلام کے جو ان تمام کمزوریوں سے بہت دور ہے۔

۲۔ محمدؐ کی طرح کسی نبی کی تاریخ ثابت نہیں

علماء تاریخ جانتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی پیغمبر کی بھی تاریخ صحیح طور پر اور تواتر کے ساتھ ہم تک نہیں پہنچی۔ اور یہ کہ اُن میں سے کسی کی کتاب بھی پورے طور پر اس طرح محفوظ نہیں رکھی گئی ہے کہ اُس کے تمام الفاظ وحروف، اُس کی تلاوت والقاء کا طریقہ، یہ سب آج تک محفوظ رہا ہو، بجز اس ایک قرآن کے جسے اللہ تعالیٰ

نے اپنے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کیا ہے۔ پھر ان پیغمبروں میں سے کسی کی قوم نے بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم اور پیروؤں کی طرح اُن کے حالات کی تاریخ، اُن کی سیرت، واقعات، اور سنتوں کو حفظ کیا ہو، اُن پر عمل کیا ہو، اُنہیں کتابوں میں مدوّن کیا ہو۔ اسی قدر نہیں بلکہ اُن کے راویوں کی پوری پوری تاریخ کی ہو۔ صحیح کو غیر صحیح سے الگ کر دیا ہو۔ پھر غیر صحیح کو بھی مختلف درجوں، مثلاً حسَن، شاذ، منکر، موضوع پر تقسیم کیا ہو۔ اس بارے میں بڑی بڑی کتابیں اور فرہنگیں لکھی ہوں۔

حدیث کے حافظوں اور راویوں کی جرح و تعدیل کے اماموں کی صداقت و امانت کا یہ حال تھا کہ اپنے اس فن کی خدمت کو بذات خود عبادت سمجھتے تھے۔ حدیث کے نام سے اُن کے پاس جو کچھ بھی پہنچا اُسے روایت کر جاتے، عام اس سے کہ اُس کا مضمون اُن کے ذاتی عقائد کے موافق ہو یا مخالف، عام اس سے کہ وہ حدیث رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی دشمن ہی کی بنائی ہوئی کیوں نہ ہو۔ وہ اپنا فرض سمجھتے تھے کہ ہر روایت کو نقل کر دیں، پھر اپنے اصول کے مطابق اُس کی اسناد کی تصحیح کر دیں۔ اگرچہ وہ نصوص قرآن کے، اصول متقررہ کے، یا ثابت احکام کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ وہ روایت کو ایک مستقل فن تصوّر کرتے

تھے۔ جو روایت بھی اُنہیں پہنچی، محفوظ کر دیتے۔ اور اُس کی تنقید و ترجیح کا معاملہ، درایت رکھنے والے فقہاء وغیرہم کے سپرد کر دیتے۔ یہ لوگ روایت حدیث میں اِس قدر ے لاگ تھے کہ اُنہوں نے مختلف مذہبوں اور فرقوں کے داعیوں، نیز سیاسی پارٹیوں کا پروپیگنڈا کرنے والوں کو روایت حدیث میں غیر معتبر قرار دے دیا ہے، کیونکہ اِس قسم کے لوگ اپنے مذہب یا پارٹی کو اصل قرار دیتے تھے اور اُس کی تائید کے لیے روایتیں اور حدیثیں تلاش کرتے تھے۔ اگر کوئی روایت جو اُن کے اپنے خلاف پڑتی تھی تو اُس کی تاویل کرتے یا دل کی راہ سے اُس کی تردید کر دیتے تھے۔ لیکن محدثین یہ حرکت جائز نہیں رکھتے تھے۔ مثلاً حفاظِ حدیث وعلماءِ جرح و تعدیل کے امام اکبر، امام احمد بن حنبل کو دیکھو۔ ان کا کوئی خاص مذہب نہ تھا کہ جسے ثابت کرنے کے لیے حدیثیں تلاش کرتے بلکہ حالت یہ تھی کہ ایک بات کہتے تھے، پھر اُس کے خلاف کوئی حدیث صحیح ثابت ہو جاتی، تو اپنے قول سے رجوع کر لیتے اور حدیث کی پیروی شروع کر دیتے تھے۔ اِسی قدر نہیں بلکہ اگر کوئی بات محض اپنے اجتہاد و رائے سے فرماتے اور اُس کے خلاف کوئی ایسی حدیث مل جاتی جو پورے طور پر صحیح ثابت نہ ہوتی، تو بھی اپنی رائے و اجتہاد پر اُس ضعیف حدیث کو ترجیح دے دیتے تھے، اِسی لیے امام ابوجعفر طبری نے کہا ہے کہ امام احمد

محدّث تھے۔ فقیہ نہ تھے۔ یعنی اُن کا مذہب حدیث پر تھا کہ اجتہادی قواعد پر کہ جنہیں ثابت کرنے کے لیے حدیثیں توڑتے مروڑتے ہوں۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ فقہ کے عالم نہ تھے۔

اِس سے ثابت ہوا کہ محمدؐ کی تاریخ، محمدؐ کا لایا ہوا قرآن، محمدؐ کی سنت، محمدؐ کی اپنی دعوت دستور بیع میں روشن ـــــ یہ سب چیزیں صحیح و متواتر روایت کے ساتھ اِس وقت تک چلی آئی ہیں، اور یہ کہ آپ سے جو اصول متواتر روایت ہوئے ہیں، قطعی ہیں، اور جن کی روایت و دلالت غیر قطعی ہے اُن میں اجتہاد کی گنجائش ہے اور اُن پر اسلام کی صحت کا دارومدار نہیں ہے۔ ظاہر ہے کسی اور نبی کی تاریخ، دین، کتاب، بلکہ کسی حکیم اور بادشاہ کے بھی حالات اتنی تدقیق و صحت کے ساتھ روایت نہیں ہوئے ہیں۔

۴۔ موجودہ زمانہ میں دین کی ضرورت

موجودہ زمانہ کی متمدّن قوموں کو ایک عام دینی ہدایت کی اُس سے کہیں زیادہ ضرورت ہے جتنی بعثتِ محمدیؐ سے پہلے انسانوں کو تھی جب کہ مغرب میں روم کی دولوں سلطنتوں کا، مشرق قریب میں ایران کی عظیم الشان سلطنت کا، مشرق بعید میں چین کی سلطنت کا، اور اِن کے علاوہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں کا بسا دبہت بڑھ گیا تھا۔

ہر طرف فسق و فجور عام ہو گیا تھا، سرکشی اور خونریزی کا دَور دَورہ ہو گیا تھا لیکن اِس زمانہ میں جنگ کی ہولناکیاں پچھلے زمانوں سے کہیں زیادہ سخت ہو گئی ہیں، کیونکہ اِس زمانہ میں علم و تہذیب کی نعمتوں کو سلطنتوں کی سرکشی نے مصیبتیں بنا دیا ہے، جیسا کہ خدا نے فرمایا

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰہُ الرِّزْقَ لِعِبَادِہٖ لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ (۴۲ : ۲۷)	اگر خدا اپنے بندوں کے لیے رزق کشادہ کر دے تو زمین میں سرکشی شروع کر دیں۔

اِس زمانہ میں تمام دنیا باہم وابستہ ہو کر ایک شہر بن گئی ہے، لیکن اِس کے باوجود قوموں کی دشمنی بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ ایک دوسری کو برباد کرنے کی کوششوں میں لگی ہوئی ہے۔ سلم نے اُنہیں ہوتو بنایا تھا کہ زمین کی دولتوں اور خزانوں سے فائدہ اٹھا کر خوش و خرم زندگی بسر کریں، مگر اِس کا نتیجہ الٹا نکلا۔ وہ اور بھی زیادہ بدبختی میں مبتلا ہو گئیں۔ جو قوم، علوم و فنون میں جتنی زیادہ ترقی یافتہ ہے، اُس کی بدبختی بھی اُتنی ہی زیادہ ہو گئی ہے۔

اِس صورتِ حال سے ثابت ہوا کہ انسانی علم، انسانوں کی اصلاح کے لیے ناکافی ہے، اسی لیے موجودہ زمانہ میں علم و سیاست کے بہت سے علماء و ماہرین، دینِ الٰہی کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں، اور بہتوں نے یہ آرزو ظاہر کی ہے کہ کاش کوئی نیا نبی پیدا ہوتا، لیکن خدا نے ابی

اس آخری وحی پر نبوت ختم کر دی ہے۔ اس وحی میں وہ سب کچھ آگیا ہے جس کی نوعِ انسانی کو ضرورت ہو سکتی تھی، اور یہ اُس وقت تک باقی رہے گی جب تک آسمان و زمین باقی ہے۔ اس بارے میں اہم حقائق میں اوپر بیان کر آیا ہوں۔ ذیل میں اُن کا خلاصہ پیش کرتا ہوں۔

ثبوتِ وحی محمدی کے مقدمات

اس موضوع کا خلاصہ میں چھ مقدمات میں پیش کرتا ہوں، اس کے بعد دعوتِ نبوت کا بیان ہوگا، پھر اُس کی دینی و تہذیبی قانون سازی کے دس مقاصد کا بیان آئے گا۔ اس کے بعد مقصود بالذات نتیجہ ظاہر کروں گا اور وہ اسلام کی طرف عام دعوت ہے۔

۱۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نشوونما، فقر، اور اُمیت

تواتر و یقین کے ساتھ معلوم ہو چکا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی یتیمی سے شروع ہوئی تھی۔ آپ نے بالکل اَن پڑھ لوگوں میں نشوونما پائی تھی۔ نہ کبھی کوئی کتاب پڑھی تھی نہ کوئی سطر لکھی تھی۔ نہ کسی نے آپ کو کسی علم کی تعلیم دی تھی۔ آپ نے بدوی علاقہ میں قبیلۂ بنی سعد کے اندر اپنا بچپن گزارا، جہاں اپنے دودھ شریک بھائیوں کے

ساتھ بکریاں چَراتے تھے۔ جب اپنے شہر (مکہ) میں واپس آئے تو یہاں بھی اُجرت لے کر لوگوں کی بکریاں چراتے تھے۔ پھر جوان ہوئے اور تجارت کرنے لگے ——— آپ کا جسم بہت تندرست تھا۔ خوبصورت تھے۔ قوی ہیکل تھے۔ اعلیٰ اخلاق رکھتے تھے۔ راست گو تھے۔ نہایت امین تھے۔ بہت مُروّت رکھتے تھے۔ حیّاس تھے رشتہ داری کا پاس کرتے تھے۔ خوددار تھے۔ نفس کی خواہشوں سے دور تھے۔ یہی وہ صفتیں تھیں جنھوں نے آپ کو خدیجہ بنت خویلد کی نگاہ میں محبوب بنا دیا تھا۔ خدیجہؓ، قریش کی سب سے افضل خاتون تھیں اور "طاہرہ" کے لقب سے پکاری جاتی تھیں۔ بیوہ تھیں۔ مالدار اور نیک نفس تھیں، مگر ادھیڑ ہو چکی تھیں۔ عمر چالیس برس کی تھی۔ اُنہوں نے آپ کو پیغام دیا کہ اُن سے شادی کر لیں۔ آپ نے یہ تجویز منظور کر لی، حالانکہ آپ کی عمر صرف پچیس برس کی تھی، یعنی وہ عمر جب کہ جسم مکمل ہوتا اور شباب اپنے عروج پر ہوتا ہے۔ آپ اُن کے ساتھ پچیس برس رہے۔ اُن کے سوا کوئی اور شادی نہیں کی یہاں تک کہ انتقال کر گئیں۔ اُنہی سے آپ کی اولاد ہوئی۔ اور وہی آپ کی سب سے زیادہ چہیتی بیوی تھیں حتیٰ کہ وفات کے بعد بھی۔

۲۔ خلوت پسندی، شہرت سے بیزاری، شعر و خطابت سے دوری

یہ تواتر و یقین سے معلوم ہو چکا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، خلوت پسند تھے۔ اپنی قوم کے جوانوں، ادھیڑوں، اور بوڑھوں کی ہم نشینی پر گوشہ نشینی کو ترجیح دیتے تھے۔ نہ اُن کی بُت پرستانہ عبادتوں میں شریک ہوتے تھے، نہ لہو و لعب کی مجلسوں میں بیٹھتے تھے۔ نہ دار الندوہ میں جاتے تھے جہاں وہ ایسے سیاسی اور جنگی معاملات طے کیا کرتے تھے۔ آپ کو نہ شعر گوئی سے شوق تھا، نہ اشعار یاد کرنے اور سنانے سے۔ میلوں اور مجمعوں میں آپ نے کبھی تقریریں بھی نہیں کیں۔ کبھی کسی کے مقابلہ میں مجروما بات کے لیے کھڑے نہیں ہوئے۔ کبھی ایسے بزرگوں کی تعریفیں بیان نہیں کیں۔ غرضکہ آپ اپنی قوم کے نہ عالموں میں سے تھے نہ فصیح و بلیغ مقرروں میں سے۔ اُس زمانہ میں وہاں علم و حکمت و فصاحت کی نمائش کا ذریعہ صرف شعر، خطابت، اور مجروما بات کی باتیں ہی تھیں۔ اسی قدر نہیں، آپ کو اپنی قوم میں سرداری حاصل کرنے کی بھی خواہش نہ تھی۔ معلوم ہے کہ جو آدمی سرداری اور بڑائی کا دلدادہ ہوتا ہے، اُس کی طبیعت ہرگز گوارا نہیں کر سکتی کہ بھرپور جوانی اور عنفوان شباب میں گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کرے۔

اگر اس قسم کی کوئی بات آپ سے کبھی سرزد ہوتی تو آپ کے

پیرو اُسے ضرور نقل کرتے، کیونکہ آپ سے متعلق ہر بات کی روایت کا اُنہیں حد درجہ اہتمام تھا اگرچہ اُن کے خیال میں صحیح نہ بھی ہو پھر محدّثوں کی ممانعت پیدا ہوئی۔ انہوں نے ہر قسم کی روایتیں کتابوں میں جمع کر دیں، عام اس سے کہ اُن کی اسناد متصل ہو یا منقطع، صحیح ہو یا غلط اُنہوں نے سب کچھ مدوّن کر کے علماء نقد کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ ان میں سے بہتوں نے آپ کی پیدائش وغیرہ سے متعلق عجائبات کا انکار کیا اور اُن کی تردید کی ہے۔ یہی وہ عجائبات ہیں جنہیں حدیث سے بے خبر عوام و خواص آج تک لیے بیٹھے ہیں اور اُنہیں معجزے اور نبوت کی دلیلیں سمجھتے ہیں۔

۳۔ منصب نبوت سے آپ خالی الذہن تھے اور اُس کی کوئی امید نہ رکھتے تھے
بعض روایات احادیث میں وارد ہوا ہے کہ آپ کی قوم کے لوگوں نے ملک شام میں اہل کتاب سے سنا تھا کہ عرب میں عنقریب ایک پیغمبر پیدا ہوگا جو بنی اسرائیل کے پیغمبروں کی طرح ہوگا اور ایک نئے دین کی دعوت دے گا۔ انہی اہل کتاب میں ایک بحیرا راہب بھی تھا جس نے آپ کو ابو طالب کے ساتھ شہر بصریٰ میں دیکھا اور اُس سے کہا تھا کہ اس لڑکے کا معاملہ بہت اہم ہوگا، یہودیوں سے اسے بچائیے۔ یہ سب باتیں ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ انہی روایتوں

میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت خدیجہ نے یہ سب باتیں سن تھیں اور انہیں بڑی امید تھی کہ وہ نبی منتظر آپ ہی ہوں گے۔ اور یہ کہ اس چیز نے بھی انہیں آپ سے شادی کرنے کی ترغیب دی تھی۔ بلکہ بعض روایتوں میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ خود آپ نے اس آنے والے ہی کا چرچا سن لیا تھا اور آپ کو امید پیدا ہو گئی تھی کہ وہ نبی آپ ہی ہوں گے، کیونکہ آپ اپنی قوم اور دوسرے لوگوں کے شرک و فساد سے بیزار تھے۔

لیکن ان سب روایتوں کے خلاف صحیحین کی وہ حدیث ہے جس کا تعلق آغاز وحی سے ہے، اور جس میں صاف کہہ دیا گیا ہے کہ آپ نے جب فرشتے کو پہلی مرتبہ دیکھا تو بے حد خوفزدہ ہو گئے تھے اور اپنے اس ڈر کا حال، خدیجہ سے بیان کر دیا تھا جنہوں نے تسکین دی اور قسم کھا کر کہا کہ خدا آپ کے جیسے نیک آدمی کو ہرگز رسوا نہیں کرے گا۔ پھر وہ آپ کو اپنے رشتہ دار، ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، جو عیسائی تھے اور توراۃ و انجیل پڑھ چکے تھے۔ خدیجہ انہیں دانشمند سمجھتی تھیں۔ اُن کا خیال تھا کہ وہ ایسی بات کہیں گے جس سے آپ کو اطمینان ہو جائے۔ پھر ورقہ نے جب بتایا کہ آپ نے جو کچھ دیکھا ہے وہ وحی الٰہی ہے، وہی ناموس ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوتا تھا، تو آپ کو یہ سن کر بہت تعجب ہوا، جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے۔

اس کی تائید خود قرآن سے بھی ہوتی ہے، اور معلوم ہے کہ قرآن کے مقابلہ میں مذکورۂ بالا کمزور روایتوں کی ذرّہ برابر وقعت نہیں۔ اللہ تعالیٰ سورۂ ضحیٰ میں فرماتا ہے

أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ؟ وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ۔	اے پیغمبر کیا خدا نے آپ کو یتیم نہیں پایا پھر ٹھکانا دیا اور آپ کو بے خبر پایا تو راستہ بتایا۔

اس کی تفسیر سورۂ شوریٰ کی اس آیت میں فرمادی گئی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ۔ وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِنْ أَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَٰكِنْ جَعَلْنَاهُ نُورًا نَهْدِي بِهِ مَنْ نَشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ صِرَاطِ اللَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ	کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے، مگر الہام کے ذریعہ، یا پردے کے پیچھے سے، یا کسی فرشتے کو بھیجے جو اس کے حکم سے پیغام پہنچائے، اللہ عالی شان ہے حکمت والا۔ اسی طرح اے پیغمبر، ہم نے آپ کے پاس بھی اپنے حکم سے وحی بھیجی آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے، لیکن ہم نے رکھی ہے یہ روشنی جس سے راہ دکھلاتے ہیں اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں، اور بیشک آپ سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اللہ

وَمَا فِي الْأَرْضِ أَلَا إِلَى اللَّهِ تَصِيرُ الْأُمُورُ۔
(۵۱ – ۴۲)

کی راہ کی طرف جو مالک ہے اُس سب کا جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے۔ اور ہاں تمام معاملات کا انجام اللہ ہی کی طرف سے۔

اس سے بھی زیادہ صاف سورۂ قصص میں فرمایا ہے

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوا أَنْ يُلْقَى إِلَيْكَ الْكِتَابُ إِلَّا رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِلْكَافِرِينَ۔ وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ آيَاتِ اللَّهِ بَعْدَ إِذْ أُنْزِلَتْ إِلَيْكَ وَادْعُ إِلَى رَبِّكَ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ، كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ، لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ۔
(۲۸، ۸۶ تا ۸۸)

اے پیغمبر آپ کو امید نہیں تھی کہ کتاب آپ پر اُتاری جائے گی، مگر یہ آپ کے پروردگار کی مہربانی تھی، لہذا آپ کافروں کے مددگار نہ بنیے اور ایسا نہ ہو کہ وہ آپ کو اللہ کے حکموں سے روک دیں جبکہ وہ آپ پر نازل ہو چکے ہیں، دعوت دیجیے اپنے پروردگار کی طرف اور مشرکوں میں شامل نہ ہو جائیے۔ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکاریے۔ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہر چیز فنا ہو جانے والی ہے بجز اُس کی ذات کے۔ اُسی کا حکم ہے اور اُسی کی طرف تم سب لوٹ جانے والے ہو۔

یعنی اے محمدؐ تجھے ہرگز امید نہ تھی کہ خدا کی طرف سے تجھ پر کتاب وحی کی جائے گی اور تو پیغمبر ہوگا، لیکن پروردگار نے تجھ پر اور اپنے بندوں پرس

ایسی رحمت ونسل کی وجہ سے تجھے ایسا پیغمبر بنایا اور کتاب اتار دی؛
سورۂ انبیاء کے آخر میں بھی ایسی ہی آیت وارد ہوئی ہے

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (۲۱:۱۰۷)	ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے؛

۴۔ ادھیڑ عمر میں دفعتاً وحی کا نزول

متفق علیہ صحیح روایات سے معلوم ہو چکا ہے کہ سچے خوابوں کے ذریعہ جب خدا آپ کو مستعد و تیار کر چکا تو صفائی کے ساتھ وحی آپ پر دفعتاً نازل ہو گئی۔ اُس وقت آپ کی عمر پورے چالیس برس کی تھی، یہ وحی اپنے دامنوں میں اعلیٰ علوم لیے ہوئے تھی، جنھوں نے عظیم المثال کارناموں کا دروازہ کھولا اور تمام انسانوں کے اجتماعی، تمدنی، دینی حالات میں اتنا زبردست انقلاب پیدا کر دیا جس کی کوئی نظیر شروع تاریخ سے آج تک موجود نہیں، جیسا کہ ہم اوپر بتا آئے ہیں۔

۵۔ ادھیڑ عمر میں اعلیٰ علوم اور عالمگیر کارنامے دفعتاً پیش کرنا ممکن نہیں

نفسیات و اجتماعیات کے موجودہ علماء کا فیصلہ ہے کہ آدمی جب ۳۵ برس کا ہو جاتا ہے اور علم و فن میں کمال یا کسی اور لائن میں نام پیدا نہیں کر سکتا تو اس عمر کے بعد دفعتاً مامور نہیں سکتا۔ علماء کہتے ہیں کہ تمام بڑے بڑے عالم، فلسفی، سیاسی مدبر، فاتح اسی

جوانی ہی میں ہونہار ثابت ہو گئے تھے گر اُن کی برتری ادھیڑ عمر میں ظاہر ہوئی۔

پچھلے دنوں ایک بڑے عالم[1] نے امریکن اکاڈیمی میں مفصل تقریر کی ہے اور اُس میں یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ عام خیال کے برخلاف دنیا کے معاملات میں فطری ذہانت و ذکاوت کو تجربوں پر ترجیح حاصل ہے۔ اس عالم نے اپنے دعوے کی بنیاد ایک ایسے قاعدے پر رکھی ہے جسے تازہ ترین مباحث و تحقیقات نے پہلے سے زیادہ ثابت کر دیا ہے۔ اُس نے اپنی تقریر میں کہا:

"سائیکالوجی کے بہت سے علمار کی جدید ترین تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کی عقلی قوت اپنے آغاز میں، تکمیل میں، تنزّل میں، اُس کے جسمانی حالات کے مطابق ہوتی ہے۔ عقل کی نشوونما اُس زمانہ سے پہلے ہی مکمّل ہو جاتی ہے جسے عام لوگوں نے ٹھہرا رکھا ہے اور یہ کہ عقل کا تنزّل بھی اِن کے مفروضہ زمانہ سے پہلے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ مشہور انگریز اہل قلم، جالس کا قول ہے کہ آدمی کا بڑھاپا، ۲۵ سال کی عمر سے شروع ہو جاتا ہے، لہٰذا جسے اُبھرنے اور کمال حاصل

(۱) یہ ڈاکٹر ... جس کی تقریر کا خلاصہ، رسالہ الہلال نے شائع کیا ہے۔

کرنے کا ولولہ ہے، اُسے چاہیے کہ اس عمر سے پہلے ہی کوشش کرے، ورنہ بعد میں کوشش بے سود ہوگی۔ یہ مشہور مؤلف وادیب "سوئفٹ" تیس سال کی عمر کے بعد والے زمانہ کی بابت کہا کرتا تھا "دوسرے پہلو کی طرف جھکاؤ ہے"، یعنی بڑھاپے کا آغاز ہے۔

"لیکن اس کے باوجود بہت لوگ اس وہم میں مبتلا ہیں کہ بڑھاپا ۶۵ یا ستّر برس کی عمر میں شروع ہوتا ہے۔ بلاشبہ آدمی کی عمر جتنی بڑھتی جاتی ہے، اُس کی دانائی اور تجربے میں اضافہ ہوتا جاتا ہے ـــــ مگر وہ کوئی نئی بات پیدا نہیں کر سکتا"۔

آگے چل کر اسی ڈاکٹر نے کہا ہے "عقل کی پختگی، اکیس برس کی عمر میں مکمل ہو جاتی ہے، اور عمر کی تیسری دہائی کے ساتھ عقل میں کمزوری اور سستی پیدا ہونے لگتی ہے، اور یہ کہ بعض بڑے بڑے لوگ جنہوں نے علم و تحقیق میں بوڑھے ہو کر شہرت حاصل کی، اُنہوں نے بھی ایسا کام جوانی ہی میں شروع کر دیا تھا جس کا نتیجہ بعد میں ظاہر ہوا، بڑھاپے میں شہرت حاصل کرنے والوں میں سے بہت لوگوں(۱) کے نام ڈاکٹر نے مثالاً پیش

(۱) مثلاً ڈارون جس نے اپنی کتاب کا مواد تیس برس میں جمع کیا تھا، اور انگلستان کا شاعر ڈرائیڈن جس کا کمال مدتوں شاعری کرنے کے بعد ظاہر ہوا، اور موجودہ جرمن عالم آئنسٹائن جس کا بچپن سے ریاضی اور علم ہیئت سے سابقہ رہا ہے اب اپنا نسبتی نظریہ پیش کر سکا ہے۔

کیے ہیں، مگر اُن کی تعداد کم ہے۔ پھر ایسے لوگوں کے نام بھی گنائے ہیں جو جوانی ہی میں بڑے بن گئے تھے۔

۲۔ علوم و اعمالِ رسالت میں محمدؐ اور موسیٰ وغیرہم انبیاء کے مابین فرق

یہ بات طے شدہ ہے کہ کوئی آدمی ایسا نہیں گزرا جس نے بغیر کسی سابق علمی یا عملی طیاری کے ادھیڑ عمر یا بڑھاپے میں کوئی عظیم الشان عالمگیر کارنامہ کر دکھایا ہو اور اُسے تکمیل تک پہنچا دیا ہو۔ لیکن انبیاء علیہم السلام اس قاعدے سے مستثنیٰ ہیں، کیونکہ نبوت کا علم، کسبی نہیں ہوتا، بلکہ اللہ کی طرف سے وحی کیا جاتا ہے۔ پھر معلوم ہو چکا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے انبیاء میں سب سے مشہور اور سب سے زیادہ بڑے موسیٰ علیہ السلام گزرے ہیں۔ پھر یہ بھی تم جان چکے ہو کہ موسیٰؑ کی شریعت و عمل اور محمدؐ کی شریعت و عمل میں کہاں تک مناسبت ہے، حالانکہ دونوں کی تربیت اور سوسائٹی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

اسرائیلی پیغمبروں میں حضرت موسیٰ کے بعد عیسیٰ مسیح علیہ السلام کا درجہ ہے، مگر یہ موسیٰ ہی کی شریعت کے پیرو تھے، گو اُس کی بعض سختیوں کو منسوخ کر گئے ہیں۔ مسیح کا کارنامہ صرف اس قدر ہے کہ کچھ وعظ دے گئے جس کی اُس وقت کے لوگوں کو سخت ضرورت تھی۔ اخلاق و اعمال میں فساد آ گیا تھا۔ دنیا کی محبت اور مال کی پرستش عام ہو گئی تھی۔

حضرت عیسیٰ نے ان چیزوں سے منع کیا۔ آسمانی بادشاہت کی آمد
اس روح حق کی بشارت دی جو ان کے بعد آنے والی تھی جو اس زمانے کو
سب کچھ سکھا دینے والی تھی۔ حضرت عیسیٰ کی بشارت، محمد صلی اللہ علیہ
وسلم کے سوا اور کسی پر منطبق نہیں ہوتی۔
لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر جو کام انجام پایا وہ
جوات اس کی مثال اختتام نبوت نے کسی میں دیکھی ۔ بالکل نوع
میں، نہ معجزوں میں ۔ نہ زیادہ تھے، نہ جن میں وہ کسی
جیسا کہ ہم تفصیل بیان کر چکے ہیں اور ذیل میں اس کا خلاصہ
پیش کرتے ہیں

سوال

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس برس کی عمر کے بعد کیا چیز لا
کس بات کی تعلیم دی؟ کیا عمل کیا؟ حالانکہ اس عمر سے پہلے
قسم کی کوئی بات بھی نہ آپ کی زبان سے سنی گئی، نہ عمل میں
آئی نہ علم میں آپ کو کوئی مرتبہ تھا جس میں کوئی امتیاز رکھتے۔

جواب

محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسا دین لائے جو معقول
فطرت کے مطابق سب عالمگیر ہے۔ دائمی ہے۔ ایسی شریعت

جو منصفانہ اور سب آدمیوں کے مابین مساوات قائم کرنے والی ہے۔
محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی قوم کا شیرازہ باندھ دیا جو باہم شروع سے خانہ جنگی کرتی آئی تھی اور جس میں کبھی اتحاد نہیں ہوا تھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام قوموں اور قبیلوں سے ایک متحد و مہذب قوم پیدا کر دی
محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک زبردست و منصف حکومت و سلطنت قائم کر دی، اور یہ کیا کہ دینوں میں، اخلاق میں، اور تہذیبوں میں اُس تمام فساد کی اصلاح کر دی جو لوگوں نے ظلم، معصیت، اور خرافات کی راہ سے پیدا کر رکھا تھا۔

محمدؐ کی دعوت کا موضوع اور اُنکی کتاب کی خصوصیتیں

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ کیا کہ خدا نے اُنہیں اُن کی قوم میں مبعوث فرمایا ہے، اُس قوم میں جو جاہل تھی، مشرک تھی، بت پرست تھی، زمین میں فساد پھیلاتی تھی۔ اور اس لیے مبعوث فرمایا ہے کہ اپنی قوم کو پاک کر دیں۔ اُس کی تربیت کریں، اُسے کتاب و حکمت سکھائیں، تاکہ وہ آپ کی دعوت کو تمام قوموں تک پہنچا سکے۔ اصلاح کی علمبردار ہو دنیا کی وارث و خلیفہ بن جائے۔
محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعویٰ کیا تھا اور یہ دعویٰ حرف بحرف پورا ہو گیا:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ
آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا
اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ
لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى
لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ
اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ
بِيْ شَيْئًا

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک
اعمال کرتے ہیں ان سے خدا کا
وعدہ ہے کہ ان کو زمین میں اسی طرح
خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے لوگوں
کو بنایا۔ اور ان کے لیے ان کا دین مستحکم
کر دے گا جو ان کے واسطے پسند کر دیا ہے اور
خوف کے بعد ان کو امن قائم کر دے گا تاکہ وہ
میری عبادت کریں اور میرے ساتھ کسی چیز
کو بھی شریک نہ کریں۔

(۲۴ : ۵۵)

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ کیا کہ تمام انسانی قومیں کسی
[illegible] وحدت کی [illegible] سے [illegible] اور گمراہ ہیں۔ اہل کتاب بھی توحید
کی ہدایت سے ہٹ چکے ہیں۔ [illegible] سے شرک کرتے ہیں، دین
میں ایسی [illegible] یہ اگر کرتے ہیں جو اسے مشتبہ نہیں [illegible]
[illegible] کم کر چکے ہیں اور ان میں تحریف کر دی ہے۔ اور یہ
[illegible] کی طرف سے ان سب قوموں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے
آئے ہیں۔ [illegible] اس لیے آئے ہیں کہ سب کو ایک ایسی قوم بنا دیں جو
آپس میں متفق ہو [illegible] پر استوار ہو۔ جو قومیں اس برادری میں نہ

آئیں اُن کے ساتھ بھی انصاف کریں۔ اور یہ کہ آپ ہی کا دین سب کے دینوں پر اپنی حجت و برہان سے، عقل و وجدان سے، برتری و سربلندی کی راہ سے غالب آجائے گا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دعویٰ تھا اور دنیا دیکھ چکی ہے کہ یہ دعویٰ حرف بحرف پورا ہو گیا

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ (۳۲ ۹)	وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اُسے تمام دینوں پر غالب کردے، اگرچہ مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ کیا کہ جو کتاب وہ لائے ہیں، اللہ کا کلام ہے، ایسا کلام جسے اللہ نے آپ پر وحی کیا ہے۔ خود آپ کا اُس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ آپ اُس کے صرف مبلّغ ہیں۔ وہ جس طرح آتا ہے اُسی طرح پہنچا دیتے ہیں۔ یہ دعویٰ تھا اور واقعات سے ثابت ہو گیا کہ اس کتاب میں اور جو محمد کے کلام میں، اُس کے نازل ہونے سے پہلے اور نازل ہونے کے بعد کسی طرح کی کوئی مشابہت نہیں ہے، نہ اُس کی ترتیب میں، نہ اسلوب میں، نہ معانی میں، نہ بلاغت میں، نہ تاثیر میں، نہ اُس کی حدود اور عقیدوں میں، نہ اُس کی تشریع و احکام میں، نہ اُس کے کونی و اجتماعی معلومات میں، نہ اُس کی حکمتوں اور ادب کی باتوں میں۔

قرآن

بعض دلائل جو ثابت کرتے ہیں کہ قرآن، خدا کی طرف سے ہے نہ کہ محمدؐ کی طرف سے

نبوت سے پہلے اور بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ سے حاصل کی ہوئی عقلی دلیلوں سے ثابت ہے کہ آپ اس درجہ سچے تھے کہ جھوٹ بول ہی نہ سکتے تھے، اور ظاہر ہے کہ جو شخص آدمیوں کے مقابلہ میں جھوٹ نہیں بولتا وہ خدا کے مقابلہ میں کیونکر جھوٹ بول سکتا ہے، جیسا کہ خود آپ کے سخت سے سخت دشمنوں کو بھی عین جنگ و عداوت کے زمانہ میں بھی اعتراف تھا۔ اس واقعہ کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے جو آپ کے دشمنوں سے متعلق اتری تھی:

اِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ (۳۳:۶) يَجْحَدُوْنَ	یہ لوگ آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ ظالم آیاتِ الٰہی کو جان بوجھ کر ٹھکراتے ہیں۔

آزاد خیال علماء فرنگ بھی قائل ہو چکے ہیں کہ آپ دروغ سے (پاک) تھے، جیسا کہ ہم اوپر بتا آئے ہیں۔ یہاں بعض دوسری دلیلیں (ہاشمی مکی) ....

پیش کی جاتی ہیں جن سے ثابت ہو جائے گا کہ اپنے دل سے گھڑنا تو درکنار ناممکن ہے کہ قرآن آپ کی شخصی استعداد کے پیش سے پیدا ہو گیا ہو یا یہ کہ نیک نیتی کے ساتھ آپ کا یقین ہو کہ قرآن خدا کی طرف سے ہے، حالانکہ خود آپ ہی کی روح سے پھوٹ پڑا ہو، جیسا کہ بعضوں نے آج کل کہنا شروع کر دیا ہے۔

دلیل اوّل

خود قرآن بتاتا ہے کہ جب آپ پر وحی اُترتی تھی تو اس ڈر سے کہ کچھ بھول نہ جائیں، جلد جلد تلاوت کرنے لگتے تھے کہ یاد ہو جائے چنانچہ سورۂ قیامہ کے نزول کے دوران میں جب آپ نے یہی کیا تو خدا نے فرمایا،

لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ۝ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ۝ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ۝ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ (۷۵: ۱۶ تا ۱۹)	اے پیغمبر قرآن پڑھنے میں زبان اس طرح نہ چلائیے کہ جلد یاد ہو جائے۔ قرآن کو جمع کرنا اور آپ سے پڑھوانا تو ہمارے ذمہ ہے۔ جب ہماری طرف سے وہ پڑھا جائے تو اس پڑھنے کا ساتھ دیجئے۔

اس آیت میں خود پروردگار نے ذمہ لے لیا کہ قرآن آپ کو یاد رہے گا، لہٰذا جس طرح نازل ہو، اطمینان سے پڑھیں۔ کوئی بات

حفظ سے رہ جائے گی۔ سیر ذیل کی آیت میں ہو مہ لیا ہے کہ آپ قرآں میں سے کچھ بھول نہیں جائیں گے

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنسَىٰ إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفَىٰ (۸۷، ۷)	عنقریب ہم آپ کو پڑھائیں گے اور آپ بھولیں گے، الا یہ کہ چاہے۔ وہ کھلے اور چھپے سب کو جانتا ہے۔

یعنی ہم نے فرشتہ کے ذریعہ بھیجے ہوئے قرآں کے بھول جانے سے آپ کو بالکل محفوظ کر دیا ہے۔ آپ ہرگز کچھ نہیں بھولیں گے لیکن اگر خدا چاہے گا کہ کچھ بھول جائیں تو بھول جائیں گے، کیونکہ کسی خاص مصلحت سے خدا کی مشیئت یہی ہوگی۔ مگر حود اپنے حافظہ کی کمزوری سے آپ کبھی بھول میں نہیں پڑیں گے جس کا آپ کو اندیشہ لگا رہتا ہے۔ اس طرح کے استثناء کو استثنائے منقطع کہتے ہیں اور اس سے یہ مطلب نہیں ہوتا کہ خدا چاہے گا بھی کہ آپ قرآں میں سے کچھ بھول جائیں، بلکہ یہ ویسا ہی استثناء ہے جیسا ابراہیم علیہ السلام کے اُس جواب میں ہے جو انہوں نے اپنی قوم کو دیا تھا وَلَا أَخَافُ مَا تُشْرِكُونَ بِهِ إِلَّا أَن يَشَاءَ رَبِّي شَيْئًا۔ (میں اُس سے نہیں ڈرتا جسے تم خدا کا شریک بناتے ہو مگر ہاں کہ میرا رب کوئی چیز چاہے) بعضوں نے کہا ہے کہ تاکید نفی کے لیے یہ استثناء ہے۔ اور بعض کا قول ہے کہ اس سے غرض منسوخ ہونے والی آیات

ہیں۔

دلیل دوم

قرآن کو آپ اپنے الفاظ میں نہیں بلکہ اُنہی الفاظ میں پہنچا دیتے تھے جو خدا کے پاس سے نازل ہوتے فرشتہ جو کچھ بھی القا کرتا تھا، بعینہٖ وہی سنا دیتے تھے، حتیٰ کہ لفظ "قُلْ" (کہو) بھی جیسے "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ"۔ لیکن جب کبھی آپ اپنی گفتگو میں صرف معانی کی تبلیغ کرنا چاہتے اور قرآن کی تلاوت مقصود نہ ہوتی تو لفظ "قُلْ" ذکر نہیں کرتے تھے، بلکہ اُس کے بعد جو کچھ فرمایا گیا ہے، اُسے بیان کر دیتے تھے جیسا کہ ہرقل، قیصرِ روم اور دوسرے بادشاہوں کے نام اپنے خطوں میں آپ نے تحریر فرمایا تھا "یَا اَهْلَ الْکِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰی" حالانکہ اصلی آیت، لفظ "قُلْ" سے شروع ہوتی ہے۔

دلیل سوم

خود قرآن سے معلوم ہو چکا ہے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علم و رائے سے نہیں ہوتا تھا، بلکہ خدا نے اُسی کے ذریعہ آپ کی تربیت کی تھی اور علم سکھایا تھا چنانچہ فرمایا

وَاَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا (۴: ۱۱۳)

خدا نے آپ پر کتاب و حکمت نازل کی اور آپ کو اس کی تعلیم دی جس کا آپ علم نہ رکھتے تھے۔ آپ پر خدا کا فضل بڑا ہے۔

اور یہ کہ قرآن ہی تبلیغ و تسدید میں آپ کی اجتہادی فروگزاشتوں کو درست کرتا تھا، کبھی نرمی و لطف کے ساتھ، جیسا کہ فرمایا،

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ۔ (۴۳:۹)	اللہ آپ کو معاف کرے، آپ نے انہیں اجازت کیوں دی۔ یہاں تک کہ آپ پر ظاہر ہو جاتا کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون؟

اور کبھی وعظ اور سختی کے ساتھ جیسا کہ فرمایا،

وَلَوْلَا اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيْلًا۔ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا (۱۷: ۷۴، ۷۵)	اگر ہم نے اے پیغمبر تمہیں ثابت قدم نہ رکھا ہوتا تو تم کافروں کی طرف کچھ جھک جاتے تب بے شک ہم دوہرا مزہ چکھاتے زندگی میں اور دوہرا مرنے میں، پھر تم ہمارے مقابلہ میں کسی کو اپنا مددگار نہ پاتے۔

اور فرمایا،

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ	نبی کی شان سے بعید ہے کہ اُس کے پاس قیدی آئیں اور خوں ریزی نہ کرے، تم دنیا کی جنس چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے۔ اللہ زور آور ہے حکمت والا۔ اگر خدا کا نوشتہ پہلے سے نہ

سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم (۸ ۶۷-۶۸)	ہوتا تو تم پر قیدیوں سے فدیہ لینے کی وجہ سے بڑا عذاب نازل ہوتا۔

اور فرمایا:

وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ، وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ (۳۳ ۳۷)	اور اے پیغمبر جب تم اُس شخص سے کہتے تھے جس پر خدا نے اور تم نے احسان کیا ہے کہ اپنی بیوی کو لیے رہ اور اللہ سے ڈر تو تم اپنے دل میں وہ بات چھپاتے تھے جسے خدا کھول دینے والا تھا تم لوگوں سے ڈرتے تھے، حالانکہ اللہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اُس سے ڈرو۔

اس آیت کی نسبت حضرت عائشہ فرماتی ہیں، اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن میں سے کچھ چھپاتے ہوتے تو اس آیت کو ضرور چھپا ڈالتے۔

اور فرمایا:

عَبَسَ وَتَوَلَّى۔ أَنْ جَاءَهُ الْأَعْمَى۔ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُ يَزَّكَّى۔ أَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرَى أَمَّا مَنِ اسْتَغْنَى۔ فَأَنْتَ لَهُ تَصَدَّى	تیوری چڑھائی اور منہ موڑا اس بات پر کہ اُس کے پاس اندھا آیا۔ تجھے کیا معلوم کہ شاید وہ سنورتا، یا نصیحت قبول کرتا اور نصیحت اُسے فائدہ پہنچاتی۔ لیکن وہ جو

وَمَا عَلَيْكَ أَلَّا يَزَّكَّىٰ ۝ وَأَمَّا مَنْ جَاءَكَ يَسْعَىٰ ۝ وَهُوَ يَخْشَىٰ ۝ فَأَنتَ عَنْهُ تَلَهَّىٰ ؟	نہیں کرتا، تو اُس کی فکر ہیں ۔ حالانکہ تجھ پر کوئی الزام نہیں اگر وہ نہیں سنورتا ہے لیکن جو تیرے پاس دوڑ کر آیا اور جو ڈرتا ہے، سو تو اُس سے تغافل کرتا ہے!

(۸)

اور فرمایا

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ ۖ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَن ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا	اور اے پیغمبر! اپنے آپ کو اُنہی لوگوں کے ساتھ رکھ جو پکارتے ہیں اپنے پروردگار کو صبح شام، طالب ہیں اُسی کی خوشنودی کے۔ نہ دوڑیں تیری آنکھیں انہیں چھوڑ کر دنیا کی رونق کی تلاش میں۔ اُس شخص کی اطاعت نہ کر جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے، جو اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے، اور جس کا کام نے اعتدالی ہے۔

(۱۸ : ۲۸)

اسی کے ہم معنی یہ آیت ہے

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ ۖ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِم مِّن شَيْءٍ	اے پیغمبر! اُن لوگوں کو اپنے پاس سے نہ نکال جو اپنے پروردگار کو دن رات پکارتے ہیں طلب میں اُس کی خوشنودی کے۔ نہ اُن کے

وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونَ مِنَ الظّٰلِمِينَ (۶: ۵۲)	حساب کا کچھ بوجھ ہوگا تجھ پر، نہ تیرے حساب کا کچھ بوجھ ہوگا اُن پر، اگر تو انہیں نکال دیگا تو ظالموں میں سے ہو جائیگا۔

یہ آخری آیت، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تعلیم دینے کے لیے نازل ہوئی تھی کہ غریب مومنوں کا خیال کریں اور قریشی امیروں اور سرداروں کی پروا نہ کریں جو غریبوں کو حقیر سمجھتے تھے۔ آیت نازل ہونے کی ضرورت یوں پیش آئی کہ آپ کا اجتہاد یہ تھا کہ دولتمند اور سربرآوردہ لوگوں کو اپنی طرف مائل کرلیں، کیونکہ جب وہ ایمان لے آئیں گے تو عام طور پر عرب بھی اُن کی پیروی میں اسلام قبول کرلیں گے۔

دلیل چہارم

قرآن نے عرب اور عجم، سب کو چیلنج دیا کہ اس کی جیسی کوئی چیز اگر سکتے ہوں تو لے آئیں، اور دعویٰ کیا کہ تمام انسان قطعاً مجبور اور بے بس ہیں کہ اس قرآن جیسی، یہاں تک اُس کی چھوٹی سے چھوٹی سورۃ جیسی بھی کوئی چیز پیش کرسکیں۔ یہ چیلنج بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دلیل تھا کہ قرآن، خدا کی طرف سے ہے نہ کہ آپ کی اپنی بنائی ہوئی کتاب چنانچہ یہ چیلنج دیا گیا، عرب اس کے سامنے بے بس ہوگئے۔ پھر عجم بھی بے بس ہوگئے، جیسا کہ ہم نے زبان، اسلوب، ترتیب (دیکھو صفحہ ۱۲۷) تاثیر، کیفیت

اور عالمگیر انقلاب پیدا کرنے کے لحاظ سے اُس کے معجزہ ہونے کی بحث میں نمایاں کر دیا ہے (دیکھو صفحہ ۱۴۴)

معلوم ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذاتی قابلیت واستعداد سے ایسی حیرت انگیز چیز پیش نہیں کر سکتے تھے، جیسا کہ جوانی میں آپ کی سیرت سے ظاہر ہے۔

دلیل پنجم

قارئین ذیل کی آیت پر غور کریں

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیَاتُنَا بَیِّنَاتٍ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ، قُلْ مَا یَكُوْنُ لِیْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِیْ، اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ، اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ. قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَیْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ، فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ، اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔	جب اُن پر ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں وہ لوگ جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے کہ لے آ اس کے سوا اور کوئی قرآن یا بدل ڈال اسے۔ اے پیغمبر تو کہہ دے کہ میرے بس کی یہ بات نہیں کہ اپنے دل سے اسے بدل دوں میں تو اُسی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کیا جاتا ہے۔ میں ڈرتا ہوں بڑے دن کے عذاب سے اگر اپنے رب کی نافرمانی کروں۔ کہہ دے کہ اگر خدا چاہتا تو میں اس کی تم پر تلاوت کرتا اور نہ تمہیں اس کی خبر

ہوتی میں تو تم میں ایک عمر رہ بھی چکا ہوں۔ پھر کیوں نہیں سمجھتے ؟	(۱۰ ۱۶ ۱)

اس آیت میں خدا نے آپ کو حکم دیا ہے کہ جو لوگ اس قرآں کے علاوہ، جس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز آچکے ہیں دوسرا قرآں لانے کا مطالبہ کر رہے ہیں، اُن سے کہہ دیجئے کہ اسے بدل ڈالنا میری قدرت سے باہر ہے۔ پھر میں ایسا کرنے کی اگر قدرت بھی رکھتا، تو بدل نہیں سکتا تھا، کیونکہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اسی قرآں کی تبلیغ کروں، اور اگر ایسا نہ کروں تو خدا کا عذاب میرے لیے بھی طیار موجود ہے۔ پھر ذرا غور تو کرو۔ کھلا میں کیا ہوں ؟ میں تم میں پورے چالیس برس سے جی رہا ہوں۔ یہ علم میں، یہ زمان میں، تم سے زیادہ واقفیت رکھتا ہوں، پھر تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ یہ قرآں میں نے اپنے دل سے بنایا ہے اور جب چاہوں اسے بدل کر دوسرا قرآں پیش کر دوں ا

دلیل ششم

صحیح ترین روایات میں آیا ہے جن میں سے بعض متواتر ہیں کہ کبھی کبھی وحی نازل ہونے میں لمبا وقفہ پڑ جاتا تھا، اس سے آپ کا دل تنگ ہوتا اور تکلیف محسوس کرتے۔ ایک مرتبہ ایسا ہی معاملہ پیش آیا تو مشرکوں نے کہنا شروع کر دیا کہ آپ کا پروردگار آپ

سے مایوس ہو گیا ہے۔ اُن میں سے ایک عورت نے کہا کہ آپ کا شیطان چھوڑ کر چلا گیا ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی "مَاوَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی" (اے پیغمبر آپ کے پروردگار نے آپ کو چھوڑا ہے نہ آپ سے دشمنی کی ہے) اسی قدر نہیں بلکہ آپ بہت سے سوالوں کا جواب نہیں دیتے تھے بلکہ فرماتے تھے کہ وحی آنے دو۔ اس بارے میں سب سے زیادہ عبرت انگیز اور سب سے صاف دلیل، واقعۂ افک میں موجود ہے۔ منافقوں کے سردار، عبداللہ بن اُبَی بن سلول نے حضرت عائشہ ام المومنین پر، جو آپ کی سب سے چہیتی بیوی تھیں، تہمت لگائی تھی۔ بعض مومنوں نے بھی اس کا یقین کر لیا تھا اور چرچا کر رہے تھے۔ منافقوں اور کافروں نے اب تک آپ کو جتنی تکلیفیں دی تھیں، یہ تہمت آپ کے لیے سب سے زیادہ تکلیف دہ تھی۔ آپ اس قدر متاثر تھے کہ حضرت عائشہ کے والد، ابو بکر صدیق کی جلالت شان کے باوجود آپ نے خاص خاص لوگوں سے مشورہ بھی کیا کہ امّ المومنین کو جدا کر دیں۔ خود اُن کی کنیز، بریرہ سے بھی سوال کیا تھا کہ کیا کبھی کسی مشتبہ بات کا اُن پر شک ہوا ہے۔ بریرہ نے قسم کھا کر کہا کہ کبھی اس طرح کی کسی بات کا وہم بھی نہیں گزرا۔ حضرت عائشہ رات دن روتی

تھیں۔ اُن کے آنسو کبھی نہ تھمتے تھے۔ اُنہیں یقین تھا کہ خدا ضرور اُنہیں بے گناہ ثابت کر دے گا، مگر وہ کہتی ہیں" لیکن یہ خیال بھی میرے دل میں نہیں آیا تھا کہ خدا میرے بارے میں ایسی وحی نازل فرمائے گا جس کی ہمیشہ تلاوت کی جائے گی۔ میں اپنے آپ کو اس سے کہیں حقیر سمجھتی تھی"، لیکن اللہ کی حکمت دیکھو کہ پورے ایک مہینہ تک کوئی وحی نازل نہیں ہوئی۔ پھر حضرت عائشہ کی برأت میں سورۂ برأۃ کی مشہور آیتیں نازل ہوگئیں۔ اب اگر آپ کی ذاتی استعداد کو نزولِ وحی میں کچھ بھی دخل ہوتا، یا یہ بات ہوتی کہ خود آپ کی روح سے وحی پھوٹتی ہوتی اور آپ اُسے خدا کی طرف سے سمجھتے ہوتے، جیسا کہ گماں کرنے والوں نے گمان کر رکھا ہے، تو اس حادثہ بلکہ اس مثیبت عظمیٰ میں اِتنے بہت دن وحی رُکی نہیں رہ سکتی تھی۔

دلیل ہفتم

صحیح ترین مرفوع احادیث میں بتایا گیا ہے کہ شروع شروع آپ پر وحی کا کتنا زیادہ رعب پڑتا تھا۔ آپ کی حالت بدل جاتی تھی سخت سردی میں پسینہ پسینہ ہو جاتے تھے۔ نزولِ وحی کے وقت آپ کا وزن بہت زیادہ ہو جاتا تھا۔ اس کی وجہ ہم بیان کر آئے

ہیں کہ جبریل روح الامین کے اتصال کے سبب سے آپ پر روحانیت کا غلبہ ہو جاتا تھا۔ جب لوگوں کے سامنے وحی نازل ہوتی تھی تو صحابہ آپ کی حالت دیکھ کر جان جاتے تھے کہ وحی اُتر رہی ہے۔
حضرت عبادہ کہتے ہیں کہ جب وحی نازل ہوتی تو آپ سخت بے چین ہو جاتے اور آپ کے چہرہ کا رنگ بدل جاتا (مسلم) صحیحین اور نسائی میں ہے کہ یعلیٰ بن امیہ، حضرت عمر سے کہا کرتے تھے، کاش میں نزول وحی کے وقت رسول اللہ کو دیکھ سکتا۔ چنانچہ جب آپ جعرانہ میں تھے اور دھوپ سے بچانے کے لیے آپ پر ایک کپڑا تان دیا گیا تھا تو وحی اترنے لگی۔ حضرت عمر نے یعلیٰ کو اشارہ کیا کہ آکر دیکھو۔ اُنہوں نے کپڑے میں منھ ڈالا تو کیا دیکھتے ہیں کہ آپ کا چہرہ سرخ ہے اور خراٹے لے رہے ہیں۔ کچھ دیر یہی حالت رہی، پھر آپ ٹھیک ہو گئے۔
اسلام کے فرنگی دشمنوں اور اُن کے شاگردوں نے آپ کی اس حالت کی یہ تاویل کی ہے کہ آپ پر عصبی وحشی یعنی ہسٹریا کے دورے ہوتے تھے۔ حالانکہ آپ کی اس حالت میں اور عصبی بیمار کی حالت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ آپ کا مزاج، معتدل تھا۔ شاید موسیٰ سے زیادہ قریب تھا۔ عصبی دوروں کے بعد آدمی کو ایسی سخت جسمانی و عقلی کمزوری لاحق ہو جاتی ہے کہ دشمن بھی ترس کھانے

پر مجبور ہو جاتے ہیں، برخلاف اس کے آپ کی اس اعلیٰ روحانی حالت کی یہ کیفیت ہوتی تھی کہ اُس کے دُور ہونے کے بعد قرآن کی آیتیں یا کوئی پوری سورت تلاوت فرماتے تھے جس کے لفظی و معنوی اعجاز کا کچھ حال ہم اوپر بیان کر آئے ہیں جس میں علم غیب، حکمت، اور قانون کی ایسی باتیں ہوتی تھیں جیسی انسانوں نے نہ ایسے حکماء سے کبھی سنی تھیں نہ انبیاء سے، اور امید نہیں کہ آیندہ نسلوں میں بھی کبھی ایسی باتیں سنیں گے، کیونکہ اسی وحی پر اللہ تعالیٰ نے نبوت اور وحی الٰہی کی تعلیم ختم کر دی ہے۔ ہم آج بھی ٹھیک اُسی طرح تمام انسانوں کو چیلنج کرتے ہیں کہ قرآن جیسی کوئی چیز پیش کر دیں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ کے لوگوں کو چیلنج دیا تھا۔ وہ خود اپنے غرور و تعصب میں مجنون ہے جو اس علمی اصلاحی کمال کو جنون کہتا ہے۔ ہاں یہ بات دوسری ہے کہ جنوں سے اُس کے برعکس معنی مراد لیے جائیں یا اُس کمال کا نام جنون رکھ دیا جائے جو بدرجہا بہت سے نیچے اور انسانیت و ملکیت سے بالاتر ہے۔

دلیل ششم

نوعِ انسانی کی ترقی کے لیے جن قرآنی علوم و مقاصد کا ہم ذکر کر آئے ہیں، اُن سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ

اُن کے اصول کا علم تھا، نہ جانتے تھے کہ انسانوں کو اُن کی ضرورت ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب اس درجہ ناواقف تھے تو ظاہر ہے کہ ان علوم و مقاصد کے وسائل و فروع سے بھی بے خبر ہوں گے۔ یہ واقعہ ہے کہ آپ کو ہرگز معلوم نہ تھا کہ اجتماعی، سیاسی، انتظامی لحاظ سے صحیح روحانی عبادتیں کون ہو سکتی ہیں؟ اسلامی طہارت کے مسئلہ ہی کو لے لو، صرف یہی اکیلا مسئلہ، یورپ پر حجت ہے۔ اُس کی بُت پرستی کے زمانہ میں بھی، اُس کی عیسائیت کے زمانہ میں بھی، اور فلسفہ و ترقی کے موجودہ زمانہ میں بھی۔ یہ حقیقت ہر اُس شخص پر روشن ہے جو یورپ کی تاریخ سے واقف ہے، مگر ہم نے اُس کی تشریح اس کتاب میں نہیں کی کیونکہ مشہور و معلوم ہے۔

نتیجہ

ان مقدمات کا نتیجہ، اور ان روشن دلائل کا مقصود یہ بتانا ہے کہ قرآن، اللہ تعالیٰ کی وحی ہے۔ ایسی وحی جس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ ذاتی استعداد کو کوئی دخل ہے نہ تاریخی کو، نہ لغوی کو بلکہ آپ اس وحی کے صرف مُبلّغ ہیں۔ اُسے ٹھیک اُسی طرح انسانوں تک پہنچا دیتے تھے جس طرح وہ نازل ہوتی تھی۔ قرآن کے کلام اللہ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خدا کے منہ ہے اور زبان ہے جس سے وہ

بولتا ہے، یا یہ کہ خدا، آدمی کی صورت میں آتا تھا اور باتیں کرتا تھا جیسا کہ توراۃ میں کہا گیا ہے، بلکہ ہم مسلمانوں کے ہاں اس کا مطلب یہ ہے کہ وحی، اللہ کی طرف سے ایک خاص طریقہ کی تعلیم ہے جو انسانی تعلیم کے طریقوں سے مختلف ہے، جیسا کہ خود خدا فرماتا ہے

اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ	رحمان، جس نے قرآن کی تعلیم دی۔

اور فرمایا:

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ	اس قرآن کو لیکر روح الامین تیرے دل پر اُترے ہیں تا کہ تو کھلی ہوئی عربی زبان کے ذریعہ لوگوں کو ڈرائے۔

ہم مسلمانوں کے ہاں اللہ کا کلام، اُس کی ایک شان اور اُس کے علم کی طرح اُس کے کمال کی ایک صورت ہے۔ اُس کا علم یہ ہے کہ ہر قسم کی معلومات اُس پر ہمیشہ سے منکشف ہیں اور کبھی کوئی بات اور کوئی چیز بھی اُس سے مخفی نہیں ہوئی نہ ہو سکتی ہے، اور یہ کہ اُس کے کلام سے مقصود یہ ہے کہ جو معلومات جس پر چاہتا ہے، ظاہر کر دیتا ہے۔ آدمی اپنا کلام دوسرے آدمی تک اپنی زبان سے، قلم سے، اشارے سے، آلات سے پہنچاتا ہے، مگر خدا اپنا کلام، وحی کے ذریعہ پہنچاتا ہے جس کی حقیقت فرشتوں اور پیغمبروں کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

دی کی تین قسمیں ہیں جیسا کہ بیان ہو چکا ہے (صفحہ ۴۴۶) اللہ تعالیٰ کا علم، اُس کا کلام، اور اُس کا بات کرنا، اُس کی دوسری صفتوں کی طرح، انسانی صفات سے متشابہ نہیں ہے

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ۔	اُس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے۔ وہ سمیع بصیر ہے۔

دعوتِ محمدی کے اصول اور عام مقاصد

اب ہم دعوتِ محمدی میں عام انسانی اصلاح کے اُن اصول کا خلاصہ پیش کرتے ہیں جن کی تفصیل پچھلے اوراق میں بیان کر آئے ہیں۔ یہ اصول اس بات کی سب سے زیادہ روشن دلیلیں ہیں کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا علم ہے نہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی علم۔

۱ ـــــ اہل کتاب جن کی تاریخ بحیثیت مجموعی معلوم ہے اور دوسرے اہلِ ادیان بھی جو اہل کتاب سے پہلے گزر چکے ہیں، ان سب نے دین کے تینوں بنیادی ارکان میں جو خرابی ڈال دی تھی، اُس کی قرآن نے اصلاح کر دی ہے۔

دین کے وہ ارکان حسب ذیل ہیں

اللہ پر ایمان، روزِ آخرت اور جزا و سزا پر ایمان، اور عمل صالح جس سے نفسِ انسانی پاکیزہ ہوتا ہے۔

غور کرنا چاہیے کہ ایک اَن پڑھ آدمی کیونکر اِن ارکان کو جان سکتا ہے؟ کس طرح اُسے معلوم ہو سکتا ہے کہ پیغمبروں کے نام لیوا اُن میں کیا کیا فساد پیدا کر چکے ہیں؟ پھر اُس کی عقل میں یہ پھیلاؤ کیسے پیدا ہو سکتا ہے کہ وہ ایسی اصلاح تجویز کر دے جو معقول اور فطرتِ انسانی کے مطابق ہو؟ یہ چیز تو ایسی ہے کہ اس سے اِن اگلی قوموں کے تمام دانشمند اور زبردست حکیم بھی عاجز ہو چکے تھے (دیکھو صفحہ ۱۶۸ — ۲)

۲ — قرآن نے حقیقتِ نبوت اور پیغمبروں کے فرائض کی نسبت انسانوں میں جو جہل پھیل گیا تھا، اُسے دور کر دیا۔ ہم اِس ضمن میں کائناتی نشانیوں اور دوسری خوارقِ عادت باتوں پر مفصل بحث کر چکے اور دکھا آئے ہیں کہ اِس بارے میں مادہ پرست اور خرافاتی لوگ کس طرح گمراہی کا شکار ہو گئے ہیں (دیکھو صفحہ ۲۰۱ — ۲۶۲)

۳ — اِس بات کا بیان کہ اسلام، فطرتِ سلیم کا، عقل و فکر کا، علم و حکمت کا، دلیل و حجت کا، ضمیر و وجدان کا، آزادی و خود مختاری کا دین ہے، اِن اصول کے ذریعہ نوعِ انسانی کی ترقی اور اُس کا سنِ شعور تک پہنچنا، آیاتِ قرآن کی شہادتوں سے ہم ثابت کر چکے ہیں۔ آج تک تمام انسانی فلسفے، ایسا ضابطۂ قانون پیش کرنے سے عاجز ثابت ہوئے ہیں جو اپنے اندر یہ تمام اصول رکھتا ہو، اور اُن کی اُن

جملہ شروط و متعلقات پر حاوی ہو جو قرآن میں بتا دی گئی ہیں۔ (دیکھو صفحہ ۲۶۲)

۴۔۔۔۔۔ اجتماعی و سیاسی اصلاح جو آٹھ وحدتوں سے وجود میں آتی ہے قوم کی وحدت۔ نسل انسانی کی وحدت۔ دین کی وحدت عدل میں پوری مساوات کے ساتھ قانون سازی کی وحدت۔ روحانی اخوت اور عبادت میں مساوات کی وحدت۔ بین الاقوامی حکمرانی کی سیاسی وحدت۔ عدالت کی وحدت۔ زبان کی وحدت۔ ان تمام انسانی وحدتوں پر یا اُن میں سے بیشتر وحدتوں پر نہ کسی دین نے زور دیا ہے نہ کسی ضابطۂ قانون نے۔ لیکن صرف قرآن کے دین اور محمد علیہ الصلاۃ والسلام کی ہدایت نے ان سب وحدتوں کو ضروری ٹھیرایا اور انہیں استوار کر دیا ہے (دیکھو صفحہ ۲۹۵)

۵۔۔۔۔۔ اسلام میں افراد پر جو پابندیاں عائد کی گئی ہیں، اُن کی دس خوبیاں صرف اسی دین میں پائی جاتی ہیں۔ ان خوبیوں کا لُبِّ لُباب یہ ہے کہ روح اور جسم کے حقوق ایک ساتھ جمع کر دیے گئے ہیں۔ اور ان پابندیوں کا مقصد یہ رکھا گیا ہے کہ دنیا و آخرت دونوں کی سعادت حاصل ہو جائیں۔ یہ پابندیاں بالکل آسان ہیں۔ ان میں کوئی سختی ہے نہ تنگی۔ نہایت معقول ہیں۔ افراط و تفریط

سے دور ہیں۔ اِن میں نہ غلو ہے، نہ اسراف ہے۔ زینتیں اور طیبات مُباح رکھی گئی ہیں۔ تمام پابندیاں معقول ہیں۔ آسانی سمجھ لی جانے والی ہیں یہ پابندیاں دو قسم کی ہیں۔ لازمی و اختیاری۔ اور یہ تقسیم اِس لیے کہ سب آدمی، عقل، فہم، قوت، اور کمزوری میں یکساں نہیں ہیں۔
اِس دین میں تمام معاملات کا دارومدار، ظاہر پر رکھا گیا ہے نہ کہ دل کی باتوں اور نیتوں پر۔ اِس کی تمام عبادتوں کی بنیاد، خود شارع علیہ السلام کی پیروی پر قائم ہے نہ کہ اپنے دل کی ایجاد پر، اور یہ اِس لیے کہ دینی پیشوائی کی گرم بازاری نہ ہو جائے (دیکھو صفحہ ۳۸)

۶۔۔۔۔۔ اسلام کی سیاسی حکمرانی کی بنیاد اِس اصل پر قائم ہے کہ تمام اختیارات، امت کو حاصل ہیں، اور یہ کہ امت کے اولوالامر کے اجتہاد ہی پر اُس کا دارومدار ہے، مگر اِس اجتہاد کی بنیاد بھی یہ قرار دی گئی ہے کہ مفاسد کو دور کیا جائے اور مصلحتوں کی رعایت کی جائے ہمیشہ مشورے کی اصل مدنظر رکھی جائے۔ بے قید و شرط انصاف کیا جائے۔ انصاف میں پوری پوری مساوات ملحوظ رہے۔ ظلم کو دور کیا جائے۔ احکام میں نیکی ہی کو بنیاد قرار دیا جائے۔ اور معلوم ہے کہ دنیا میں آج تک کوئی سلطنت و حکومت ایسی نہیں ہوئی جو اِن باتوں میں اسلام کا مقابلہ کر سکے۔ اِس بارے میں متعدد اصول و قواعد ہیں

جنہیں ہم اوپر لکھ آئے ہیں (دیکھو صفحہ ۱۸۸)

۷ ــــــ عبادت، اخلاق، شخصی، اجتماعی، اور بین الاقوامی مصالح ہر لحاظ سے ان کی اصلاح کی صورتیں جیسی کہ ہم اگر دنیا کی حکومتیں اور قومیں، اسلام کی بتائی ہوئی اس اصلاح کو قبول کرلیں تو لوگوں کو نہ فتنہ و فساد کی شکایت باقی رہے، نہ آمریت کی، نہ سرکش بالشویکیت کی، نہ بے لگام سرمایہ داری کی، نہ یہودی بغض کی، نہ عیسائی زہد کی۔ نہ ہندی تقشف کی، نہ فرنگی زیادتی کی، نہ کسی عام مصلحت کی بربادی کی، نہ کسی ذاتی نقصان کی، بلکہ تمام انسان اس اسلامی اصلاح کے بعد معتدل بالشویکیت سے بھی بے نیاز ہو جائیں گے، کیونکہ یہی اشتراکیت اسلام ہی ہے (دیکھو صفحہ ۴۴۳)

۸ ــــــ نظام جنگ کی اصلاح کر دی گئی ہے۔ اس کی تمام خرابیاں دور کر دی گئی ہیں۔ اسے اسی حد تک محدود کر دیا گیا ہے جس میں انسان کی بھلائی ہے۔ اس بارے میں متعدد اصول ہیں جن کی دلیلیں قرآن میں موجود ہیں اور ثابت کر رہی ہیں کہ اسلام ہی اس دنیا کا دین ہے، اور یہ کہ جنگ کی ہولناکیوں اور اس سے پیدا ہونے والی خرابیوں کا ازالہ صرف اسی طرح ممکن ہے کہ اسلام کے ٹھہرائے ہوئے قواعد پر عمل کر کے جنگ کو صرف مدافعت کے لیے خاص کر دیا جائے

خونریزی پر امن کو، لڑائی پر مصالحت کو ترجیح دی جائے۔ معاہدوں میں حق وانصاف کو پیش نظر رکھا جائے۔ انہیں غل وغش سے پاک رکھا جائے تاکہ طاقتور انہیں کمزوروں پر دست درازی کا ذریعہ نہ بنا سکیں۔ ایک حکومت دوسری حکومت کو اس کی بنا پر دبا سکے۔ اس سلسلہ میں ہم نے نصوص وشواہد کے ساتھ کئی قاعدے لکھ دیئے ہیں (دیکھو صفحہ ۳۷۷)

۹۔۔۔۔۔۔ عورتوں کو تمام انسانی، دینی، شہری حقوق دیے گئے ہیں، زوجیت کے بھی، مالداری وغیرہ کے بھی اور اُن کی عزت احترام کو ضروری ٹھہرایا گیا ہے۔ یہ چیز نہ کسی دین میں موجود ہے نہ قانون میں (دیکھو صفحہ ۳۹۶)

۱۰۔۔۔۔۔۔ غلامی کو روکا گیا ہے۔ غلاموں کی آزادی پر زور دیا گیا ہے۔ اُن پر ظلم کرنے اور انہیں سے آزردہ ذلیل کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ ایسی تدبیریں کی گئی ہیں کہ غلامی میں ترقی نہ ہو سکے۔ غلاموں پر احسان کرنا واجب قرار دیا گیا ہے یہاں تک کہ کوئی غلام باقی نہ رہے اور غلامی کا بالکل خاتمہ ہو جائے (دیکھو صفحہ ۴۱۲)

ساری دنیا کو چیلنج

یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے عقائد ہیں۔ اُن کی شریعت

کے اصول ہیں۔ اُن کی اجتماعی، مالی، سیاسی اصلاح کی بنیادیں ہیں، جنہیں ہم نے اعمال کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔ قرآنی شہادتوں کو اُن کے ساتھ درج کر دیا ہے، نہ خطابی مبالغوں سے تحریر کو زوردار بنایا ہے، نہ شاعرانہ جذبات سے کام لینے کی کوشش کی ہے۔ بلکہ یہ بالکل سیدھی سادی تحریر ہے۔

ہم مسلمان، تمام قوموں کے فلسفیوں، مؤرخوں خصوصاً آزاد خیال فرنگی علماء کو چیلنج دیتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ لائے ہیں، ویسی یا اُس کے لگ بھگ ہی کوئی چیز پیش کر دکھائیں۔ بڑے سے بڑے پیغمبروں، بڑے سے بڑے حکیموں، بڑے سے بڑے اخلاقیوں، بڑے سے بڑے سیاسیوں کی تعلیمات میں سے کوئی ایسی چیز نکال کر دکھائیں، حالانکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اُمّی تھے۔ اُمیّوں میں بڑھے پلے تھے، اور یہ سب کچھ چالیس برس کی عمر کو پہنچ جانے کے بعد لائے تھے۔ ہم یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ بنی اسرائیل کے سب سے زیادہ عظیم الشان پیغمبروں موسیٰ وعیسیٰ اور آپ کے مابین کتنا بڑا فرق ہے۔ صَلَوَاتُ اللّٰہِ وَسَلَامُہٗ عَلَیْہِ وَعَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْنَ۔

عملی تنقید

انسانی افراد، جماعتوں، اور قوموں کی اصلاح کے طریقوں کا علم

بہت ہی وسیع ہے۔ دس میں آدمیوں میں بھی خال خال لوگ ہی اس فن کے ماہر ہو سکتے ہیں، اور ان سے بھی کم وہ لوگ ہیں جو قوم کے سردار حکمران بن جانے کے بعد اپنے علم کو عملاً نافذ کر سکتے ہیں۔ یہ صورت حال معلوم و مشہور ہے، لیکن اُس آدمی کے بارے میں تم کیا کہو گے جو اصلاح کے اس حد درجہ ہمہ گیر علم، بلکہ اعلیٰ علوم کو بناتا ہے۔ پھر خود ہی اُنہیں عمل میں لاتا ہے، پھر اُن کے ذریعہ ایک بہت بڑی قوم کو سنوار دیتا ہے، اور اس نہایت مشکل مہم میں خود اپنی زندگی ہی میں کامیابی بھی حاصل کر لیتا ہے؟ یقیناً یہ بات کسی آدمی کی بھی قدرت میں نہیں ہے۔ پچھلے زمانوں میں اس کی کوئی مثال موجود نہیں ہے، نہ آیندہ موجود ہونے کی امید ہے۔ اس محمدی اصلاح کے تمام اصول و فروع آج تک محفوظ ہیں، گو اکثر انسان گر چکے ہیں!

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیمات، ہجرت کے بعد، جو آزادی کا زمانہ تھا، صرف دس برس کے اندر نافذ کر دی تھیں۔ اس سے پہلے آپ دس برس تک اجمالی طور پر اپنی اصول کی دعوت پہلے چھپے چھپے پھر علانیہ دیتے رہے۔ اس زمانہ میں آپ کو ہر قسم کی تکلیفیں اور پریشانیاں برداشت کرنا پڑیں، حتیٰ کہ قتل کی دھمکیاں بھی دی جاتی تھیں۔ انہی مصیبتوں کی وجہ سے مومنوں کو بار بار ہجرت کرنا

بڑی، یہاں تک کہ آپ کی ہجرت کے ساتھ عام ہجرت شروع ہوگئی
آپ پر اور تمام مومنوں پر مشرکوں، عیسائیوں اور یہودیوں نے
اعلان جنگ کر رکھا تھا۔ مدینہ پہنچ کر آپ نے اہل کتاب کے ساتھ
معاہدہ کیا کہ اُن کی جان، مال، دین، کسی چیز کو بھی نقصان نہیں
پہنچایا جائے گا، بشرطیکہ وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں بُت پرستوں کی
مدد نہ کریں، مگر اُنھوں نے معاہدہ توڑ ڈالا۔ مسلمان چھ برس تک
ہر جنگ میں اپنی مدافعت کرتے رہے۔ وہ کمزور تھے، بے بس تھے،
مگر خدا اُن کا پشت پناہ تھا۔ اُن کے دشمن زبردست تھے، مگر خدا
کی نصرت اُن سے دور ہو چکی تھی۔ ۶ھ کے آخر میں نبی صلی اللہ
علیہ وسلم نے مشرکوں سے حُدیبیہ کا معاہدہ کیا کہ دس سال تک
آپس میں لڑائی نہ ہو، مگر ان لوگوں نے بھی عہد شکنی کی۔ نتیجہ یہ
ہوا کہ پھر حالت جنگ پیدا ہوگئی اور مسلمانوں نے قریش کا دینی و
دنیاوی پایۂ تخت اور پورے عرب کا مرکز، مکہ ۸ھ میں فتح
کر لیا۔ ۱۰ھ کے آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع ادا
کیا، اور اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ	آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین کامل کر دیا، تم پر اپنی نعمت پوری کر دی

لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔	ہے، اور تمہارے لیے اسلام کا دین ہی پسند کر لیا ہے۔

عرصہ صرف دس سال کی مدت میں عرب قوم کی وحدت مکمل ہو گئی، حالانکہ دنیا میں کوئی قوم، عربوں سے زیادہ باہمی نااتفاقی اور پھوٹ میں گرفتار نہ تھی۔ یہ حیرت ناک کارنامہ کتاب الٰہی کی تاثیر اور خداوند تعالیٰ کی تائید سے پیش آیا، جیسا کہ اُس نے اپنے رسول سے خود فرمایا ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ۔	اے پیغمبر آپ الله کی مہربانی سے ان لوگوں کے لیے نرم ہو گئے ہیں۔ اگر آپ سخت مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے گرد سے منتشر ہو جاتے سو آپ انہیں معاف کیجئے ان کے لیے بخشش چاہیے ان سے مشورہ کیا کیجئے لیکن جب آپ عزم کر لیں تو اللہ پر بھروسہ کیا کیجئے۔ اللہ بھروسہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اور یہ اس لیے کہ عرب، فرمانبرداری کرنا اور کسی کے آگے جھکنا گوارا نہ کرتے تھے، کیونکہ ہمیشہ آزاد رہتے تھے۔ نہایت ہی سخت جنگجو تھے۔ جابر و قاہر بادشاہوں اور سرکش دینی پیشواؤں کے ظلم و

استبداد کا کبھی شکار نہیں ہوئے تھے۔ معلوم ہے کہ یہی بادشاہ اور پیشوا، قوموں کو ذلیل کرتے اور ہر زبردست کے سامنے جھکنے کا خوگر بنا دیتے ہیں۔

اب آئیں علماء تاریخ اور ہمیں بتائیں کہ وہ کون پیغمبر، حکیم، شارع یا قانون ساز یا بادشاہ ایسا ہوا ہے جس نے کسی قوم کی تربیت دس برس یا اِس سے زیادہ مدت میں مکمل کر دی ہو، اور اُسے اس قابل بنا دیا ہو کہ ممالک فتح کرے۔ متمدن قوموں پر حکمرانی کرنے لگے۔ انصاف و رحم کو اپنا شعار بنا لے۔ اور اپنا ایسا اچھا نمونہ پیش کرے کہ ماتحت قومیں اُس کے دین بلکہ زبان تک کو اختیار کر لیں؟ ہاں یہ ہمارا مطالبہ ہے اور ہم یہ شرط بھی نہیں لگاتے کہ وہ قوم جسے کسی آدمی نے بنایا، سکھایا، اور مہذب کیا ہو، اُسی ناقابل بیان ابتری میں پڑی ہو جس میں عرب قوم پڑی تھی۔

علوم و فنون، فلسفہ و قوانین، اور اجتماعی و جنگی نظاموں کے اس زمانہ میں بھی جرمن اور اٹالین وحدتیں، عربی محمدی وحدت کا مقابلہ نہیں کر سکتیں جو اُمّیت و جاہلیت کے زمانہ میں مکمل ہو چکی تھی۔ بلکہ کہاں وہ اسرائیلی وحدت جو معجزوں اور خارق عادت عجائبات کے زمانہ میں ہی اور کہاں خاص عربی وحدت اور عام اسلامی وحدت

جو قرآنی آیتوں اور الہی علوم کے زیر سایہ قائم ہوئی؟
پھر اس اعلیٰ تشریع اور بے نظیر ہدایت کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء راشدین اور بہت سے صالح مسلمان بادشاہوں نے اس طرح نافذ کیا کہ تاریخ گواہی دے رہی ہے اور منصف مزاج مؤرخ اعتراف کر رہے ہیں کہ انہوں نے انصاف کے ساتھ ہمیشہ رحم برتا۔ انسانی تہذیب کی تجدید کر دی۔ اُسے ترقی دی، مردہ علوم و فنون زندہ کیے۔ اُنہیں سنوارا۔ بار آور کیا۔ اور تمام دنیا کے استاد بن گئے۔
پھر حق اور نیکی میں اس دین کی قوت کو دیکھ کر یورپ کی تمام متمدن اور وحشی قوموں نے اپنی جملہ صلیبی قوتوں سے اس کے ساتھ جنگ کی، اپنے علوم و فنون اور حیرت انگیز نظامات سے اُس کی بیخ کنی کرنی چاہی، آج تک یہ تمام قومیں اپنی جنگ جاری کیے ہوئے ہیں۔ بے شمار دولت اس غرض سے خرچ کر رہی ہیں کہ کسی طرح اس دین کے پیروؤں کو اُس سے برگشتہ کر دیں، حالانکہ اب اس دین کی سلطنتیں مٹ چکی ہیں، اُس کی حلقہ بگوش قوموں پر جہل غالب آچکا ہے۔ ان تمام کمزوریوں کے ساتھ دشمن کے حملے پوری قوت سے جاری ہیں، بہت ہی عالمگیر اور زبردست

پروپیگنڈا، مشنری پادریوں کے ذریعہ پھیلا ہوا ہے مسیحی سلطنتیں اور دینی انجمنیں، ظلم و سرکشی، اور جھوٹ کی اس طرح گرم بازاری کیے ہوئے ہیں کہ بدترین مجرم بھی شرما جائیں، مگر اس سب کے باوجود یہ دشمن آج تک نہ اس دین کی کوئی بنیاد گرا سکے نہ کسی ایک مسلمان کو بھی عیسائی بنا سکے ہیں:

يُرِيدُونَ أَن يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَن يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۔ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ (۹ ۳۲، ۳۳)

(ترجمہ) دشمن چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منھ کی پھونکوں سے بجھا دیں مگر اللہ کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ اپنے نور کو پورا کرکے رہے گا اگرچہ کافر ناپسند کریں۔ وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اُسے سب دینوں پر غالب کردے، اگرچہ مشرکوں کو کتنا ہی ناپسند ہو۔

یورپ، امریکا اور جاپان کو دعوت اسلام

اگر اس زمانہ کے یورپین اور غیر یورپین حکماء، علماء حیاۃ، ماہرین اجتماع و اخلاق، اور مؤرخین ہمارے سامنے محمدؐ جیسا کوئی آدمی پیش نہیں کر سکتے، وہ محمدؐ جن کی تاریخ معلوم و مشہور ہے، وہ محمدؐ جو اس قرآن جیسی عظیم الشان کتاب لائے جس کی تعلیمات کے بنیادی اصولوں کا خلاصہ ہم پیش کر چکے ہیں، وہ محمدؐ جو اپنی لائی ہوئی یہ تعلیمات نافذ بھی کر سکے، اور عرب جیسی عظیم الشان قوم پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے جس کا ساری دنیا پر گہرا دینی و تمدنی اثر معلوم و مشہور ہے۔ ہاں اگر یورپین اور غیر یورپین حکماء و علماء، محمدؐ جیسا کوئی آدمی پیش نہیں کر سکتے ______ اور

معلوم ہے کہ ہرگز پیش نہیں کر سکتے ـــــــــ تو کیا اُن کی یہ بے بسی اِس بات کی دلیل نہیں ہے کہ محمدؐ کا دین محمدؐ کی کتاب، محمدؐ کی روش، عرب قوم کو محمدؐ کی تربیت، خارق عادت معجزوں میں سے ہے؟

اگر یہ سچ ہے ـــــــــ اور بغیر کسی شک وشبہ کے یہ سچ ہے ـــــــــ تو کیا وجہ ہے کہ محمدؐ کی بتائی ہوئی اِن تعلیمات کو علیم وحکیم خدا کی طرف سے وحی نہ مان لیا جائے؟

وحی کا مطلب اِس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ ایک علم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے محمدؐ کی روح وقلب پر ایک ایسے مخفی طریقہ سے طاری کر دیا تھا جو تحصیل علم کے مشہور کسبی طریقوں سے مختلف اور اُن الہاموں سے بھی جدا ہے جو بعض خواص پر نازل ہوجایا کرتے ہیں۔

اِس علم کے معجزہ ہونے کے معنیٰ یہ ہیں کہ وہ ایسے طریقہ پر محمدؐ کو حاصل ہوا تھا جو انسانوں کے کسبی علوم سے مختلف، نفسیات، اجتماعیات، عقلی فلسفہ، تاریخِ اقوام، حکماء، علماء، اور بادشاہوں کے مقرر دستوروں اور قانونوں سے الگ، بلکہ خود پیغمبروں کے معاملہ سے بھی مختلف تھا، گو اُنہی کے علم کی قسم سے تھا۔ پیغمبروں نے اپنے زمانہ کی بعض غیبیات اور بعض آیندہ باتوں کی پیشین گوئی کی تھی، لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیاں تمام پیغمبروں کی پیشین گوئیوں سے زیادہ صاف، ظاہر، اور تعداد میں زیادہ ہیں۔ آپ نے اپنے زمانہ سے صدیوں پہلے کی غیبیات کی بھی خبر دی۔ پھر آپ نے جس علم، حکمت، قانون کو پیش کیا ویسی چیز کوئی پیغمبر بھی پیش نہ کرسکا۔

اے روشن خیال علماء، ہم اُن تمام شکوک و شبہات و توجیہات کی قلعی کھول چکے ہیں جس کی بنا پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے منکر آپ کے لائے ہوئے اعلیٰ علم الہٰی کو، بلند ترین شہری قوانین کو، برتر اخلاقی حکمتوں کو خود آپ کی ذاتی معلومات و استعداد کا نتیجہ بتاتے ہیں، حالانکہ لطف یہ ہے کہ ان علوم و معارف کو جہل یا تجاہل کی راہ سے وہ معمولی بھی بتاتے ہیں۔

اے روشن خیال علماء، تمھیں یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ منکروں نے جو کچھ کہا ہے، اُس میں سے بعض خود تاریخ پر تہمت ہے، اور اُن کی گفتگو کا جتنا حصہ صحیح ہے، اُس سے بھی ثابت نہیں ہوتا کہ اُن کا دعویٰ بجا ہے۔ نیز تم یہ بھی جان چکے ہو کہ مجموعی طور پر اُن کا دعویٰ، علم، فلسفہ،

انسانی طبیعت، اصولِ اجماع، اور واقعاتِ تاریخ کے سراسر خلاف ہے۔

ہم تمھیں یہ چیلنج کرتے ہیں کہ پچھلے صفحوں میں ہم نے اللہ تعالیٰ کی وحی، محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی کتاب اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قطعی طور پر ثابت تاریخ کے بارے میں جو کچھ تمھارے سامنے پیش کیا ہے، اُس کی کوئی ایسی دوسری علّت پیش کر دکھاؤ جسے عقل کی ترازو یعنی منطق قبول کرے۔

لیکن اگر تم ہمارے سامنے اس سب کی کوئی ایسی علّت پیش نہ کر سکو جسے عقل قبول کرے اور نقل بھی جس کی تائید کرے، تو ایسی صورت میں تم پر فرض ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت پر، اور اُس کتاب

پر ایمان لے آؤ جو اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر انسانی اصلاح کے لیے نازل فرمائی ہے۔ اور تم پر فرض ہے کہ ایمان کی اس دعوت کی حمایت کرو، اور اس کے ذریعہ انسانوں کی موجودہ اجتماعی زندگی کی اصلاح کرو، خصوصًا ایسی حالت میں کہ تمھارا وسیع علم، تمھارا دقیق فلسفہ اس اصلاح سے قطعًا بے بس ثابت ہو چکا ہے۔ اباحیت و شہوت پرستی اور قوموں کی ذہنی طوائف الملوکی کو روک نہیں سکا ہے۔

تمھارا علم و فلسفہ تو اتنا بھی نہ کر سکا کہ مہذب سلطنتوں کو سرکش جنگوں اور ہولناک بربادیوں کی طیاریوں اور اس طرح تمام قوموں میں عداوت کی تخم ریزی کرنے سے روک دیتا۔ یہ سلطنتیں مہذب کہی جاتی ہیں مگر اُن کی نظر میں موجودہ وسیع علوم کا جو کچھ مصرف ہے، وہ انسانوں پر سب سے

بڑی مصیبت ہے۔

اے روشن خیال علماء، یہ سب جاننے کے بعد بھی اگر تم وحی محمدیؐ کی دعوت سے انکار کرو اور روگردانی کرجاؤگے تو یقین کرو تم پر تمھاری قوموں، حکومتوں، اور تمام آدمیوں کا گناہ پڑے گا!

انسانی علوم کی بےبسی

اے روشن خیال علماء، احساس و مشاہدے سے قطعی طور پر ثابت ہوچکا ہے کہ محض انسانی علم، انسانوں کے نفس کی اصلاح نہیں کرسکتا، کیونکہ انسان اپنی انفرادی اور قومی خواہشوں اور منفعتوں کو صرف اس بنا پر چھوڑ نہیں سکتے کہ اُنہی میں سے چند آدمیوں کے بنائے ہوئے اصول کے خلاف پڑتی ہیں۔ انسان اگر جھکتا ہے تو صرف فطری

مُقَنّن (خدا) ہی کے آگے جھکتا ہے۔ اُسی علم کی عظمت کا سِکّہ اُس کے دل پر بیٹھتا ہے جو اُس کے اپنے علوم و معلومات سے مافوق ہوتا ہے، یعنی وہ علم جو پروردگارِ عالم کے پاس آتا ہے۔ اور معلوم ہے کہ روئے زمین پر اسلام کے سوا کوئی عالمگیر، صحیح اور ثابت دین موجود نہیں ہے۔

اے روشن خیال علما، ہم تمھیں بتا چکے ہیں کہ اسلام کے روحانی، سیاسی، اجتماعی قوانین کی بنیادیں کیا ہیں، اور یہ کہ اسلام کس طرح ہر جگہ اور ہر زمانہ کے لیے مناسب ہے، اور یہ کہ اسلام ہی امن، حق، انصاف، مساوات کا دین ہے، ہر قوم اور ہر فرد کو اُس کا حق دیتا ہے۔ اسلام ہی کی مساوات وہ مساوات ہے جس سے تمام مالی، سیاسی، جنگی، اجتماعی بیماریوں کو دور کیا جا سکتا ہے۔ یہودیت، ایک عارضی دین ہے اور کچھ

لوگوں کے لیے خاص ہے۔ مسیحیت، یہودیت کی روحانی اصلاح ہے اور اُس میں کوئی قانون نہیں ہے۔

لیکن اسلام؟

تو اسلام یہ ہے کہ:

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۗ وَمَن يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ	اللہ کے نزدیک دین، اسلام ہی ہے۔ اہل کتاب میں اُسی وقت سے اختلاف پڑا جب اُن میں علم سرکشی بن کر آیا۔ اللہ کی آیتوں سے جو انکار کرے تو اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

اگر کوئی منظم اور طاقتور قوم اس دینِ اسلام کی ہدایت قبول کرلے، تو ایک طرف اس کے ذریعہ تمام قوموں کو ہدایت حاصل ہوجائے گی اور دوسری طرف خود اس قوم کو تمام روئے

زمین پر برتری و سرداری مل جائے گی!

آزاد خیال علماء سے امید

اے روشن خیال علماء، تم میں سے بعض نے تجویز پیش کی تھی کہ تمام قوموں کے بڑے بڑے علماء کی ایک کانفرنس منعقد ہو اور اُن وسائل پر غور کرے جو موجودہ تہذیب کو بربادی سے بچا سکتے ہیں لیکن اگر یہ کانفرنس منعقد ہوتی تو اُن کانفرنسوں سے زیادہ نتیجہ خیز ثابت نہ ہوتی جنہیں موجودہ سلطنتیں "مجلسِ اقوام" میں یا اپنی راج دھانیوں میں منعقد کیا کرتی ہیں، اور جن سے دنیا کو صرف یہ فائدہ پہنچا ہے کہ بیماریاں اور زیادہ سخت و پیچیدہ بن گئی ہیں۔ خطروں میں کہیں زیادہ اضافہ ہو گیا ہے، حالانکہ قوموں کی آنکھوں کے سامنے وہ دوا موجود ہے جو تمام بیماریوں کے لیے اکسیر ہے، مگر قومیں اُسے نہیں دیکھتیں۔ اس دوا کی روشن حجت اُنہیں ملند

آہستگی سے اپنی طرف پکار رہی ہے، مگر وہ اس پکار کو نہیں سنتیں

"ولو علم الله فیھم خیرا لاسمعھم، ولو اسمعھم لتولوا وھم معرضون۔"

لیکن اے روشن خیال علماء، تم سے امید کی جاسکتی ہے کہ سنوگے اور دیکھوگے، سمجھوگے اور عمل کروگے۔

اچھا سنو، اصلاحِ انسانی کی ضامن، قرآنی دعوت کی حقیقت اگر اب تک تمھیں ایسے طریقہ پر نہیں پہنچی ہے جس سے بحث ونظر کو تحریک ہوتی ہے، اور یہ اس لیے کہ اب تک تم نے اخلاص وغیر جانبداری سے اُس کی جستجو نہیں کی ہے، یا اس لیے کہ اس وقت اسلام کو پھیلانے والی نہ کوئی تنظیم موجود ہے، نہ کوئی ایسی سلطنت ہی باقی ہے جو اُس کے احکام قائم اور اُس کی تہذیب جاری کرے، بلکہ مجموعی طور پر اس وقت کے مسلمان خود ہی اسلام کے خلاف حجت، اور اُس کے نور کے سامنے پردہ بنے ہوئے ہیں۔

اگر بات یہی ہے تو میں امید کرتا ہوں کہ یہ بحث جو اس کتاب میں جمع کی گئی ہے، موجودہ زمانہ کے حالات کے مطابق تمہارے پاس قرآنی دعوت کو پہنچانے میں کافی ثابت ہوگی۔ اسے دیکھنے کے بعد اگر تم پر حق روشن ہو جائے تو تمام انسانیت کی بھلائی کیلئے میری یہی آرزو ہے، لیکن اگر اس میں تمہیں کوئی شبہ معلوم ہو، تو تمہاری محبتِ علم، اور حق پسندی سے امید کرتا ہوں کہ مجھے اپنے شبہ سے آگاہ کروگے تاکہ میں اُسے دور کرنے کی کوشش کروں، کیونکہ تم جانتے ہو کہ حقیقت، بحث و گفتگو ہی سے ظاہر ہوا کرتی ہے۔

اے روشن خیال مسلمانو، میں نہیں خیال کرتا کہ اس کتاب میں اسلام کے اصول دیکھ چکنے کے بعد تم صرف اس وجہ سے شک و شبہ میں پڑ جاؤ گے کہ اسلام میں غیب کی خبریں اور ماورائے حواس کی باتیں بھی موجود ہیں۔ تمہارا یہ شبہ بجا نہیں ہے کیونکہ اس

ل تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ پھر یہ بھی یاد رہے کہ دین کا
سرچشمہ، عالم غیب ہی ہے۔ اگر اس چیز کو انسان اپنے کسی معلومات سے حاصل کر سکتا
تو صرورت ہی رہ جاتی کہ وحی کے ذریعہ اُسے معلوم کرے۔ ہم بیان کر چکے ہیں
کہ قرآن کی تعلیمات نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ عالم غیب ہی کی وحی ہے، اور یہ
بھی دلیل سے ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ موجود ہے علم و حکمت رکھتا ہے۔
لہذا لازمی ہے کہ اُس کی دی ہوئی خبریں بھی تسلیم کر لی جائیں۔ تمہارے
لیے یہ جان لینا کافی ہے کہ قرآن میں کوئی ایک بات بھی ایسی نہیں جو
عقل کی رُو سے محال ہو۔ قرآن میں بکثرت ایسی باتیں موجود ہیں جنہیں
پہلے سمجھا جاتا تھا کہ ماوراء عقل کی باتیں ہیں، مگر بعد میں علم کی ترقیوں
نے اُنہیں بالفعل موجود کر دیا ہے، مثلاً قرآن کا یہ کہنا کہ جنتی
اور دوزخی آپس میں باتیں کریں گے، حالانکہ اُن کے مابین بہت
دوری ہوگی۔ یہ بات اِس زمانہ میں ریڈیو کو دیکھ لینے کے بعد

ہر آدمی بآسانی سمجھ سکتا ہے۔

قرآن نے مادی عالم غیب کی تکوین و تاریخ سے متعلق جو خبریں دی ہیں، ان میں اُس کا یہ ایجابی معجزہ دیکھو کہ ایسے عجیب لفظوں میں اُس نے یہ خبریں دی ہیں کہ موجودہ زمانہ کے علم و تاریخ کی روشنی میں اُن کے معانی ظاہر ہو گئے ہیں، حالانکہ اس زمانہ کے لوگوں کو اُس کا وہم بھی نہیں ہوا تھا جب قرآن نازل ہوا تھا۔

اور قرآن کا یہ سلبی معجزہ دیکھو کہ صدیاں گزر گئیں مگر آج تک کسی یقینی دلیل سے اُس کی بتائی ہوئی کسی قطعی خبر کی تردید نہیں ہو سکی ہے، حالانکہ اُس کی لائی ہوئی خبریں، تاریخ کا بیان نہیں بلکہ صرف ربط و نسبت، عبرت و تذکیر کے لیے ہیں، اور اسی ۔ ۔ ۔ سکتا ہے کہ لوگوں کی عبارات

وبالوفات کے مطابق ہوں۔

ان حروں پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ فنی حقائق اور تاریخی واقعات کی تشریح ان میں کیوں نہیں کی گئی؟ تشریح اس لیے نہیں کی گئی کہ پیغمبر ان چیزوں کی شرح و بیان کے لیے نہیں آتے، پھر ان حقائق و واقعات میں کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں وسیع علم اور آلات کی مدد کے بغیر معلوم نہیں کیا جا سکتا اور یہ آلات، وحی کے مخاطبین اوّلین کے زمانہ میں موجود نہ تھے۔ ظاہر ہے پیغمبروں کے لیے ایسی باتیں بیان کرنا ہرگز مناسب نہیں جنہیں سننے والے اپنی علمی بے بضاعتی کی وجہ سے ناممکن سمجھیں اور انکار کر جائیں، اسی لیے تمام انسانیت کے پیغمبر و رہبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمادیا ہے "انتم اعلم بامور دنیاکم" ——— مسلم (تم لوگ اپنے دنیاوی معاملات زیادہ جانتے ہو)

اے روشن خیال علما، قرآن کی لائی ہوئی تکوینی حروں میں اس دقیق تعبیر کو دیکھو کہ اُس نے کائنات کے مادّے کو دُخَان (دھواں) کہا ہے جو آج کل کی اصطلاح میں لعینہ ایتھر (سدیم) ہے۔

اور فرمایا کہ آسمان ور میں دونوں "رَتقاً" تھے، یعنی ایک ہی مادہ تھے جو باہم پیوست و متصل تھا۔ پھر خدا نے انہیں الگ الگ کر کے ہر ایک کو جدا جدا صورت دے دی اور اُن میں جاندار پھیلا دیئے۔ اور فرمایا کہ خدا نے ہر زندہ چیز کو پانی سے بنایا ہے۔ اور یہ کہ اُس نے تمام نباتات و حیوانات کو جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے اور ہر ایک میں نر اور مادہ بنائے ہیں۔ اور یہ کہ اُس نے ہر نبات کو "موزوں" بنایا ہے، یعنی اُس کے عناصر ترکیبی کی مقدار موزوں کر دیئے ہیں۔ اور یہ کہ وہ جوڑا لگانے والی ہوائیں

چلاتا ہے۔ اور یہ کہ وہ "یُکَوِّرُ اللَّیۡلَ عَلَی النَّھَارِ وَیُکَوِّرُ النَّھَارَ عَلَی اللَّیۡلِ"، (وہ رات کو دن پر لپیٹتا اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے)"تکویر" کے معنی یہ ہیں کہ گول جسم پر کسی چیز کو لپیٹنا۔ اس قسم کی مثالیں قرآن میں بہت ہیں۔

اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ قرآن نے بتایا ہے کہ کائنات، ایسی سنتوں اور قانونوں پر قائم ہے جو بدلتے نہیں۔ اسی قدر نہیں بلکہ اُس نے اِن سنتوں میں سے نیز اجتماعی زندگی کے اٹل قانونوں میں سے بہت سے قانون بیان بھی کر دیے ہیں، جنہیں نزولِ وحی کے صدیوں بعد اب انسانوں نے علمی تحقیق سے معلوم کیا ہے۔ میں نے اِن قوانین کا ذکر اس کتاب میں اس لیے نہیں کیا کہ ممکن ہے کہا جائے یہ چیز تو عقل سے بھی معلوم کی جاسکتی ہے اور وحی کی اِس کے لیے ضرورت نہیں ہے۔

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهِ مَنْ
أَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ - سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي
أَنْفُسِهِمْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَى
كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ - أَلَا إِنَّهُمْ فِي مِرْيَةٍ مِنْ لِقَاءِ رَبِّهِمْ أَلَا
إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُحِيطٌ (۴۱-۵۴)

اے پیغمبر، کہہ دیجئے کہ بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر یہ قرآن، اللہ کے پاس سے آیا ہوا اور تم اُس سے انکار کرو، تو اُس شخص سے زیادہ کون گم کردہ راہ ہوگا جو حق سے اتنی لمبی مخالفت میں مبتلا ہے۔ عنقریب ہم ایسی نشانیاں اُنہیں گردونواح میں دکھائیں گے اور اُن کی ذاتوں میں بھی، یہاں تک کہ اُن پر ظاہر ہو جائے کہ قرآن ہی حق ہے۔ کیا آپ کے پروردگار کی یہ بات اس حقیقت کی شہادت کے لیے کافی نہیں کہ وہ ہر چیز کا شاہد ہے۔ یہ لوگ تو اپنے پروردگار کے روبرو جانے کی طرف سے شک میں پڑے ہیں۔ یاد رکھو، خدا ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔[1]

۴۔ محرم الحرام ۱۳۵۳ھ کو اللہ کے فضل و توفیق سے ترجمہ ختم ہوا۔

رموز کلام غالب

مولف محمد اسحاق امرتسری ۔ مدیر آئینہ نام کلکتہ
غالب کے چند بہترین اشعار کی دلچسپ اور پرکیف
شرح ۔ رموز کلام غالب کے مطالعہ سے
صاف معلوم ہو جائیگا کہ اردو انشا و ادب میں غالب کا کیا رتبہ ہے ۔ قیمت ۸ر

فتوح الشام

عہد صحابہ میں اسلامی فتوحات کی سب سے زیادہ
پرانی اور سچی تاریخ ۔
تصنیف ابو اسمٰعیل محمد بن عبد اللہ الازدی البصری ۔ ترجمہ ملیح آبادی
حجم چار سو صفحہ سے زیادہ ۔ قیمت عہ (علاوہ محصول ڈاک

فیض احمدی

(دو حصہ) حصہ اول سیر آفاقی حصہ دوم سیر انفسی
جس میں اصول اسلامی کی تشریح ضرورت
زمانہ کے مطابق فلسفیانہ رنگ میں کی گئی ہے ۔
قیمت مجموعی (دو حصہ) عہ ر

خون نابۂ ذبیح (حصہ اوّل)

یہ ایک ضخیم مجموعہ نظم ۳۳۶ صفحہ کا ہے جس کے اندر
سیکڑوں غزلیں و قصیدے اور دو ہاری کے محرمات و معرمت میں ڈوبے
ہوئے ہیں ۔ قیمت صرف عـه

المشتهر

مہتمم کتب خانہ ۔ دار الاشاعت نمبر ۱ ابو بازار اسٹریٹ کلکتہ

مطبوعہ ہند پریس نمبر ۲۰ ۔ اے جیرچل الرہو کلکتہ

[illegible] مذہبی اخلاقی اور تاریخی کتابوں کا بہتر ۱۰

اور آسان سلسلہ

اگر آپ اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت مذہبی طریقہ پر چاہتے ہیں اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپکے بچے ابتدائی تعلیم کے ساتھ ضروری مذہبی اخلاقی اور تاریخی واقفیت بھی حاصل کرتے جائیں اگر آپ بچپن ہی سے اپنے بچوں کے دلوں میں اسلام کی سچی محبت پیدا کرانا چاہتے ہیں تو سلسلہ ذیل کا مطالعہ کرایئے

۱	اسلام کا قاعدہ موسوم بہ تحفۂ محمدیہ	۱/	۱	پھولوں کا ہار	۲/
۲	اسلام کی پہلی کتاب موسوم بہ گلدستۂ محمدیہ	۲/	۲	دین و دنیا کی باتیں	۲/
۳	اسلام کی دوسری کتاب موسوم بہ گلزار محمدیہ	۳/	۳	اسلام کا چاند	۲/
۴	اسلام کی تیسری کتاب موسوم بہ گلستان محمدیہ	۵/	۴	پھولوں کی ڈالی	۲/
۵	اسلام کی چوتھی کتاب موسوم بہ بوستان محمدیہ	۶/	۵	خطوط	۲/

ریاض محمدیہ حضور رسول مقبول صلعم کی بڑی سوانح عمری [illegible]

بوستان اخیار یادگار مشاہیر اکبرآباد آگرہ کے مشاہیر علماء اور علمائے کرام اور دیگر ۳۰۳ سو بزرگان ملک کا تذکرہ [illegible]

رہنمائے فتحپور سیکری۔ فتحپور سیکری کی تمام شاہی عمارتوں آثارات قدیمہ کا مفصل حال [illegible]

مرقع اکبرآباد۔ یعنی تاریخ آگرہ جس میں شہر آگرہ اور ضلع آگرہ کی مفصل تاریخ اور جملہ عمارات شاہی و دیگر آثار قدیمہ وغیرہ کا بیان ہے۔ [illegible]

المشتہر

مہتمم کتب خانہ دارالاشاعت کلکتہ نمبر ا بوبازار اسٹریٹ